خطبہ حجۃ الوداع

ڈاکٹر نثار احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ حجۃ الوداع

حقوقِ انسانی کا عالمی منشور

خطبۂ حجۃ الوداع

حقوقِ انسانی کا عالمی منشور

تاریخی پس منظر، مکمل عربی متن، اُردو ترجمہ، توضیح وتشریح

پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد

سابق رئیس کلیہ فنون وصدر شعبہ اسلامی تاریخ
جامعہ کراچی

انسٹی ٹیوٹ آف سیرت اسٹڈیز

بیت الحکمت لاہور

۲۹۷،۳۷	نثار احمد، ڈاکٹر، پروفیسر
ن ث ا۔خ	خطبۂ حجۃ الوداع
	لاہور۔ بیت الحکمت
	۲۰۰۵ء
	ص:۲۵۶
	ا۔ سیرت، خطبات، بنیادی حقوق

ISBN 969-8773-35-5

کتاب: خطبہ حجۃ الوداع

مصنف: پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد

اہتمام: بیت الحکمت، لاہور

مطبع: آصف یٰسین پرنٹنگ پریس، لاہور

قیمت: ۱۵۰ روپے

ڈسٹری بیوٹرز

کتاب سرائے

پبلشرز۔ ڈسٹری بیوٹرز۔ مشیران کتب خانہ جات

فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ

اردو بازار، لاہور فون: 7320318

ای میل: hikmat100@hotmail.com

کراچی میں ملنے کا پتہ

فضلی بک سپر مارکیٹ، اردو بازار، کراچی ۰۲۱:۲۲۱۲۹۹۱

ترتیب

باب اوّل۔ خطبۂ حجۃ الوداع ۔ مطالعات و مآخذ پر ایک نظر

باب دوم۔ موقع محل، نوعیت، منظر و پس منظر

باب سوم۔ خطبۂ حجۃ الوداع کی نوعیت و ماہیت

باب چہارم۔ خطبۂ حجۃ الوداع، عالمی انسانی منشور

باب پنجم۔ توضیحات

پیش لفظ

نبی رحمت، رسول اعظم، ھادیٔ عالم، پیغمبر انسانیت، تاجدارِ عرب، حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے (اپنے پہلے اور آخری) حج کے موقع پر جبل رحمت (مکۃ المکرمہ) کے دامن میں وقوفِ عرفات فرماتے ہوئے سوا، ڈیڑھ لاکھ انسانوں کے عظیم الشان مجمع کے سامنے ۹/ ذی الحجہ ۱۰ھ/ ۷ مارچ ۶۳۲ء کو جو خطبۂ مبارکہ ارشاد فرمایا تھا (یعنی خطبہ حجۃ الوداع) اور جسے وہاں موجود ہر متنفس نے اس تاکید و تلقین کے ساتھ سنا تھا کہ خطبہ کا مضمون اور اس کا بیان ہر ایک دوسرے تک بھی پہنچائے۔ وہ خطبۂ جلیلہ اپنی نوعیت وحیثیت میں نہ صرف یہ کہ کارہائے نبوت و رسالت کے مرحلۂ اختتام اور تکمیلِ دین اسلام کا اعلان، امام الانبیاء کا الوداعی خطاب، سید الرسل کے آخری وصایا اور نجات دہندۂ انسانیت کا آخری جامع پیغام تھا بلکہ اپنی حقیقت و اصلیت میں انسانی تاریخ کے پہلے ''عالمی انسانی منشور'' کا اجراء تھا جو اُسی وقت نافذ العمل ہو گیا اور دنیا کو فوز و فلاح اور حیات و نجات عطا کر گیا۔

تہذیب و تمدن، شرف آدمیت و انسانیت، قانون کی حکمرانی اور آزادی کا اُجالا اُس وقت وہیں عرب میں تھا۔ یورپ اُس وقت سو رہا تھا۔ تہذیب مغرب کی آنکھ نہ کھلی تھی، امریکہ معدوم تھا، افریقہ کا زیادہ حصہ اندھیرے میں تھا، مشرق میں سیاست کا غبار اور شعور کی چنگاریاں اُڑ رہی تھیں لیکن انسانیت ہر جگہ مظلوم، ہر جگہ ذلیل وخوار اور سرنگوں تھی۔ آج شہرت پانے والے منشور ہائے انسانی اور اعلاناتِ آزادی، منشورِ نبوت کے صدیوں بعد وجود میں آئے۔ انگلستان کا منشور اعظم میگنا کارٹا ۵۸۳ سال بعد جاری ہوا، فرانس میں حقوقِ باشندگان کا اعلان ۱۱۵۷ سال بعد ہوا، امریکہ میں نوشتۂ حقوق کا پرچم ۱۱۵۹ سال بعد بلند ہوا اور اقوامِ متحدہ کا عالمی منشورِ حقوقِ انسانی ۱۳۱۶ سال بعد سند اعتبار سے سرافراز ہوا۔

زیرِ نظر کتاب محسن انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے اُسی خطبۂ حجۃ الوداع کے مکمل

متن، ترجمہ، توضیحات اور دوسرے متعلقات (مآخذ، موقع ومحل، نوعیت، منظر و پس منظر، اثرات وغیرہ) کے مفصل مطالعہ پر مشتمل ہے۔ اس میں یہ عاجزانہ کوشش بھی غالباً پہلی مرتبہ کی گئی ہے کہ خطبۂ جلیلہ کو عالمی انسانی منشور کی حیثیت سے (باقاعدہ دفعات کے تعین اور دیباچہ و اختتامیہ کے ساتھ) پیش کیا جائے۔ (اس حیثیت سے خطبۂ حجۃ الوداع کا تعارف مشہور مسلمان محقق و عالم ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم ومغفور ۱۹۵۰ء میں اور دوسرے علماء وفضلاء وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہے۔ لیکن یہ کام ابھی باقی تھا۔)

ان تمام پہلوؤں کا احاطہ خاکسار نے ایک مفصل مقالہ کی صورت میں کیا تھا۔ جو ایک عرصہ کی تعویق کے بعد ششماہی مجلّہ ''السیرۃ عالمی'' کے نائب مدیر جناب عزیز الرحمٰن کی خواہش پر، ''السیرۃ عالمی'' کے تین شماروں (شمارہ ۹ ربیع الاوّل ۱۴۲۴ھ/مئی ۲۰۰۳ء، شمارہ ۱۰/ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ/ اکتوبر ۲۰۰۳ء اور شمارہ ۱۱ ربیع الاوّل ۱۴۲۵ھ/ اپریل ۲۰۰۴ء) میں شائع ہوا۔ علمی حلقوں میں اسے بفضلہٖ تعالیٰ پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا جبکہ قدردان احباب واصحاب نے مفید مشوروں سے بھی نوازا اور اصرار بھی کیا کہ اسے کتابی شکل میں ضرور شائع کیا جائے۔ یہ فلیبلغ الشاھد الغائب کا تقاضا بھی تھا۔ چنانچہ عزیزم عزیز الرحمٰن صاحب کی ہی وساطت سے اس کا اہتمام ہوا۔ علم دوست اور معارف پرور، پروفیسر عبدالجبار شاکر صاحب (ڈائریکٹر بیت الحکمت، لاہور) اپنی مساعی جمیلہ سے اسے منصۂ شہود پر لا رہے ہیں اور پیغامِ رحمۃ للعالمین کی ترویج واشاعت میں حصہ لیتے ہوئے اسے زیورِ طبع سے آراستہ کر رہے ہیں۔ راقم الحروف ذاتی طور پر اس عنایت کے لیے موصوف کا تہ دل سے شکر گذار ہے۔ وہ حضرت مولانا حکیم سید محمود احمد صاحب برکاتی کا بھی ممنونِ کرم ہے کہ آنجناب نے اس کا بالاستیعاب مطالعہ فرما کر اپنی قیمتی رائے سے مشرف فرمایا۔

(ڈاکٹر) نثار احمد

۵ دسمبر ۲۰۰۴ء　　　(سابق رئیس کلیہ فنون و صدر شعبۂ اسلامی تاریخ)

جامعہ کراچی

تقریظ

حضرت مولانا حکیم سید محمود احمد صاحب برکاتی

(ڈاکٹر آف سائنس فاضل الطب والجراحت)

جناب ڈاکٹر نثار احمد صاحب (سابق صدر شعبہ اسلامی تاریخ و رئیس کلیۂ فنون، جامعہ کراچی) کا مقالۂ غرّا، جو اَب کتابی شکل میں منظر عام پر آ رہا ہے، میں نے شوق اور توجہ سے پڑھا اور پڑھ کر متاثر اور مستفید ہوا۔ حضرت حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبۂ حجۃ الوداع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری وصایا و احکام پر مشتمل ہے اور بجا طور پر تاریخ انسانیت میں پہلا اور آج تک آخری اور مکمل عالمی انسانی منشور ہے اور خود سرکار والا ﷺ نے اس کی تبلیغ کی وصیت فرمائی ہے اور اس کے معا بعد بلکہ بعض روایات کے مطابق اسی روز آیۂ کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم ....(۵:۳) نازل ہوئی جو تکمیل دین کا اعلان ہے، مگر حیرت ہے کہ بقول مولانا سید سلیمان ندویؒ کسی حدیث میں یکجا نہیں ہے اور مکمل خطبہ جو تقریباً ۴۷ دفعات پر مشتمل ہے، صحیح البخاری میں اس کے صرف سات جملے ملتے ہیں، اسی طرح دوسری کتب حدیث و سیرت میں متفرق طور پر خطبے کے اجزاء ملتے ہیں، ڈاکٹر صاحب نے تمام مآخذ کا غائر مطالعہ فرما کر اس کا مکمل متن جمع و ترتیب دیا ہے، ڈاکٹر صاحب نے تحقیق کا حق ادا کیا ہے اور مآخذ سے استفادہ کر کے مکمل حوالوں کے اہتمام کے ساتھ یہ مقالہ تحریر فرمایا ہے، میری نظر سے آج تک اس اہم خطبے کا اتنا مکمل اور مستند متن نہیں گذرا۔

اس کا باب اول بھی وزنی، وقیع اور معلومات افزا ہے، اس میں انھوں نے اردو

اور عربی میں سیرت اور متعلقات سیرت کی اہم کتابوں کا جائزہ لیا ہے اور خطبے کے سلسلے میں ان کی ایک ایک کمی اور کوتاہی کی نشاندہی فرمائی ہے، اردو میں تو ادبیات سیرت کی ہر قابل ذکر کتاب ڈاکٹر صاحب نے ملاحظہ فرمائی ہے اور اس پر تبصرہ کیا ہے، عربی کی کتابوں میں صحاح ستہ، سنن ومسانید، شمائل وسیر ومغازی، رجال وتاریخ کی ۴۸ کتابوں سے لوازمہ اخذ کیا ہے، ایک باب میں سفر (نبوی ﷺ بغرضِ حجۃ الوداع) کے مقامات ومنازل پر گفتگو کی ہے اور بیانات کے اختلافات پر ایک نظر ڈال کر ایک جدول ترتیب دیا ہے۔ اندازِ تحریر عالمانہ اور محققانہ ہے، ساتھ ہی زبان وبیان کی شگفتگی بھی دامن کش توجہ ہے۔

میری نظر میں خطبۂ حجۃ الوداع پر مشتمل یہ کتاب اردو کی ادبیات سیرت میں ایک اہم اضافہ ہے، خوش نصیب ہیں وہ اصحابِ علم واہل قلم جنہیں جانِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے کسی ایک گوشے پر بھی عطف توجہ اور صرف وقت کی توفیق وسعادت ارزانی ہوئی ہو۔

محمود احمد برکاتی

باب اول:

خطبۂ حجۃ الوداع

مطالعات وماخذ پر ایک نظر

مبادیات

حجۃ الوداع کا واقعہ تاریخ کی رو سے کوئی چودہ سو برس پہلے ذی الحجہ ۱۰ھ/ مارچ ۶۳۲ء میں اس وقت پیش آیا جبکہ سید الانبیاء والمرسلین، محبوب رب العالمین، حضور رحمۃ العالمین، علیہ التحیۃ الی یوم الدین، اتمامِ دعوتِ حق اور اِکمال تبلیغِ دین کی منزل پر مکہ معظمہ میں جلوہ افروز ہوئے اور اپنا پہلا اور آخری حج ادا فرمایا۔ جسے حجۃ الوداع، حجۃ البلاغ (۱)، حجۃ الاسلام (۲) اور حجۃ التمام (۳) بھی کہتے ہیں (۴)۔

یہ واقعہ نہ صرف یہ کہ اسلامی تاریخ وسیرت کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ کے اہم ترین واقعات میں سے ایک ہے بلکہ تاریخ عالم کے حوالہ سے بھی اس کا شمار ان نمایاں ترین واقعات میں کرنا چاہئے جن کا بعد کی عالمی تاریخ پر بہت گہرا اثر پڑا۔

حجۃ الوداع کا واقعہ بجائے خود متعدد واقعات کا مجموعہ ہے اور اس کا ہر واقعہ اور ہر واقعے کا ہر جز، علمی اور عملی دونوں اعتبار سے اہم اور قابل ذکر ہے۔ (مثلاً حجۃ الوداع کے لیے اعلانِ عام، حضور ﷺ کی ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ/ ۲۲ فروری ۶۳۲ء بروز ہفتہ، سنیچر/ یوم السبت کو مدینہ طیبہ سے روانگی، ایک ہفتے سے زائد تقریباً ۹ دن کا مقدس سفر، راستہ، منزلیں، مکہ معظمہ میں ورود، اور پھر مناسک حج کی تعلیم وادائیگی کے دوران عرفات ومنیٰ کے خطبات وغیرہ)۔ تاہم حجۃ الوداع کے پورے واقعے میں ہمارے نزدیک اس کا نقطۂ کمال وہ "خطبۂ

عظیم" ہے جسے اس حج کے دوران وادیٔ عرفات میں جمعہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ/ ۷ مارچ ۶۳۲ء کو ہادیٔ اعظم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزاروں لاکھوں کے مجمع میں ارشاد فرمایا۔

مجملاً ہم کہہ سکتے ہیں کہ خطبۂ حجۃ الوداع نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ کی تمام تر مبلغانہ مساعی کا ماحصل، مسلمانوں کے لیے آخری پیغمبرانہ وصیت، اور تکمیل دین کا اعلان عام تھا بلکہ عصر حاضر کے حوالہ سے دراصل یہی خطبہ عالمی انسانی منشور کی حیثیت بھی رکھتا ہے جس کے ذریعہ چاردانگ عالم کو امن وعافیت، تہذیب ومعاشرت صلح وآشتی کے ساتھ ساتھ حقوق آدمیت وانسانیت سے بھی سرفراز کیا گیا۔

علمی فنی اور تحقیقی نقطۂ نظر سے یہ بات تو باعث اطمینان ومسرت ہے کہ ہمارے ہاں کے علمائے سلف وخلف، فقہاء، محدثین، اصحاب سیر، مؤرخین، محققین اور مؤلفین نے واقعۂ حجۃ الوداع، اس کی اسنادومرویات، اس کی جزئیات وتفصیلات اور متعلقات ومتضمنات پر بحث وتمحیص میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ چنانچہ انہوں نے بطور خاص حجۃ النبی ﷺ کے جملہ احوال واعمال پر بہت کچھ لکھا ہے۔ اور مختلف پہلوؤں سے فقہی احکام کے استنباط اور فوائد و مسائل کے استقصا میں بڑی دیدہ ریزی، مستعدی اور مہارت وحذاقت سے کام لیا ہے حتیٰ کہ بعض موضوعات پر تو مستقل تصانیف یادگار چھوڑی ہیں (۵)۔ لیکن یہ امر بے حد استعجاب افسوسناک ہے کہ خطبۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جو ہمارے نزدیک پورے واقعۂ حجۃ الوداع کا جزو اعظم اور عمود حقیقی ہے، اکثر وبیشتر مولفین ومحققین، کی نگاہوں میں قرار واقعی اہمیت اور بیان وتفصیل کا مستحق نہیں ٹھہرا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس خطبہ عظیم کا متن نقل کرنے میں اور روایتاً اس کے حفظ وضبط میں، وہ اہتمام نہیں برتا گیا جو اس واقعے کے دوسرے اجزا کے لیے روا رکھا گیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ ابتدائی مآخذ میں جو روایتیں منقول ومحفوظ ہیں ان میں بھی جزوی اختلافات کے سبب تفہیم وتدبر کا کام آسان نہ رہا۔ شاید اسی لیے علامہ شبلی نعمانی کی مشہور زمانہ سیرۃ النبی ﷺ کے مرتب وجامع مولانا سید سلیمان ندوی کو

آج سے تقریباً ۸۰ سال پہلے خطبۂ حجۃ الوداع کی بحث میں یہ حاشیہ لکھنا پڑا کہ: ''یہ اور اس کے بعد کے تمام عربی جملے آنحضرت ﷺ کے خطبے کے ٹکڑے ہیں۔ یہ جملے کسی حدیث میں یکجا نہیں ہوئے ہیں، اس لیے ان کو مختلف ماخذوں سے جمع کرنا پڑا ہے'' (۶)۔ وہ آگے لکھتے ہیں: ''اصل یہ ہے کہ یہ ایک طویل خطبہ تھا، ہر ایک شخص کو جو فقرہ یاد رہ گیا جس کی اس نے روایت کی۔ اس بنا پر مختلف مآخذوں سے ان ٹکڑوں کو جمع کرلیا گیا ہے اور اس کے جا بجا حوالے دیئے گئے ہیں۔ خطبے کے بعض ضمنی الفاظ مصنف نے چھوڑ دیئے ہیں۔ روایتوں میں ایک اور اختلاف ہے۔ حضرت جابرؓ اپنی روایت میں اور ایک روایت میں حضرت ابن عباس خطبے کا دن یوم عرفہ یعنی ۹ ذی الحجہ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابن عباسؓ دوسری روایتوں میں یوم النحر یعنی ۱۰ ذی الحجہ بتاتے ہیں۔ بعض روایتیں ایام تشریق کے خطبے کی ہیں۔ ابن اسحاق نے اس کو مسلسل خطبے کے طور پر نقل کیا ہے۔ ابن ماجہ، ترمذی، اور مسند احمد میں خطبۂ حجۃ الوداع کے چند فقرے منقول ہیں۔ جن میں یہ تصریح نہیں کہ کس تاریخ کے خطبے میں آپ ﷺ نے یہ فرمایا'' (۷)

ابتدائی مطالعات

سید صاحب موصوف نے اپنے حاشیے میں جو لکھا ہے، اس سے نہ صرف یہ کہ خطبۂ حجۃ الوداع کے لیے ابتدائی مآخذ کی صورت حال بڑی حد تک سمجھی جا سکتی ہے بلکہ یہ انکشافِ حقیقت بھی کہ اس وقت تک خطبۂ حجۃ الوداع کی جمع وترتیب کا کوئی قابل ذکر کام کم از کم اردو زبان میں سامنے نہیں آیا تھا۔ اور نہ ہی خطبہ کی نوعیت واہمیت کو اس انداز سے سمجھا گیا تھا۔ جس کا آغاز علامہ شبلی کر رہے تھے۔

برصغیر پاک وہند میں اردو سیرت نگاری کی تاریخ کے حوالے سے علامہ شبلی کا کام اردو سیرت نگاری کے بلوغ کی دلیل ہے۔ اور اہل علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ علامہ شبلی سے پہلے سیرت نگاری کے جو نمونے دستیاب ہوئے ہیں وہ مختلف جہات سے تشنگی رکھتے ہیں (۸)۔ واقعہ یہ ہے کہ شبلی محض ایک شخص کا نام نہیں ہے، ایک عہد اور ایک تحریک کا نام ہے۔ اور سیرۃ نبوی کے حوالے سے اس مخصوص رویئے اور سلوک کا نام ہے جس کے تحت ایک مسلمان امتی (ایک گدائے بےنوا) اسوۂ رسالت مآب ﷺ کی صہبائے خلوص ومحبت کو علم کے پیانے میں تحقیق کی چھلنی سے چھان کر پیتا ہے اور سیراب ہو کر بھی مدہوش نہیں ہوتا۔

علامہ شبلی سے پہلے اگرچہ یہ رویہ اور سلوک ناپید تھا۔ تاہم مبالغہ آرائی سے پاک سنجیدہ علمی تحریروں کا رواج اردو میں ہو گیا تھا۔ چنانچہ بطور مثال اس دور کی قابل ذکر کتابوں میں سے مفتی محمد عنایت احمد کاکوروی (۱۲۲۸۔۱۲۷۹ھ) کی کتاب ''تواریخ حبیب الٰہ'' کا

نام لیا جا سکتا ہے۔ جو پہلی مرتبہ ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء میں نظامی پریس کانپور سے شائع ہوئی (۹)۔ کتاب مختصر ہے اس لیے حجۃ الوداع کا بیان بھی انیسویں فصل میں مختصراً کیا گیا ہے (۱۰)۔ مسلمانوں کے علاوہ بعض غیر مسلموں کی تعصب سے پاک کتب سیرت بھی ہماری توجہ کی مستحق ہیں۔ مثلاً شردھے پرکاش دیوجی کی کتاب ''حضرت محمد ﷺ صاحب بانی مذہب اسلام'' جو اپنے مندرجات اور تبصروں کی روشنی میں قابل ذکر شمار ہوگی۔ اور جس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۰۷ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب کے باب ہفتم میں ''الوداعی حج'' کا واقعہ ایک پیراگراف میں اس تصریح کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اس وقت ایک لاکھ چوبیس ہزار خدا پرست میدان عرفات میں موجود تھے (۱۱)۔ پھر خطبۂ نبوی ﷺ کی چند باتوں کو بھی مصنف نے دوسرے پیراگراف میں تبرکاً بیان کر دیا ہے (۱۲)۔

علامہ شبلی کی تجویز اور کوششوں سے سیرت نبوی کے سلسلے میں جن سنجیدہ علمی کاوشوں کا آغاز ہو چکا تھا (۱۳)، اس میں علامہ شبلی کے چند ہم عصروں نے بھی نمایاں طور پر حصہ لیا۔ مولانا شبلی نے سیرۃ النبی کی ترتیب و تالیف تو کافی پہلے شروع کر دی تھی لیکن اس کی اشاعت کا سلسلہ ان کی وفات کے بعد شروع ہوا۔ چنانچہ جلد اول ۱۹۱۸ء میں اور جلد دوم ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئی جس میں خطبۂ حجۃ الوداع کی بحث شامل ہے۔ تاہم اس سے پہلے قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری (۱۹۳۰ء) اپنی کتاب رحمۃ اللعالمین کی جلد اول (مطبوعہ ۱۹۱۲ء) میں خطبۂ حجۃ الوداع کے حوالے سے گویا ایک قدم آگے بڑھا چکے تھے۔

جہاں تک ہمیں معلوم ہے اردو کتب سیرت میں یہ فخر و امتیاز قاضی سلیمان منصور پوری کی کتاب رحمۃ للعالمین کو ہی حاصل ہے کہ انہوں نے غالباً پہلی مرتبہ حضور سرور کائنات کے خطبۂ حجۃ الوداع کا عربی متن (مع ترجمہ) مربوط و مسلسل کلام کے طور پر پیش کیا اور ایک خاص ترتیب کے ساتھ اس کے تقریباً بارہ جملے مرتب کر دیئے (۱۴)۔ قاضی صاحب موصوف کو چونکہ دوسرے علوم و فنون کے علاوہ بائبل کے مندرجات و مضامین پر مکمل دسترس حاصل

تھی، اس لیے ان کا خاص کام یہ بھی ہے کہ انہوں نے خطبۂ نبوی کے مختلف جملوں کی تشریحات کو بائبل کے حوالوں سے مزین کر کے ثابت کیا کہ وہ خطبۂ عظیمہ بشارات الہامی کا مصداقِ حقیقی تھا۔(۱۵)

علامہ شبلی کے ایک اور ہم عصر پروفیسر سید نواب علی (۱۸۷۷ء۔۱۹۶۱ء) کی ایک اہم کتاب ''سیرت رسول اللہ'' کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۱ء میں نکلا اور مقبول ہوا۔ خطبۂ حجۃ الوداع کے حوالے سے ان کی کتاب کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے حجۃ الوداع کے زیرِ عنوان پہلے تو صحیح مسلم کی روایت جابرؓ کے حوالے سے خطبۂ نبوی ﷺ کے عربی متن کے چھ فقرے نقل کیے (۱۶) اور ابن اسحاق اور ابن سعد کی روایتوں سے تین جملے مزید نقل کیے (۱۷)، نیز اردو ترجمہ کے ساتھ مختصر تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہدایاتِ رسول نظام تمدن کی روح رواں ہیں (۱۸)، پروفیسر نواب علی کی تشریح میں خاص بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ موصوف نے خطبۂ حجۃ الوداع کے مندرجات کو اس دور زمانے کے حالات اور تقاضوں کے مطابق سمجھنے کی کوشش کی (۱۹) گویا خطبۂ حجۃ الوداع کی تفہیم میں اسے ایک گونہ پیش رفت قرار دیا جا سکتا ہے۔

علامہ شبلی اور ان کے ہم عصروں کی علمی کاوشوں سے ذوقِ سیرت ایسا عام ہوا کہ سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر کثرت سے لکھا جانے لگا۔ اور مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے مصنفین کی اتنی کثیر تعداد شریک کارواں ہوگئی جن کا شمار بھی مشکل ہے۔ البتہ خطبہ حجۃ الوداع کے حوالہ سے کسی نئی تحقیق و تفتیش کی نشاندہی آسان نہیں۔ سیرت نگاروں کی عام توجہ حجۃ الوداع کے احوال و واقعات تک ہی محدود نظر آتی ہے۔

مثال کے طور پر مولانا عبدالرؤف دانا پوری (۱۸۷۴ء۔ ۱۹۴۸ء) کے قلم سے (بمطابق دیباچہ ۱۹۳۲ء میں) لکھی جانے والی کتاب ''اصح السیر'' اس اعتبار سے تو قابل ذکر ہے کہ خاصی ضخیم ہے اور چھ سو چھپن صفحات پر محیط ہے، نیز خود مصنف کے بیان اور

جائزے کے مطابق اس میں متعدد پہلوؤں سے علامہ شبلی کی تعقیب بھی کی گئی ہے (۲۱)۔لیکن اس لحاظ سے یہ ایک روایتی اور سرسری سی کتاب ثابت ہوتی ہے کہ اس میں مصنف علام نے ''کتاب حجۃ الوداع'' کو چالیس صفحات پر پھیلانے (۲۲) اور واقعہ حجۃ الوداع کی جزئیات اور اعمال و احوال کے بارے میں پورے شرح و بسط سے کام لینے کے باوجود خطبہ حجۃ الوداع (بشمول بیانِ خطبات عرفہ ونحر) کو بمشکل چار صفحات میں نمٹا دیا ہے (۲۳)۔جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا داناپوری نے خطبۂ نبوی ﷺ کو قرار واقعی اہمیت نہیں دی۔مثلاً پہلے تو وہ خطبۂ عرفہ کی ایک جملہ میں تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ ''اس خطبہ میں حضور ﷺ نے اسلام کے قواعد کو محکم اور مقرر کیا۔کفر اور جہالت کے قواعد کو منہدم کیا''۔ (۲۴) پھر چھ، سات ارشاداتِ نبوی ﷺ کا خلاصہ کسی حدیث یا راوی یا روایت کے بغیر اپنے ہی الفاظ میں بیان کر دیتے ہیں (۲۵)۔جبکہ خطبۂ منیٰ کو ایک جملہ میں یوں سراہتے ہیں کہ ''اس کے بعد حضور ﷺ منیٰ تشریف لے گئے اور وہاں ایک عظیم و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا اور بہت سے احکام کی اس میں تعلیم دی (۲۶)، پھر حاشیے میں حضرت ابوبکر کی روایت نامکمل حوالے کے ساتھ نقل کرتے ہوئے چند فرمودات نبوی ﷺ نقل کر دیتے ہیں (۲۷)۔تعجب یہ ہے کہ حجۃ الوداع کے تمام تر بیانات میں متنِ خطبہ کا صرف ایک (عربی) جملہ ہی موصوف نے بغیر کسی حوالے کے نقل کر دینا کافی سمجھا ہے (۲۸)۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اصح السیر میں بیانِ سیرت کے لیے عام، اور کتاب حجۃ الوداع کے لیے مصنف کا جو خاص انداز پایا جاتا ہے، اس سے یہ تاثر مرتب ہوتا ہے کہ مولانا داناپوری روایتی بیان کو زیادہ پسند کرتے ہیں لیکن مسائل کے مختلف پہلوں پر غور فکر کو زیادہ مستحسن خیال نہیں فرماتے۔شاید اسی لیے مصنف اصح السیر نہ تو خطبۂ حجۃ الوداع کے متن، الفاظ وعبارات وغیرہ کی جمع وترتیب کی فکر کرتے ہیں اور نہ ہی خطبہ کی مذہبی معاشرتی، تہذیبی تمدنی اور ثقافتی اہمیت سے تعرض کرتے ہیں (۲۹)۔

اصح السیر کے ہی اطوار و انداز سے مماثلت رکھنے والی ایک ضخیم کتاب ''سیرۃ المصطفیٰ'' بھی ہے جس کے مصنف حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی (۱۹۰۱۔۱۹۷۴) ہیں، اس کتاب کی تین جلدیں بقول ایک مصنف، ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئیں اور چوتھی جلد ۱۹۶۶ء میں مکمل ہو کر شائع ہوئی، اصح السیر کی طرح اس کتاب کی بنیاد بھی احادیث پر رکھی گئی ہے۔ اور یورپین مصنفین کی کتب سیرت سے اعتنا نہیں کیا گیا (۳۰)، افسوس کہ کتاب کے کل تین صفحات پر مشتمل حجۃ الوداع کے ذکر احوال کے ساتھ ساتھ خطبۂ نبوی کے اردو خلاصے پر ہی اکتفا کیا گیا ہے، لیکن خطبے کے ضمن میں نہ کوئی حوالہ دیا گیا ہے، اور نہ مآخذ و سرچشمہ بیان کیا گیا ہے (۳۲)

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی (۱۹۰۱، ۱۹۶۳ء) کی تصنیف جو ایک مصری مصنف سے متاثر ہو کر لکھی ہے۔ یعنی سیرت نبوی رسول کریم ﷺ (۳۳) یا نور البصر فی سیرت خیر البشر (۳۴) بھی خطبۂ حجۃ الوداع کے تفصیلی بیان، متن خطبہ اور بحث سے خالی ہے۔ (۳۵) خطبات عرفہ و منیٰ کا خلاصہ تو دیا گیا ہے لیکن نہ تفصیل نہ حوالے نہ مآخذ کا ذکر (۳۶)۔ کم و بیش یہی صورت حال مصری مصنف خضری بک سے متاثر ہونے والے (۳۷) مولانا اسلم جیراجپوری کی ''تاریخ الامت'' میں نظر آتی ہے (۳۸) موصوف نے بھی خطبۂ نبوی ﷺ کا اردو خلاصہ بغیر تصریح مآخذ دس پندرہ جملوں میں بیان کر دیا ہے (۳۹)۔

(فتنہ انکارِ سنت کے ایک ترجمان) غلام احمد پرویز کی مشہور کتاب ''معراجِ انسانیت'' (۴۰) اپنی ہم عصر کتابوں میں ایک مخصوص نقطۂ نظر کی حامل ہونے کے باوجود اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ اس میں تکمیل کار کے زیر عنوان واقعے کے علاوہ خطبۂ حجۃ الوداع اور اس کی نوعیت و اہمیت سے بھی بحث کی گئی ہے (۴۱)۔ یہ صحیح ہے کہ ایک مربوط و مسلسل خطبہ کی حیثیت سے اسے نقل نہیں کیا گیا تاہم معاملے کو اپنی اصل کی طرف لوٹاتے ہوئے عربی متن کے دس بارہ جملوں کو ترجمے کے ساتھ شامل کیا جانا خوشگوار تاثر چھوڑتا ہے (۴۲)۔

دارالمصنفین اعظم گڑھ سے سلسلۂ تاریخ اسلام کی پہلی جلد میں جو شاہ معین الدین

احمد ندوی کی تالیف ہے (۴۳)، حجۃ الوداع کے واقعات اور خطبات پر مشتمل نو صفحات میں جولوازمہ پیش کیا گیا ہے (۴۴) وہ کم وبیش سیرۃ النبی ﷺ (از شبلی وسلیمان ندوی) کا ہی عکس وآہنگ لیے ہوئے ہے۔ شاہ صاحب نے غالباً عام قاریوں اور طلبا کی ضروریات کے تحت خطبۂ نبوی ﷺ کے اصل جملے نقل نہیں کیے بلکہ صرف اردو ترجمہ پر اکتفا کیا ہے۔

جنگ عظیم دوم کے بعد خطبۂ حجۃ الوداع کی ترتیب وتدوین کی ایک قابل ذکر پیش رفت اس وقت نظر آتی ہے جبکہ مولانا محمد ادریس طوروی کا مرتبہ ''خطبات نبوی ﷺ'' کا مختصر لیکن وقیع مجموعہ زیورطبع سے آراستہ ہوا (۴۵)۔ اوراس میں خطبہ حجۃ الوداع کے اصل متن کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی سنجیدہ کوشش کا مظاہرہ کیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ حضور ﷺ کے خطبۂ حجۃ الوداع کے زیادہ سے زیادہ (یعنی تقریباً ۲۵) جملوں کو نقل کر دیا گیا ہے۔ البتہ ان جملوں کے درمیان مختصر تبصروں کے سبب خطبۂ نبوی ﷺ مربوط ومسلسل شکل اختیار نہ کرسکا (۴۶)۔ تاہم یہ کوشش ہر لحاظ سے قابل قدر قرار دی جائے گی۔ یہاں مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب بجنوری کی کتاب وصایا مطبوعہ ادارہ مدنی، دارالتالیف بجنور، یوپی ۱۳۶۲ھ طبع اول کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، جس میں خطبات حجۃ الوداع کے زیر عنوان اگرچہ عربی متن مع ترجمہ نقل کیا گیا ہے۔ لیکن افسوس کہ مکررات کے ساتھ ساتھ حسن ترتیب بھی نہیں اور حوالے بھی نامکمل ہیں (۴۷)۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی مختصر لیکن اثر انگیز کتاب ''انسانیت موت کے دروازہ پر'' (۴۸) بھی کسی طرح نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔ اس کتاب میں مولانا موصوف نے حضور اقدس ﷺ کے آخری ایام حیات کا نقشہ کھینچتے ہوئے آپ ﷺ کے خطبۂ حجۃ الوداع کے اقتباسات کا اردو ترجمہ بھی اپنے جادو بیان قلم اور جاندار تبصروں کے ساتھ شامل کردیا ہے۔ البتہ ان میں نہ عربی متن ہے نہ مآخذ وحوالہ جات، تاہم بعض نکتے خوب آگئے ہیں (۴۹)۔

قیام پاکستان کے بعد

قیام پاکستان کے بعد سے اب تک کے عرصے میں، جو پانچ چھ دہائیوں پر پھیلا ہوا ہے، سیرۃ النبی اپر مختلف النوع تصانیف کی کثرت نے یہ تقریباً ناممکن بنا دیا ہے کہ تمام نگارشات کو شمار کیا جا سکے۔ ایسا کرنا فی الوقت ہمارے موضوع کا براہِ راست تقاضہ بھی نہیں۔ حجۃ الوداع کا واقعہ چونکہ حیاتِ نبوی ﷺ کے بیان کا جزو لاینفک ہے۔ اس لیے سیرت نگارانِ مصطفیٰ انے اسے عام طور پر موضوعِ سخن بنایا ہے۔ البتہ اکثر و بیشتر بہت سرسری یا رسمی انداز سے، ورنہ خصوصی مطالعہ وتوجہ خال خال ہے۔ بہر حال طوالت سے احتراز کرتے ہوئے ہم بطور خلاصہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ بحیثیت مجموعی خطبۂ حجۃ الوداع کے خصوصی حوالہ سے نگارشاتِ سیرت میں تین رجحانات واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں:

۱۔ اولاً ایسی نگارشات جن میں واقعۂ حجۃ الوداع کو مع خطبہ واحوال و واقعات، سرسری، رسمی، روایتی انداز سے بیان کر دیا گیا۔ نیز خطبے کے حوالے سے ان میں نہ کوئی نکتہ آفرینی، نہ تشریح و توضیح، یا موازنہ وتقابل نہ کوئی اور خاص بات، بس زیادہ سے زیادہ اہتمام یہ کیا گیا کہ خطبۂ نبوی ﷺ کا خلاصہ، یا اس کا ترجمہ بھی شامل اشاعت کر دیا۔ بعض اوقات اگرچہ متن خطبہ کو بھی شامل کیا گیا لیکن وہ بھی اس طرح کہ یا تو حوالوں اور مآخذ کا بہت سرسری ذکر ہے یا بالکل نہیں۔ اس کے بعد خطبے کی اہمیت وافادیت کو ایک آدھ صفحے میں نمٹا دیا گیا۔ سیرت نبوی ﷺ پر لکھی جانے والی کتابوں کی بڑی تعداد اسی زمرے میں شمار کی جا سکتی

ہے۔ چنانچہ یہاں بطور مثال ہم فقیر سید وحید الدین (۵۰) مولانا جعفر شاہ پھلواروی (۵۱) سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی (۵۲)، علامہ نصیر الاجتہادی (۵۳)، سید رضوان اللہ وانتظام اللہ شہابی (۵۴)، ڈاکٹر محمد عزیر (۵۵)، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر (۵۶)، مولانا ابو الحسن علی ندوی (۵۷)، جناب شمس بریلوی (۵۸)، آغا اشرف (۵۹)، حسن المرتضیٰ خاور (۶۰)، خالد علوی (۶۱)، اور منورہ نوری خلیق (۶۲)، وغیرہ کا نام لے سکتے ہیں، (۶۲، الف)

اسی قبیل کی ایک ضخیم کتاب جو" ہادی اعظم ﷺ" کے عنوان سے کچھ عرصے پہلے (زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی کی طرف سے ۱۹۹۱ء/۱۴۱۲ھ میں) شائع ہوئی اور جس کے مؤلف معروف بزرگ مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب کے صاحبزادے جناب سید فضل الرحمٰن صاحب ہیں، اس کتاب میں سیر وسوانح اور شمائل وتعلیمات نبوی کی دیگر تفصیلات کے ساتھ ساتھ بطور واقعہ حجۃ الوداع کے لیے مدینہ طیبہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی اور سفر وغیرہ کے بیان کے علاوہ خطبۂ حجۃ الوداع (۲۴۲ تا ص ۲۴۵) کا اردو ترجمہ بھی شامل کیا گیا ہے اور حاشیے میں ابن ہشام اور جمہرۃ خطب العرب کا حوالہ درج ہے، اس میں نہ کسی قسم کا متن شامل ہے اور نہ خطبے کی اہمیت وغیرہ سے بحث کی گئی ہے اور نہ بحیثیت منشور انسانیت کوئی ذکر ہے،

ایک اور تازہ ترین اشاعت پذیر ہونے والی سات جلدوں پر مشتمل حسن طباعت سے مزین کتاب "ضیاء النبی" ہے جس کے مصنف اور مؤلف ہیں جسٹس پیر کرم شاہ الازہری (شائع کردہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ذوالحجہ ۱۹۹۸ء/ ۱۴۱۸ھ) ضیاء النبی جلد چہارم میں حجۃ الوداع اور اس کے متعلقات پر دوسری بحثوں کے علاوہ میدان عرفات میں خطبۂ جلیلہ کا عربی متن (ص ۷۵۳ تا ۷۵۸) صرف ایک متاخر العہد عالم محمد بن یوسف الصالحی الشامی کی کتاب "سبل الہدیٰ والرشاد" سے ماخوذ ہے، نیز منیٰ میں خطبہ بھی (۷۶۵) اسی سے ماخوذ ہے البتہ خطبہ عقبہ کا متن (ص ۷۶۹ تا ۷۷۴) بلا حوالہ نقل کیا ہے۔ متن کے

بالمقابل اُردو ترجمہ بھی موجود ہے۔ اس طرح گویا خطبۂ حجۃ الوداع بڑی حد تک جامع ہونے کے باوجود کئی ٹکڑوں میں ہے اور اصل مآخذ کی تصریح سے خالی ہے نیز بحیثیت منشور انسانیت اس پر گفتگو، دفعات وغیرہ کی تحدید اور مربوط شکل میں اس کی پیشکش ممکن نہ ہو سکی۔

۲۔ ثانیاً ایسی نگارشات جن میں خطبۂ حجۃ الوداع کا تجزیہ، اس کی اہمیت وافادیت سے بحث اور تقابلی جائزہ وغیرہ پیش کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں دو تین کتابیں بطور نمونہ پیش کی جاسکتی ہیں، ایک پہلی مگر مختصر اور دوسری بعد میں لیکن مفصل جبکہ تیسری اور زیادہ مفصل اور جدید العہد، پہلی کتاب ہے ''رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی'' (۶۳) جس کے مصنف عہد حاضر کے مایہ ناز مسلمان محقق، اور یادگارِ سلف ڈاکٹر محمد حمید اللہ ہیں۔ خطبۂ حجۃ الوداع کے موضوع پر ۱۹۵۰ء میں لکھا ہوا (۶۴)، موصوف مرحوم (م ۲۰۰۲) کا ایک مضمون اسی کتاب میں شامل اشاعت ہے (۶۵) اور اس کا عنوان ہے ''انسانیت کا منشور اعظم'' ۔ یہ عنوان اس پس منظر میں کہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی اس کی تحریر سے دو سال پہلے (۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو) انسانی حقوق کے عالمی منشور کی منظوری دے چکی تھی۔ گویا تازہ ہوا کا ایک جھونکا تھا۔ لیکن افسوس کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے خطبۂ نبوی ﷺ کی اس نئی اور بروقت تعبیر کو صرف عنوان تک محدود رکھا۔ اور خطبۂ نبوی ﷺ کے تقریباً ۱۶ جملوں کا محض اردو ترجمہ ہی نقل فرمایا جبکہ عربی متن کے لیے بعض مآخذ کی طرف اشارہ کر دینا ہی کافی سمجھا (۶۶)۔ کاش کہ وہ اقوام متحدہ کے ''منشور انسانی'' کے حوالے سے مفصل گفتگو فرماتے نیز متن خطبہ کی منتشر روایات کو بھی اپنے تبحر علمی، بالغ نظری اور جامعیت سے مرتب فرما دیتے تو یقیناً امت پر احسان ہوتا اور اہل علم رہنمائی پاتے (۶۷)۔

دوسری کتاب مولانا نعیم صدیقی کی ''محسن انسانیت'' (۶۸) ہے جس میں اگرچہ متن خطبہ تو نہیں دیا گیا لیکن خطبہ کے مضامین کی اردو ترجمانی بہ طریقہ احسن کی گئی ہے۔ اور اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ فاضل مصنف نے حجۃ الوداع کے واقعہ اور خطبہ کو ایک خاص

نقطۂ نظر سے دیکھنے کے علاوہ خطبۂ نبوی ﷺ کی نوعیت واہمیت اور اس کے دوسرے مختلف پہلوؤں پر بحث اور تجزیہ دوسرے مصنفین کی بہ نسبت زیادہ مفصل طریقے سے کیا ہے۔ چنانچہ وہ حجۃ الوداع کو ''تحریک اسلامی کا اجتماع عظیم'' (۶۹) اور خطبۂ نبوی اکو'' اسلامی تحریک کا بین الاقوامی منشور'' قرار دیتے ہیں (۷۰)، ان کے نزدیک خطباتِ عرفہ ومنیٰ کئی حیثیتوں سے غیر معمولی حیثیت رکھتے ہیں (۷۱)۔مولانا نعیم صدیقی کے بقول'' بین الاقوامی منشور ہونے کے لحاظ سے ان خطبوں میں جو کچھ محسن انسانیت ﷺ نے پیش فرمادیا ہے۔ انسانی کاوشیں اس سے آگے کچھ سوچ نہیں سکیں۔ بلکہ کوئی دوسرا نظامِ تمدن وہ معیار انسانیت عملاً پیدا نہیں کرسکا جو اس منشور میں دیا گیا ہے۔'' (۷۲) وہ پھر آگے لکھتے ہیں۔'' یہ منشور اسلام کا بنیادی منشور ہےاوراس کی طرف انسانیت کو بلایا جاسکتا ہےان کلمات حقیقت افروز سے ہٹ کر زندگی کا جونقشہ بھی بنایا جائے گا وہ غیر اسلامی ہوگا۔'' (۷۳)

اس سلسلے کی تیسری کاوش جو اول الذکر دونوں کتابوں کے تقریباً ربع صدی بعد منظرِ عام پر آئی وہ ڈاکٹر حافظ محمد ثانی کی ضخیم کتاب ''محسن انسانیت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور انسانی حقوق'' (بہ استشہاد خطبۂ حجۃ الوادع) ہے (جو دارالاشاعت کراچی سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی) اس کے سرورق پر اور مقدمے (ص ۵۱) میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ اس میں اقوام متحدہ کے عالمی منشور انسانی حقوق اور مغرب کے افکار وتصورات کا تاریخی اور تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔موضوع بحث کا تقاضہ تھا کہ کتاب میں خطبۂ حجۃ الوداع کی دستاویز اہتمام سے پیش کی جاتی اور خطبۂ عظیم کا پورا متن بہ اہتمام صحت اور منشور نبوی بہ قید دفعات مرتب کیا جاتا، تاکہ جدید منشور حقوق انسانی سے مقابلہ وموازنہ بالکل متعین ہوجاتا، مگر یہ پہلو تشنہ رہ گیا ہے۔ نیز خطبۂ مبارکہ کو منشور انسانیت کی حیثیت سے پیش نہیں کیا گیا، تاکہ اس کی جامعیت اور پوری زندگی سے اس کی مطابقت ظاہر ہوجاتی اور یہ پتہ چل جاتا کہ خطبۂ نبوی میں عقائد و عبادات، معاش ومعاد کے علاوہ حقوق وفرائض اور معیشت معاشرت سیاست وتمدن حیات

کے ہر پہلو سے رہنمائی موجود ہے، بلکہ محض منشورِ حقوق انسانی ہی گردانا گیا۔ کتاب مذکورہ تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے اور مختلف عنوانات کے تحت سات ابواب میں منقسم ہے۔ مفید معلومات اور ضروری مواد اچھا خاصا پایا جاتا ہے، مگر افسوس کہ پھیلاؤ بہت زیادہ ہے جس کی وجہ سے قاری کا ذہن مرتکز نہیں ہوتا اور جگہ جگہ نکات، بیانات، اقتباسات کی تکرار کے سبب تاثر خوشگوار نہیں ہوسکتا، اس تکرار کی زد میں خطبۂ حجۃ الوداع بھی آ گیا ہے۔ حالانکہ مؤلف کی پوری کتاب اس خطبے کے استشہاد پر مبنی قرار دی گئی ہے اور ضروری تھا کہ خطبے کی تلاش و جستجو احتیاط سے کی جاتی اور نقل و ترتیب میں پوری توجہ برتی جاتی، خطبۂ مبارکہ کی عربی عبارت دو جگہ اور اردو ترجمہ بھی دو مقامات پر اور کئی جگہ اقتباسات بھی۔ مثلاً، فرضیت حج اور حجۃ الوداع کی دوسری بحثوں (ص ۵۸ تا ۶۱) کے بعد پہلے حجۃ الوداع کا آنکھوں دیکھا حال صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی طویل روایت کے تحت (ص ۶۲ تا ۶۶) بیان کیا گیا جس میں خطبۂ نبوی بھی شامل ہے۔ پھر اردو ترجمہ (۶۶ تا ۸۲) دیا گیا ہے۔ بعد ازاں اگلے صفحات میں خطبے کے عربی اقتباسات مع اردو ترجمہ کچھ تشریحات کے ساتھ (۸۶) تا ۹۵) نقل کیے گئے جبکہ مزید اگلے صفحات میں (تکرار کی دھند میں) خطبۂ حجۃ الوادع کا تعارف (ص ۹۶ تا ۹۷) پھر سے پیش کرنے کے بعد متن خطبۂ حجۃ الوداع (ص ۹۸ تا ۱۰۴) جناب صبار دانش کے مرتبہ آٹھ ورقی کتابچے (شائع کردہ صدیق ٹرسٹ کراچی، ت ط ن۔ سلسلہ اشاعت نمبر ۹۶۵) سے من و عن نقل کر دیا ہے۔ پھر اور آگے اردو ترجمہ مکرر (ص ۱۰۵ تا ۱۱۴) شامل ہے۔ جناب صبار دانش نے متن خطبہ ایک طرح سے تو مربوط و مسلسل شکل میں لیکن فی الواقع الگ الگ ٹکڑوں میں عنوانات کے تحت جمع کر دیا ہے، علاوہ ازیں ماخذ و مصادر کا متعین حوالہ نقل نہیں کیا، جس سے اندازہ ہوتا کہ خطبے کا کون سا حصہ کس کتاب سے ماخوذ ہے، بس خطبے کے آخر میں ۱۹ مآخذ کی مجموعی فہرست دے دی گئی ہے۔ صبار دانش صاحب کے کتابچے سے ماخوذ متن خطبہ میں ایسے جملے بھی شامل ہو گئے ہیں جو حدیث جابر میں موجود نہیں

نیز یہ جملے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ فتح مکہ کے موقع پر ارشاد فرمائے تھے (دیکھیے: یا معشر قریش ص ۹۹، نیز یامعشر القریش ص ۱۰) جس کا ثبوت ثانی صاحب نے حضور ﷺ کے خطبۂ فتح مکہ بہ تکرار نقل کرتے ہوئے خود (ص ۷۰، ۲۶۹ اور ۲۷۴، ۲۷۳) پر دے دیا ہے۔ مکررات کی مزید مثالوں کے لیے دیکھیے ص ۸۴ اور ۱۱۷، ص ۴۷ اور ۸۳، ص ۸۳ اور ۱۱۵، ص ۱۲۱ تا ۱۲۴۔ نیز ۱۵۲۔۱۵۱ اور ۶۴، ۱۲۳، ص ۱۵۶ اور ۱۶۷، ۱۳۷ اور ۱۵۲، ۱۵۲، ۵۷ اور ۷۰، ۱۶۸، ص ۲۲۰ اور ص ۲۳۱ وغیرہ وغیرہ، کتاب مکررات کو حذف کرکے اور نظر ثانی کے بعد مفید تر ثابت ہو سکتی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ بعض مجلّہ جات کے خصوصی شماروں کا حوالہ ناگزیر ہے جن میں سے ایک ماہنامہ ''فاران'' کراچی کا سیرت نمبر انتہائی قابل ذکر ہے جو جنوری ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔ خطبۂ حجۃ الوداع کے سلسلے میں دو مضامین خصوصی توجہ کے مستحق ہیں ۔ پہلا مضمون مشہور مؤرخ اور محقق پروفیسر خلیق احمد نظامی کی فکر کا نتیجہ ہے اور اس کا عنوان ہے'' حضور سرور کائنات کا آخری خطبہ اور اس کی تاریخی اہمیت''۔ (۴۷) اس مضمون میں پورا خطبہ اور اس کا متن ایک جگہ نقل نہیں کیا گیا بلکہ الگ الگ فقروں کو الگ الگ بیان کرکے تشریح کی گئی ہے۔ مضمون میں پہلے پانچ جملے منتخب کیے گئے ہیں (ص ۵۰۔۱۴۹) اور پھر اس کے بعد تاریخی منظر و پس منظر (ص ۱۵ تا ص ۱۵۳) سے بحث کی گئی ہے۔ جو خاصے کی چیز ہے۔ اس کے بعد عربی متن کے بجائے صرف اردو ترجمہ دیا گیا ہے اور مجملاً حوالے بھی مذکور ہیں۔ فاران (سیرت نمبر) کا دوسرا مضمون مسٹر ناتھ رام کے قلم سے ہے جس کا عنوان ہے'' فصاحت و بلاغت کی معراج''۔ (۷۵) اس خطبے کی فصاحت و بلاغت پر بحث کرتے ہوئے مصنف نے ابن ہشام کے حوالے سے خطبے کا مکمل متن نقل کر دیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ مضمون بہت قیمتی ہو گیا ہے۔

دوسرا مجلّہ'' خاتون پاکستان'' کا ضخیم رسول نمبر (مرتبہ شفیق بریلوی۔ مطبوعہ کراچی

۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۴ء) ہے۔ جس میں مولانا غلام رسول مہر کا ایک مفصل مضمون بعنوان ''رسول اکرم ﷺ کا آخری حج'' (ص ۱۵۴ تا ص ۱۵۹) شائع ہوا۔ حجۃ الوداع اور متعلقات کے علاوہ خطبۂ حجۃ الوداع پر بھی مختلف ذیلی عنوانات عالمگیر مساوات (ص ۱۵۶) اسلامی اخوت (ص ۱۵۷) امن وسلامتی کی راہ (ص ۱۵۸) گمراہی سے بچنے کا وسیلہ (ایضاً) اور تکمیل دین (ص ۱۵۹)) قائم کر کے خطبۂ نبوی ﷺ کے اقتباسات بھی نقل کیے ہیں اور توضیحی گفتگو بھی، لیکن افسوس تشنگی وہی ہے یعنی نہ متن نہ حوالے۔

تیسرا قابلِ ذکر مجلّہ اور مشہور معروف ادبی جریدہ ''نقوش'' لاہور کا عظیم الشان رسول نمبر ہے۔ یہ رسول نمبر اپنے فاضل مدیر اور صاحب طرز ادیب، محمد طفیل صاحب مرحوم کی حُسن نیت کا شاہکار اور ان کی محبت رسول کا آئنہ دار ہے اہلِ علم وتحقیق کے لیے بہترین مواد کا حامل اور معیار وانتخاب، ترتیب وتنسیق آرائش وتزئین اور حسن طباعت واشاعت کا حسین مرقع ہے نیز ہر لحاظ سے معرکۃ الآرا نمبر ہے بلکہ مجلات کی عالمی تاریخ میں اسے یقیناً انفرادیت حاصل ہے، نقوش کا یہ رسول نمبر سیرت نبوی اور اس کے متعلقات پر ضخیم ترین رسالہ ہے جو بڑے سائز کی ۱۳ جلدوں پر مشتمل اور کم وبیش دس ہزار صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ البتہ افسوس یہ ہے کہ شاید ہجوم کار میں خطبۂ حجۃ الوداع کا موضوع مدیر محترم کے نزدیک قرار واقعی اہمیت نہ پا سکا اور تشنگی باقی رہ گئی۔ چنانچہ اس موضوع پر پہلے تو جلد دوم میں (شمارہ ۱۳۰ جنوری ۱۹۸۳ء ادارہ فروغ اردو لاہور۔ ص ۷۳۵ تا ۷۳۹) متنِ خطبہ مع اردو ترجمہ (پرانا مضمون مکرر) دیا ہے اور پھر جلد چہارم میں ۲ مضامین مزید شامل کر دیے ہیں۔ ایک ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کا مضمون ''انسانیت کا منشور آزادی'' (۳۴۳، ۴۶) اور دوسرا مولانا غلام رسول مہر کا ایک پرانا مضمون (مطبوعہ خاتون پاکستان رسول نمبر ۱۹۶۴ء) بعنوان حجۃ الوداع (۷۴۷ تا ۷۵۲)، لیکن دونوں مضامین میں یہ قباحت مشترکہ ہے کہ نہ تو ان میں متن پایا جاتا ہے اور نہ حوالے مذکور ہیں۔ خطبۂ حجۃ الوداع کی اہمیت اور اس کے مواد کا فاضلانہ تجزیہ بہرحال پیش

کیا گیا ہے۔

(iii)ثالثاً عام کتب سیرت (جن میں حجۃ الوداع کے واقعات، احوال اور خطبات کا حوالہ یا خلاصہ یا اشارات پائے جاتے ہیں) کے علاوہ خطبہ حجۃ الوداع کے متن کی ترتیب و تدوین اور اس کے مندرجات و مضامین پر مشتمل الگ مستقل کتاب یا کتابچہ کی شکل میں جو کوششیں بہ زبان اردو منظر عام پر آئیں، ان کے ذکر سے پہلے انگریزی زبان کی ایک سنجیدہ اور وقیع علمی کاوش کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس کا نام تھا The orations of Muhammad(S.A.W) (خطبات رسول)۔ ایک مختصری کتاب جسے ۱۹۵۴ء میں شیخ محمد اشرف لاہور نے شائع کیا اور جس کے مؤلف و مرتب ممتاز المحدثین مولانا عبیدالاکبر تھے۔ یہ درحقیقت وہ مقالہ تھا جسے ایم اے کی سند کی تکمیل کے لیے کلکتہ یونیورسٹی میں مشہور عالم پروفیسر ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی صاحب کی زیر نگرانی ۱۹۴۴ء میں پیش کیا گیا۔ اس کتاب میں خطبۂ حجۃ الوداع کا اصل متن (عربی) الگ الگ ٹکڑوں میں انگریزی ترجمہ کے ساتھ جمع کیا گیا ہے اور بعض ایسے نادر جملے بھی شامل اشاعت ہوئے جو بعد میں کسی اور نے نقل نہیں کئے۔ تاہم افسوس یہ ہے کہ خطباتِ عرفات ومنیٰ کے آخر میں مآخذ کی مجموعی فہرست تو دی گئی ہے تاہم خطبہ میں شامل متن/ جملوں کا الگ الگ حوالہ یا مآخذ کا التزام نہیں کیا گیا۔ بہرحال متن خطبۂ نبوی ﷺ کی ترتیب کے ضمن میں یہ اولین کوشش انتہائی قابل قدر ہے، ہمارے سامنے اس کا دوسرا ایڈیشن ہے جو ۱۹۶۶ء میں شیخ محمد اشرف لاہور نے شائع کیا۔

بہ زبانِ اردو سب سے زیادہ قابل ذکر کوشش وہ ہے جو ہمدرد فاؤنڈیشن کراچی کے علم دوست سربراہ حکیم محمد سعید صاحب کی طرف سے ہوئی، چنانچہ موصوف نے تبلیغی مقاصد سے ۱۶ سطری تمہید کے ساتھ خطبۂ حجۃ الوداع کی اشاعت کا الگ انتظام ایک ۸ ورقی کتابچے کی صورت میں کیا جس پر تاریخ طبع درج نہیں غالباً ۱۹۶۸ء میں طبع ہوا، اس کتابچے میں خطبے کے عربی متین کی تدوین مفتی محمد شفیع صاحب دارالعلوم کراچی کی زیر نگرانی ہوئی جبکہ اس کے

بالمقابل اردو (از حکیم محمد نعیم الدین زبیری صاحب) بنگالی (از حکیم عبدالمنان صاحب) اور انگریزی ترجمہ (از فضل احمد صدیقی صاحب) بھی شائع کیا گیا۔ کتابچے کے آخری صفحہ پر یہ درج تھا۔ ''میدانِ عرفات میں جبل رحمت سے تمام عالم کے لیے اور تعمیر انسانیت کے لیے منشور جاری ہوا، ہمدرد اس انسانی منشور (ہیومن چارٹر) کو آپ تک پہنچانے کا فرض ادا کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے''۔

ہمدرد کے شائع کردہ اسی متن کو محض ایک دو ابتدائی جملوں کے فرق کے ساتھ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد کے شعبۂ دعوت وارشاد نے (غالباً پہلے) انگریزی ترجمہ کے ساتھ ایک الگ کتابچے کی شکل میں (جس پر سن اشاعت درج نہیں) اور پھر (بعد میں) اسی متن کو مولانا محمد میاں صدیقی صاحب کے اردو ترجمہ وشرح کے ساتھ ایک مستقل حیثیت سے (۱۹۸۰ء اور ۱۹۸۵ء میں دوبارہ) شائع کیا۔ علاوہ ازیں ہمدرد کے شائع کردہ متن خطبہ کا اردو ترجمہ کراچی پورٹ ٹرسٹ کی طرف سے ۱۹۸۲ء میں شائع ہونے والے کیلنڈر کی بھی زینت بنا۔ اور اسی سال شائع ہونے والے ''نقوش'' لاہور کے رسول نمبر ج ۲، ص ۳۵ تا ص ۳۹ ۷ میں بھی (متن خطبہ مع ترجمہ، من وعن) نقل کر دیا گیا ہے۔

جہاں تک خطبہ حجۃ الوداع کے متذکرہ بالا متن کا تعلق ہے (جسے پہلے پہل ہمدرد نے اور پھر ادارہ تحقیقات اسلامی وغیرہ نے شائع کیا) اس میں اور باتوں کے علاوہ (۷۶) علمی اور تحقیقی نقطۂ نظر سے سب سی بڑی قباحت یہ ہے کہ کسی بھی اشاعت میں نہ تو مآ خذ کا حوالہ دیا گیا ہے اور نہ سند واسناد مذکور ہیں۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کی اردو اشاعت کے دیباچے میں اگرچہ یہ تحریر ہے کہ ''خطبۂ حجۃ الوداع کا مکمل'' متن کسی ایک کتاب میں دستیاب نہیں، اس کے مکمل متن کے حصول کے لیے ہم نے مقدور بھر کاوش کی ہے۔ ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن کے شائع کردہ متن کے علاوہ حدیث اور سیرت کی مستند کتابوں سے بھی رجوع کیا ہے اور ان کی مدد سے اس کو مکمل کرنے کی کوشش کی ہے (ص ۴) لیکن افسوس کہ پوری کتاب میں کہیں یہ

تصریح موجود نہیں کہ متن خطبہ کہاں کہاں سے لیا گیا ہے؟ اور کس جملہ کی سند کہاں ہے؟ کتابیات کے تحت ص ۵۸ پر محض یہ لکھ دینا کافی سمجھا گیا کہ "خطبہ حجۃ الوداع کا متن حسب ذیل کتب سے لیا گیا ہے"۔

اس متن میں شامل کم از کم دو جملے یعنی (۱) یا معشر قریش لا تجیئوا بالدّنیا تحملونها علیٰ رقابکم و یجئی الناس بالآخرة فلا اغنی عنکم من الله شیئا اور (۲) یا معشر قریش انّ الله قد اذهب عنکم نخوة الجاهلیة و تعظمها بالآباء (۷۷)۔ تحت الجھن اور اضطراب پیدا کرتے ہیں۔ ہماری معلومات کی حد تک مہمات کتب حدیث، صحاح ستہ، موطا امام مالک، مشکوٰۃ، وغیرہ اور سیر د تاریخ کی کسی کتاب میں خطبۂ حجۃ الوداع کے حوالہ سے یہ جملے منقول نہیں۔ صرف ایک جگہ الھیثمی (م ۸۰۷ھ) نے پہلا جملہ باب الخطب فی الحج کے تحت ایک روایت میں ذکر کیا ہے۔ لیکن جس طرح نقل کیا ہے وہ بجائے خود اسے درجۂ استناد سے گرا دیتا ہے (۷۸)۔ چنانچہ روایت کے مطابق کچھ لوگ ایک صحابیٔ رسول کے پاس پہنچے اور ان سے گفتگو کرتے ہوئے کہا: قلنا قوم من اهل البصرة بلغنا ان لك صحبة من الرسول الله صلی الله علیه وسلم قال نعم صحبت رسول الله و قعدت تحت منبره یوم حجة الوداع فصعد المنبر فحمد الله واثنیٰ علیه و قال یا معشر قریشا لا تجیئوا بالدنیا تحملونها علیٰ رقابکم و تجیء النساس بالآخرة فانی لا اغنی عنکم من الله شیئا....... قلنا ما اسمك قال اناالعداء بن خالد بن عمرو۔ پھر اس روایت کے آخر میں الھیثمی خود تحریر کرتے ہیں کہ رواه الطبرانی فی الکبیر باسانید هذا ضعیف (۷۹)، اس روایت میں راوی کے بیان کے مطابق منبر پر رونق افروز ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب فرمانا بجائے خود محل نظر ہے کیونکہ تمام محدثین، مؤرخین اور اصحاب سیر کے مطابق یہ مسلمات میں داخل ہے کہ خطبۂ حجۃ الوداع حضور ﷺ نے اپنی اونٹنی قصواء پر جلوہ فرما ہوکر ارشاد فرمایا تھا نہ کہ منبر سے (۸۰) منبر کا تلازم یہ ثابت کرتا ہے کہ

دونوں جملے غالباً کسی اور موقع ومحل سے تعلق رکھتے ہیں، خطبۂ حجۃ الوداع سے نہیں۔ اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ خطبۂ حجۃ الوداع میں حضور ﷺ کا تخاطب عام تھا یعنی تمام انسانوں سے تھا۔ اور جملہ مؤرخین، محدثین واصحابِ سیر نے جو بھی اقتباسات نقل کیے ہیں اس میں " ایھا الناس " کی تکرار بلا استثنا اتنی بار آئی ہے کہ گویا وہ ہر جملہ کا منادیٰ ہے۔ یوں بھی حجۃ الوداع کے خطبے کا تمام تر مضمون چونکہ پوری انسانیت کے لیے آخری نبوی ﷺ وصیت کا مصداق ہے اس لیے ایسے موقع پر " یا معشر قریش! " کے حوالہ سے متذکرۃ الصدر دونوں جملے خطبۂ حجۃ الوداع کی قبائے زریں میں پیوند معلوم ہوتے ہیں (۸۱)۔

ہمارے نزدیک آثار وقرائن کا اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ یا معشر قریش سے ملحق دونوں جملے غالباً فتح مکہ کے موقع پر ارشاد فرمائے گئے۔ فتح مکہ کے خاص موقع ومحل کی روشنی میں یہ دونوں جملے اس موقع پر ارشاد فرمائے گئے خطبۂ نبوی ﷺ کے مضامین اور اپنے منظر وپیش منظر سے واقعتاً حد درجہ مطابقت ومشابہت رکھتے ہیں۔ چنانچہ زیر بحث دونوں جملوں میں سے کم از کم ایک جملہ فتح مکہ کے موقع پر ارشاد فرمائے گئے خطبۂ نبوی ﷺ میں شامل ہے۔ ابن ہشام کے مطابق: ان رسول اللہ قام علی باب الکعبۃ فقال : لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ صدق وعدہٗ و نصر عبدہ و ھزم الاحزاب و حدہٗ. (الا کل مائرۃ اودم اومال یدّعی فھو تحت قدمی ھا تین الّا سدانۃ البیت و سقایۃ الحاج الاوقتیل الخطاء شبہ العمد بالسوط و العصاء ففیہ الدّیۃ مغلّظۃ مِئۃ من الابل اربعون منھا فی بطونھا اولادھا، یا معشر قریش انّ اللہ قد (أذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ و تعظمھا بالآباء، الناس من آدم و آدم من تراب ثم تلا ھذہ الآیۃ (یا یھا لناس انا خلقنا کم من ذکرو انثیٰ و جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا. ان اکرمکم عنداللہِ اتقاکم)(۸۲)۔

دوسرے جملہ (یا معشر قریش لا تجیئوا بالدنیا........ الخ) کا حوالہ راقم

الحروف کو الھیثمی کے متذکرہ حوالے کے علاوہ کہیں اور نہیں مل سکا۔

مختصر یہ کہ خطبۂ حجۃ الوداع کے جس متن کی اشاعت ادارہ ہمدرد کی طرف سے ہوئی تھی اور جسے دوسرے اداروں کی اشاعتوں میں بھی نقل کیا گیا وہ علمی اور تحقیقی اعتبار سے بہت تشنہ تھا۔ اور ضرورت اس بات کی تھی کہ متن کے اعتبار سے بھی خطبہ کو مکمل کیا جاتا اور حوالوں اور اسناد کے لحاظ سے بھی۔ بہر حال کچھ پیش رفت اس سلسلے میں یوں نظر آئی کہ ادارہ مطالعہ و تحقیق لاہور کی طرف سے یہی خطبۂ حجۃ الوداع سترہ صفحات پر مشتمل ایک الگ کتابچے کی شکل میں دو صفحاتی کلماتِ تعارف کے ساتھ شائع ہوا۔ (کتابچے پر تاریخ طبع موجود نہیں اور ناشر کی حیثیت سے عطیہ منجانب اختر بیگم کراچی درج ہے)۔

یہ کتابچہ اس لحاظ سے وقیع ہے کہ اس میں بحوالہ تعارف ''خطبے کی منتشر روایات کو برآمد کر کے مرتب کرنے اور عربی متن کے بالمقابل اردو ترجمہ'' (۸۳) کے ساتھ ساتھ حوالوں کا بھی بندوبست کیا گیا اور خطبے کو ایک مربوط کلام کی طرح پیش کیا گیا۔ تاہم یہ مجموعہ بھی مزید تحقیق و تنقیح چاہتا تھا مثلاً مکررات کو حذف کیا جاتا، اسناد اور حوالوں کو مکمل کیا جاتا اور ضروری حواشی تحریر کیے جاتے۔

اس سلسلے میں ایک اور اچھی کوشش ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صاحب کی کتاب ''فصاحت نبوی ﷺ'' (۸۴) میں کی گئی۔ اس میں نہ صرف یہ کہ خطابت، فصاحت نبوی ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر مجموعی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ بلکہ خطبۂ حجۃ الوداع کا متن بھی مختلف مآخذ سے اخذ کر کے مربوط شکل میں پیش کر دیا ہے۔ البتہ تشنگی اس اعتبار سے ہے کہ:

(ا) آغاز خطبہ میں مآخذ کی ایک مجموعی سرسری فہرست تو دے دی گئی ہے لیکن یہ تصریح نہیں کی گئی کہ خطبہ کا کون سا جزو کس کتاب سے ماخوذ ہے (۸۵)

(ب) مصادر میں صرف کتب تاریخ و سیر کو شامل کیا گیا لیکن کتب احادیث سے تعرض نہیں کیا گیا (۸۶)

(ج) اس خطبۂ عظیم کے مضامین و مندرجات کے حوالے سے اہمیت و افادیت پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی

یہاں اپنی گفتگو کے اختتام سے پہلے دو ایسی کتابوں کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جنھیں اگرچہ کسی خاص درجہ بندی کے تحت شمار کرنا تو مشکل ہے تاہم انہیں نظر انداز بہر حال نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں سے پہلی کتاب علامۃ الشیخ محمد یوسف کاندھلوی صاحب (م ۱۹۶۵ء) کی ضخیم عربی تصنیف ''حیاۃ الصحابۃ'' ہے (۸۷) اپنے موضوع بحث کے اعتبار سے تو یہ کتاب صحابۂ کرامؓ کے سبق آموز حالات و واقعات کا مجموعہ متصور ہوتا ہے لیکن اس میں درحقیقت مختلف النوع موضوعات کے تحت ترتیب بیان میں سیرۃ النبوی ﷺ کے لاتعداد احوال و مناظر بھی سمٹ آئے ہیں۔ چنانچہ کتاب کے آخری ابواب میں جہاں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ تسلیم اور صحابہؓ کے خطبات کا ذکر ہے۔ علامۃ الشیخ نے پہلے ترجیحاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات کے بیان میں خطبۂ حجۃ الوداع کی اکثر و بیشتر روایات کو نہ صرف یہ کہ جمع کر دیا ہے بلکہ بقدر ضرورت حوالوں اور تخریج احادیث سے مرصع کر کے اسے ایک یادگار علمی دستاویز بنا دیا ہے۔ کاش موصوف حوالوں کی تفصیل اور مکررات کو حذف کر کے خطبۂ نبوی ﷺ کو مربوط و منظم شکل میں مرتب فرما دیتے تو امت پر احسان ہوتا۔

دوسری کتاب مولانا محمد میاں صدیقی صاحب کی مرتب کردہ ''خطباتِ رسول ﷺ'' کا تذکرہ بھی کئی وجوہ سے اہم ہے (۸۸)۔ اولاً یہ کہ ۱۹۸۸ء میں (غالباً وزارت امور مذہبی حکومت پاکستان کی جانب سے) اسے سیرت ایوارڈ ملا۔ ثانیاً خطباتِ نبوی ﷺ کے سلسلۂ تصانیف میں بہ زبانِ اردو یہ کتاب غالباً تازہ ترین پیش کش کی حیثیت رکھتی ہے اور ثالثاً ہمارے متذکرہ بالا تینوں رجحانات کی بیک وقت نمائندگی ایک حد تک اس کتاب سے بھی ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ کتاب ملک کے مقتدر عالم و محقق جناب ڈاکٹر شیر محمد زمان صاحب (سابق ڈائریکٹر جنرل۔ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی۔ اسلام آباد) کے فاضلانہ ''پیش لفظ'' سے بھی آراستہ ہے۔

ڈاکٹر زمان صاحب کا یہ ''پیش لفظ'' اگرچہ زیادہ طویل نہیں (بمشکل کتاب کے آٹھ صفحات تک محدود ہے)۔ تاہم دریا بہ کوزہ کے مصداق جامع، معلومات افزا اور اہم مباحث پر مشتمل ہے۔ نیز اس میں مصنف علام نے مستشرقین کے بعض تسامحات کے علاوہ خطبات نبوی ﷺ کے حوالے سے متعدد تصانیف کا ایک جائزہ بھی پیش کر دیا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں ایرانی فاضل اور صاحب طرز ادیب ابوالقاسم پاینده کی کتاب ''نہج الفصاحۃ'' کا تعارف اور ڈاکٹر صلاح الدین المنجد کے حوالے سے بعض قدیم مؤلفات کی فہرست اور پاکستان میں شائع ہونے والی چند مطبوعات پر تبصرہ خاص الخاص ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے نزدیک مولانا عبید الاکبر، مولوی عبداللہ خان (۹۰) علامہ نصیر الاجتہادی، اور ابوالقاسم پاینده وغیرہ کی نگارشات میں پائی جانے والی ''سب سے بڑی خامی'' یہ ہے کہ خطباتِ نبوی ﷺ کی نقل و روایت میں ''منتخب متون کے مصادر کا حوالہ بالالتزام نہیں دیا گیا'' (ص ۵، ۷) جبکہ پروفیسر امتیاز احمد سعید کی تالیف (۹۱) ''خطبات رسول ﷺ'' میں ''رسول کریم ﷺ کے ارشادات سے ۶۲ اقتباسات کا صرف اردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔'' (ص ۶) پیش لفظ کے آخر میں ڈاکٹر صاحب نے مولانا محمد میاں صدیقی اور ان کی کتاب ''خطباتِ رسول ﷺ'' پر بھی (دو پیراگراف میں) اظہار خیال فرمایا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے بقول ''اس مجموعہ میں کل ۲۹ خطبات شامل ہیں (۹۲)۔ آغاز صفا کی پہاڑی کے مشہور خطبے سے ہوتا ہے، حجۃ الوداع اور غدیر خم کے خطبات تاریخی و منطقی ترتیب سے آخری حصے میں شامل ہیں۔ خطبات کے عربی متون احتیاط سے نقل کیے گئے ہیں'' (ص ۷، ۸)

پیش لفظ کے بعد جب ہم اصل کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں تو عجیب و غریب صورت حال سامنے آتی ہے۔ ڈاکٹر زمان صاحب نے دوسری متعدد کتابوں کا سب سے بڑا نقص یہ بتایا ہے کہ ان کے منتخب متون میں حوالوں کا التزام نہیں۔ ہمیں یہ کہتے ہوئے سخت افسوس اور تعجب ہے کہ یہی نقص اس کتاب میں بدرجۂ اتم موجود ہے اور نہ صرف یہ کہ علمی، تحقیقی، تکنیکی

اعتبار سے حوالے کمزور اور نامکمل ہیں بلکہ (i) کتاب میں دو خطبات (خطبہ: ۲۲: خطبۂ نکاح اور خطبہ: ۲۹: فضیلتِ انصار) کے سلسلے میں کوئی حوالہ درج نہیں۔ (ii) حوالوں میں متعدد پہلوؤں سے سخت ناہمواری ہے (iii) مصادر میں متفرق طور پر چھوٹی بڑی ہر قسم کی کتابیں، رسالے، عربی اردو تفاسیر، کتب تاریخ سیر و رجال اور مجموعہ ہائے خطبات شامل ہیں (۹۱)۔ نیز (iv) پوری کتاب میں حیرت انگیز طور پر سب سے کم حوالے کتب احادیث سے دیے گئے ہیں۔ اور جو ہیں وہ بھی نامکمل، چنانچہ ۳۰ خطبات میں سے صرف ۱۳ خطبات میں کتب و شروح احادیث کے حوالے تلاش کیے جا سکے۔

جہاں تک خطبۂ حجۃ الوداع کا تعلق ہے، اس کتاب میں اس کا متن (خطبہ: ۲۷، ص ۱۵۵ تا ۱۶۱) کم و بیش وہی ہے جو ادارہ تحقیقات اسلامی سے ۱۹۸۰ء اور ۱۹۸۵ء میں دو بار مرتب کتاب ہذا یعنی مولانا محمد میاں صدیقی صاحب کے اردو ترجمے و شرح کے ساتھ شائع ہو چکا ہے (تقریباً یہی متن اس سے پہلے ہمدرد بھی شائع کر چکا تھا)۔ اور اس متن کی قباحتیں ہم پچھلے صفحات میں تفصیل سے بتا چکے ہیں۔

خطبہ حجۃ الوداع کی علیحدہ ایک مستقل کتابچے کی شکل میں تازہ ترین کوشش (مئی ۱۹۹۵ء/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ میں) جناب سید فضل الرحمٰن صاحب کی جانب سے کی گئی۔ کتابچہ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی نے شائع کیا۔ کتابچہ ضخامت میں ۴۴ صفحات پر مشتمل ہے، ابتدائی ۱۳ صفحات میں (غالباً بطور مرتب) ایک مقدمہ لکھا گیا ہے، اور پھر اگلے ۲۷ صفحات (ص ۱۴ تا ۴۱) میں خطبۂ حجۃ الوداع کا عربی متن اور بالمقابل اس کا اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔

خطبۂ حجۃ الوداع اگر مقدمے کے بغیر شائع کیا جاتا تب بھی اس کی افادیت میں فرق نہ آتا، بہرحال مقدمے میں بہت اختصار کے ساتھ بعثت نبوی ﷺ سے لے کر واقعۂ حجۃ الوداع تک تاریخ سیرت کے بعض اہم اور چیدہ واقعات کا احاطہ کیا گیا ہے، لیکن پورا بیان ایسے عمومی تاثرات پر مبنی ہے جو عوام الناس میں تو معروف و متداول ہیں، لیکن فی زمانہ

علم وتحقیق کے معیار اور واقعات وحقائق سے ان کی مطابقت نہیں پائی جاتی، یہ صورت حال کافی مقامات پر ہے۔ مثلاً یہی بات کہ مخالفت قریش کی وجوہ میں علی الاطلاق، بنو ہاشم، بنو امیہ کو حریف قرار دے کر سب سے زیادہ مخالف اسلام خاندان بنو امیہ کو قرار دینا خلاف حقیقت ہے (دیکھیے ص ۴) حالانکہ سب سے زیادہ حریف ومعاند خاندان بنو مخزوم تھا جس کا سردار ابوجہل سربرآوردہ کٹر مخالفین میں سے تھا اور شخصی اعتبار سے شدید ترین مخالف خود خاندان بنو ہاشم میں موجود آنحضور ﷺ کا سگا چچا ابولہب تھا جس کی مذمت میں سورۃ اللہب کا نزول برہان قاطع ہے۔

مقدمہ میں ایک اور خاص بات یہ نظر آتی ہے کہ تاریخ سیرت کے کم وبیش تمام حالات وواقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے فاضل مرتب نے شاید غایت احتیاط کی بنا پر سن و سال، تاریخ اور تعین زمانہ کا تکلف نہیں برتا؟ ہاں البتہ مضمون کے آخر میں واقعۂ حجۃ الوداع سے دیگر کو مربوط کرنے کے لیے مرتب نے اپنے بیان میں سن وسال کا سہارا لیا ہے۔ اور لکھا ہے "اور آپ نے مکہ کو بڑی آسانی سے ۸ ھ (کے آخر میں؟) فتح کر لیا، فتح مکہ کے بعد بروایت مشہور ۹ ھ میں حج فرض ہوا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ ھ کے بجائے ۱۰ میں حج ادا فرمایا"۔ (ملاحظہ ہو ص ۸)

خطبۂ حجۃ الوداع "بہت طویل خطبہ تھا" (ص ۱۱) فاضل مرتب اس کے بارے میں دوران حج مختلف خطبوں کی نشاندہی کرنے کے بعد رقمطراز ہیں "ان تمام مواقع کے خطبوں کو خطبہ حجۃ الوداع شمار کیا جاتا ہے" (ص ایضاً) نیز فرماتے ہیں، "اس کتابچے میں حجۃ الوداع کے موقع پر دیے گئے مختلف خطبوں کی مختلف روایات کو جمع کر کے ان کو ایک مربوط خطبے کی شکل دی گئی ہے۔ (۱۴)

کتابچے میں خطبۂ عظیم کو کل ۳۷ پیراگراف میں نقل کیا گیا۔ ہر پیراگراف کے اختتام پر اس کا ماخذ درج ہے۔ مجموعی طور پر یہ تقریباً ۴۴۴ جملوں، سطروں پر مشتمل ہے لیکن

قباحت یہ ہے کہ اس میں سب کچھ آپس میں گڈمڈ ہے۔ منیٰ، مزدلفہ، عرفات، جمرہ عقبہ حتیٰ کہ فتح مکہ کے موقع پر ارشاد فرمائے گئے جملے بھی داخل ہیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر کی روداد، آپ کے قیام، قعود، سکوت، تقریر، نشست و برخاست وغیرہ کا آنکھوں دیکھا حال اور آپ ﷺ پر اور مخاطبین پر گذرنے والی کیفیات کے علاوہ موقع بہ موقع حجاج وزائرین صحابہ کے سوالات، آپ کے جوابات اور وقتاً فوقتاً اٹھنے والے مسئلے مسائل پر آپ کا فتویٰ یا تبصرہ وغیرہ وغیرہ سبھی کچھ شامل ہے۔ چنانچہ عبارتوں کا دروبست، ان کی داخلی شہادتیں اور خطبات جو بطور خطبہ صادر ہوئے اور جو بطور اصول، ہدایت، دفعہ، منشور انسانیت میں جگہ پانے کے مستحق ہیں، ان کی تعداد، ۱۷۱ جملوں، سطروں) میں شمار کی جاسکتی ہے، اور زوائد ۲۷ کے لگ بھگ ہیں۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بحالت موجودہ متن خطبہ کے بارے میں کافی غور و فکر اور تنقیح و تحقیق کی ضرورت ہے خصوصاً اس انداز میں کہ اسے دنیا کے سامنے منشورِ انسانیت کے عنوان سے پیش کیا جاسکے۔

جہاں تک مآخذ کا تعلق ان کی کل تعداد ۱۲ یعنی ایک درجن ہے۔ صحاح ستہ میں سے (بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد کو) ۱۱ پیراگراف میں استعمال کیا گیا ہے، سب سے زیادہ مسند احمد (۱۱ پیراگراف) اس کے بعد خطبات محمدی (۷ پیراگراف) جمہرہ خطب العرب (۵ پیراگراف) اور الترغیب والترہیب سے (۵ پیراگراف) ماخوذ ہیں جبکہ سیرت ابن کثیر سے (صرف ایک جگہ) مصنف عبدالرزاق سے (صرف ایک جگہ) ''الوثائق السیاسیۃ'' سے (صرف تین جگہ) استفادہ کیا گیا ہے۔ جبکہ بخاری و مسلم سے ملا جلا کر کل ۱۸ جملے منقول ہیں۔ بہرحال غالب طور پر اصل ماخذ دو ہیں ایک جمہرۃ خطب العرب اور دوسرے خطبات محمدی، ہذا من عندی والعلم عند اللہ و ما توفیقی الا باللہ۔

اب تک دوسری زبانوں میں عموماً اور اردو زبان میں خصوصاً خطبۂ حجۃ الوداع کے

حوالے سے جو کام نمایاں طور پر علمی و تحقیقی میدان میں کیا گیا اس کا ایک مجموعی تاریخی تنقیدی جائزہ گذشتہ صفحات میں لیا گیا۔ یہ جائزہ ثابت کرتا ہے کہ:۔

(i) خطبۂ حجۃ الوداع کا مکمل متن دستیاب نہیں ہے، متنِ خطبہ کی جمع و ترتیب کے سلسلے میں اب تک جو کوششیں کی گئی وہ کئی اعتبار سے تشنہ رہی ہیں۔ خطبہ کے مرتبین و جامعین میں سے بعض نے تو صرف کتب احادیث و سنن سے ہی متن خطبہ کو اخذ کرنے کی کوشش کی اور کتب تاریخ و سیر کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا (۹۳، ۱)، جبکہ بعض نے صرف کتب تاریخ و سیر اور کلام و ادب کو ہی مصدر بنایا اور کتب احادیث و سنن کو سامنے نہیں رکھا، (۹۴)

(ii) خطبہ کی تدوین و ترتیب میں منتخب متون کے مصادر کا حوالہ بالالتزام نہیں دیا گیا۔

(iii) عہدِ نبوی ﷺ میں خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت اور کارِ رسالت میں اس کے کردار اور بعد میں آنے والی تاریخ پر اس کے اثرات کی بحث شاذ و نادر ہی دیکھی جا سکتی ہے۔ نیز خطبۂ حجۃ الوداع کا دوسرے خطباتِ نبوت سے فرق و امتیاز اکثر و بیشتر موضوع نہیں بنایا گیا۔

(iv) یہ صحیح ہے کہ ہر زمانے میں علمی، فنی اور تحقیقی تقاضے الگ الگ ہوتے ہیں۔ اور ہر موضوع کا مطالعہ بھی مختلف حوالوں سے کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ عہد حاضر میں خصوصاً جنگ عظیم دوم کے بعد جب انسانی حقوق اور آزادی کا شعور عالمی سطح پر اجاگر ہوا اور میگنا کارٹا، فرانس کے اعلانِ آزادی، امریکی نوشتۂ حقوق اور اقوامِ متحدہ کے عالمی منشورِ حقوق کا غلغلہ بلند ہوا اور تہذیب و تمدن اور معاشرت و ثقافت میں ان کے کردار کو سمجھا گیا تو اس اعتبار سے یہ بھی وقت کا تقاضہ شمار ہوگا کہ ان تمام جدید حوالوں کی روشنی میں خطبۂ حجۃ الوداع کی اہمیت و افادیت کو بھی میزانِ انصاف پر پرکھا جائے اور انسانیت کی حقیقی فلاح و صلاح کا راز دنیا کو بتایا جائے۔ یہ بہت خوش آئند بات ہے کہ پچھلی چار پانچ دہائیوں سے خطبۂ حجۃ الوداع کو"

منشور انسانیت'' کے عنوان سے یاد کیا جاتا رہا ہے اور اس کی مختلف سطح پر اسی حیثیت سے اشاعت بھی کی گئی ہے لیکن متون خطبہ کی تحقیق اور مندرجاتِ خطبہ سے منشورِ انسانیت کی دفعات کو ماخوذ و متعین کر کے دنیا کے سامنے پیش کرنے کا کام ہماری ناقص معلومات کے اعتبار سے اب تک نہیں کیا گیا۔

بہرحال خطبۂ حجۃ الوداع کے حوالہ سے پائی جانے والی تشنگی کو دیکھتے ہوئے اور جدید علمی و تحقیقی تقاضوں کے پیش نظر اپنی کم علمی، کم مائیگی اور تمام تر بے بضاعتی کے علی الرغم ایک حقیری سی ابتدائی طالب علمانہ کوشش خاکسار راقم الحروف نے آج سے بہت عرصے پہلے (یعنی ۱۹۶۸ء میں) کی تھی جبکہ خطبۂ حجۃ الوداع کا متن مآخذ کی تصریح، حوالوں کی نشاندہی، کچھ اضافوں، اردو ترجمانی اور بعض ضروری تشریحات و توضیحات کے ساتھ ایک مضمون کے طور پر اس کی تالیف ''نقشِ سیرت'' میں شائع ہوا تھا (۹۵)۔ اس مضمون کی اشاعت کے سترہ سال بعد (۱۹۸۵ء میں) پیغامِ رسول ﷺ کی عالمگیریت و آفاقیت کے حوالے سے خطبۂ حجۃ الوداع کے عالمی انسانی پہلوؤں پر نسبتاً ایک مفصل مطالعہ، اس فقیر پر تقصیر نے وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان کے تحت منعقدہ بین الاقوامی سیرت کانفرنس (اسلام آباد) کے اجلاس میں پیش کیا تھا (۹۶)۔ اس وقت اصل مقالے کے ضمیمہ جات میں نہ صرف یہ کہ ''خطبۂ حجۃ الوداع'' کے متن کو ازسرنو زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی کوشش کی گئی جس میں حوالوں، اسناد وحواشی اور تخریج آیات واحادیث کا اہتمام بھی شامل تھا۔ بلکہ منشورِ انسانیت کے طور پر خطبۂ حجۃ الوداع کا دنیا کے دوسرے نوشتہ ہائے حقوق سے بھی تقابل پیش کیا گیا تھا۔

خاکسار راقم الحروف اس توفیق ارزانی پر کم مطمئن نہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور سرور کائنات ﷺ کا خطبۂ جلیلہ اسناد وحواشی سے آراستہ ہو کر غالباً پہلی مرتبہ اتنی مکمل شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ فالحمدللہ علیٰ ذٰلک. و ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء. خطبۂ مقدسہ کے عربی متن کی جمع وتدوین اور بہ قید دفعات اس کی لفظی ومعنوی ترتیب،

نیز بہ طور منشور اس کی علمی و تحقیقی پیش کش میں جو نزاکتیں قدم بہ قدم رہوار قلم کو عناں گیر کرتی رہیں ان کا کچھ اندازہ ارباب علم و تحقیق ہی کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب قبلہ اور دوسرے متعدد علما و مصنفین آنحضرت ﷺ کے اس خطبۂ مقدس کو بلا شبہ ''منشور انسانیت'' شمار کرتے رہے ہیں۔ لیکن دفعات کی تحدید و تعیین پھر بھی نہیں کی گئی۔ بہ اعتبار معنویت مضامین خطبہ کی ترتیب میں پہل قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری نے فرمائی تھی مگر بعد میں یہ نکتہ عام طور پر نظروں سے اوجھل رہا۔ ان بزرگوں کا تتبع کرتے ہوئے ناظرین اس مطالعہ میں بہر حال پیش رفت ملاحظہ فرمائیں گے۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ عربی اردو، اور انگریزی میں خطبۂ نبوی ﷺ کی جمع و ترتیب کی جتنی بھی عالمانہ کوششیں کی گئی ہیں۔ ان میں یہ عام طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ یا تو چند کتب احادیث کو مآخذ بنایا گیا یا پھر محض کتب تاریخ و سیر میں سے چند کو بطور مصدر سامنے رکھا گیا جبکہ اس عاجز راقم الحروف نے اس سلسلہ میں ان تمام مصادر سے استفادہ ضروری سمجھا جن تک اس کی رسائی ممکن ہو سکی۔ یعنی مجموعی طور پر کتب احادیث آثار و سنن، رجال و سند، شمائل و الفضائل، تاریخ و سیر اور ادب و کلام سب کو بیک وقت پیش نظر رکھا جائے۔ (ملاحظہ ہو ضمیمہ ۱) تاکہ الگ الگ راوی یا روایت کی تحقیق و تدقیق کرنے کے بجائے مضامین خطبہ کی عمومی مطابقت و مشابہت جانچی جا سکے۔ اسی لیے اسناد و حواشی میں جہاں کہیں ضرورت ہوئی عام قارئین کی سہولت کے لیے خالص تحقیقی تیکنکی معیار کی بہ شدت پابندی نہیں کی گئی۔ اور ابتدائی مآخذ کے ساتھ بعض اوقات ثانوی مآخذ کا بھی حوالہ دے دیا گیا ہے۔ البتہ اب مزید آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ جلیلہ کے ان ابتدائی و ثانوی مآخذ کی صورت حال پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

مآخذ پر ایک نظر

مآخذ کی ترتیب میں بداہتہً اولیت کتب احادیث (بشمول امہات الکتب، کتب الائمۃ الاربعۃ، کتب الصحیحۃ، کتب المخرج علی الصحیحین، کتب السنن والمسانید) کو حاصل ہے۔ اور حجۃ الوداع کے خطبہ اور واقعہ کے لیے یہی مآخذ مصادر بنیادی مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ مجموعہ ہائے احادیث کا اگرچہ شمار مشکل ہے اور ان تک رسائی بھی آسان نہیں۔ تاہم یہ بات طے ہے کہ حدیث کی مشہور و متداول امہاتِ کتب کے علاوہ بھی متعدد کتب سنن وصحاح و مسانید ایسی ہیں جن کے ائمہ کو صحاح ستہ پر تقدم زمانی حاصل ہے (۹۷)۔ مثلاً صحیفہ ہمام ابن منبہ (م ۱۰۲ھ) جامع مسانید الامام الاعظم (م ۱۵۰ھ) الموطا امام مالک (م ۱۷۹ھ) کتاب الآثار قاضی ابو یوسف (م ۱۸۲ھ) کتاب الآثار امام محمد (م ۱۸۹ھ) مسند ابی داؤد الطیالسی (م ۲۰۴ھ) مصنف عبدالرزاق (م ۲۱۱ھ) مسند الحمیدی (م ۲۱۹ھ) کتاب السنن ابن منصور بن شعبۃ الخراسانی (م ۲۲۷ھ) مسند احمد (م ۲۴۱ھ) سنن دارمی (م ۲۵۵ھ) اور مسند الربیع بن حبیب وغیرہ۔ البتہ درجۂ استناد و مراتب کے لحاظ سے چونکہ صحاح ستہ ہی امہات الکتب الحدیث شمار ہوتی ہیں (۹۸)۔ اور ان کی سیادت و قیادت امام بخاری (م ۲۵۶ھ) کو حاصل ہے اس لیے خطبہ حجۃ الوداع کے حوالے سے متن کی تلاش اور اس کی ترتیب و تدوین کے ضمن میں پہل صحاح ستہ سے اور صحاح ستہ میں بھی ظاہر ہے بخاری سے کرنا ہوگی:

ا۔ صحیح بخاری:

امام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ) کی الصحیح کو صحاح ستہ میں اور مذہبی علمی اور اسلامی حلقوں میں جو عزت و شہرت حاصل ہے اس کے بارے میں کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ لیکن بس مخصوص حوالے (خطبۂ حجۃ الوداع) سے ہم مطالعہ کر رہے ہیں اس باب میں، اپنی کوتاہ علمی کے سبب، پوری بخاری کھنگالنے کے بعد بھی پانچ جملوں سے زیادہ مواد نہیں مل سکا۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ تمام جملے بھی اپنے اصل سیاق وسباق میں نہیں پائے جاتے بلکہ منتشر و متفرق ابواب میں آئے ہیں۔ (اور یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ صحیح بخاری کی تدوین و ترتیب کو تراجم ابواب کی ضرورت کے تحت جمع کیا گیا ہے۔ یہی باعث ہے کہ لگا ہے ایک روایت یا حدیث اس لحاظ سے کئی مقامات پر اجزاء کی صورت میں موجود ہے) چنانچہ بخاری (۹۹) کتاب الحج (ج ۲ ص ۱۲۶ تا ص ۱۷۲) میں جہاں حجۃ الوداع کی دوسری تفصیلات و متضمنات مثلاً سفر، راستہ، احرام، غسل اور دوسرے متعلقات و مسائل کا ذکر ہے خطبۂ حجۃ الوداع کو نقل نہیں کیا گیا۔ البتہ اس کی دوسری کتب و ابواب یعنی کتاب العلم، قصہ دوس والطفیل، کتاب الحدود، کتاب الدیات اور کتاب الفتن میں محض چند متفرق جملوں، فقروں کو مختلف عنوانات مسائل کے تحت بہ تکرار شمار کیا جا سکتا ہے۔ یہ جملے مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ فان دماء کم واموالکم و اعراضکم علیکم حرامٌ کحرمۃ یومکم ھذا فی بلدکم ھذا فی شھر کم ھذا۔(۱۰۰)

۲۔ لاترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض .(۱۰۱)

۳۔ لیبلغ الشاھد الغائب فان الشاھد عسیٰ ان یبلغ من ھوا و عیٰ لہ منہ. (۱۰۲)

۴۔ الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق السماوات والارض. السنۃ اثنا عشر شھرا منھا اربعۃ حرم ثلاث/ ثلاثۃ متوالیات ذوالقعدۃ و ذوالحجۃ والمحرم ورجب مضر الذی بین جمادی و شعبان.(۱۰۳)

۵۔ و ستلقون ربکم فیسئالکم عن اعمالکم .(۱۰۴)

۲۔صحیح مسلم:

امام مسلم(۲۰۴۔۲۶۱ھ) کی الصحیح کو یہ انفرادیت حاصل ہے کہ اس کی کتاب الحج (ج ۱،ص ۳۷۲ تا ص ۴۴۸) میں حجۃ الوداع کے سلسلے کی متعدد روایات بشمول (مشہور ترین) روایت جابرؓ بھی موجود ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ زیر بحث روایات اکثر و بیشتر حجۃ الوداع کے مقدس سفر اور اس کے متعلقات و متضمنات کا تو احاطہ کرتی ہیں لیکن آنحضرت ﷺ کے خطبۂ جلیلہ کے صرف سات جملے ہی منقول ہیں۔ فخطب الناس وقال .... (ص ۳۹۷ باب حجۃ النبی ﷺ)..... ان میں سے پہلا جملہ تو وہی ہے جو صحیح بخاری میں بھی موجود ہے یعنی ان دماء کم و اموالکم حرامٌ...... الخ (ج ۱،ص ۳۹۷) ہاں دیگر چھ جملے گویا بخاری پر اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

۶۔ الا! کل شئ من امر الجاهلية تحت قدمي موضوع (ج ۱، ص ۳۹۷)

۷۔ ودماء الجاهلية موضوعة. وان اول دمٍ اَضَعُ مِن دمائنادمُ ابن ربيعة بن الحارث كان مسترضعاً في بني سعدٍ فقتلهُ هذيل(ايضًا)

۸۔ وربا الجاهلية موضوعةٌ و اول ربا اضع ربانا ربا عبّاس بن عبدالمطلب فانه موضوع كلّه (ايضاً)

۹۔ فاتقواالله في النسآء فانكم اخذ تموهن بامان الله و استحللتم فروجهن بكلمة الله و لكم عليهن ان لا يوطئن فرشكم أحدًا تكرهونهُ فان فعلن ذلك فاضربوهنّ ضرباً غير مبرّح و لهن عليكم رزقهنّ و كسوتهنّ بالمعروف (ايضاً)

۱۰۔ وقد تركت فيكم مالن تضلوا بعدهُ ان اعتصمتم به كتاب الله(ايضاً)

۱۱۔ و انتم تسألون عنّی فما انتم قائلون؟ قالوانشهد انّك قد بلّغت و اديت ونصحتَ (ایضاً)

امام مسلم نے آگے چل کر کتاب القسامۃ والمحاربین والقصاص والدیات میں باب تغلیظ تحریم الدماء والاعراض و الاموال۔ (ج ۲،ص ۶۰) کے تحت ایک مفصل حدیث میں جو حضرت ابوبکرۃؓ سے مروی ہے حجۃ الوداع کا عنوان ذکر کیے بغیر حضور ﷺ کے خطبۂ عظیم کے جو پانچ جملے نقل کیے ہیں وہ تمام تر بخاری کے ہاں بھی مذکور ہیں اور جن کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔ اسی سے متصل انہی راوی کی دوسری دو روایات میں خطبۂ نبوی ﷺ یوم النحر کے حوالے سے متذکرہ بالا جملوں میں سے چند کی تکرار پائی جاتی ہے۔ (۱۰۶)

صحیح مسلم کی حدیث جابرؓ کی تبویب، تخریج اور تشریح میں حدیث کے مشہور محقق و شارح الاستاذ محمد ناصر الدین الالبانی کی مستقل کتاب حجۃ النبی ﷺ کما رواھا جابرؓ (۱۰۷) میں بھی خطبۂ نبوی ﷺ کی مزید تفصیل نہیں ملتی۔ بلکہ خطبۂ عرفات کے تقریباً سات جملے (۱۰۸) اور خطبۂ یوم النحر کا صرف ایک جملہ ہی منقول ہے۔ (۱۰۹)

۳۔ سنن ابی داؤد (۲۰۴۔۲۷۱ھ):

اس میں حجۃ الوداع کی تفصیلات اگرچہ متعدد مقامات پر پائی جاتی ہیں۔ اور اعمال واحوالِ حج وکیفیاتِ مناسک وخطبہ وغیرہ کا زیادہ تر بیان کتاب المناسک کے تقریباً نو ابواب میں ہے (۱۱۰) تاہم متن خطبہ کا بیان صرف چند جملوں پر مشتمل ہے (۱۱۱)۔ جو کم وبیش بخاری ومسلم کی ہی مکررات ہیں۔ کتاب المناسک کے علاوہ کتاب البیوع (باب فی وضع الربا) کے تحت بروایات سلیمان بن عمرو عنار بیہ متن خطبہ کے مندرجہ ذیل دو جملے منقول ہیں:۔

(ا) الاان كل ربا من ربا الجاهلية موضوع لكم رؤس اموالكم لا تظلمون ولاتظلمون (ج۳، ص ۲۴۹)

(ب) الا وان کل دم من دم الجاهلية موضوع و اوّل دم اضع بها دم الحارث بن عبدالمطلب کان مسترضعاً فی بنی لیث فقتلهٔ هذیل (ایضاً) (۱۱۲)

جبکہ کتاب السنة باب الدلیل علی الزیادة والنقصان میں یہ ارشادِ نبوی ﷺ منقول ہے کہ:

(ج) لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض (ج ۴، ص ۳۵۵)

۴۔ نسائی (م ۳۰۳ھ):

سنن نسائی کی کتاب مناسک الحج (۱۱۳) میں واقعات و احوال اور حجۃ الوداع کی بعض تفصیلات اور حضور ﷺ کے خطاب فرمانے کا ذکر و تذکرہ تو ملتا ہے (۱۱۴)، مگر افسوس کہ خطبۂ نبوی ﷺ کا متن منقول نہیں۔ صرف ایک جگہ بروایت جابر بن عبداللہؓ یہ ارشادِ نبوی پایا جاتا ہے کہ:

۱۲۔ ایھاالناس! خذوا مناسککم فانی لا ادری لعلّی لا احج بعد عامی هذا۔(۱۱۵)

۵۔ ترمذی (م ۲۷۹ھ):

جامع ترمذی میں خطبۂ حجۃ الوداع کا جو متن منقول ہے وہ زیادہ تر ابواب الفتن کے باب ماجاء فی تحریم الدماء کے تحت حضرت ابوبکرہؓ، ابن عباسؓ، جابرؓ، حذیم بن عمرو العدیؓ کی مرویات ہیں۔(۱۱۶) جبکہ حضرت عمرو بن الاحوص کے حوالے سے متن خطبہ کے جو تین جملے منقول ہیں، ان ہی سے پہلا جملہ فان دماء کم و اموالکم واعراضکم ..... الخ (۱۱۷) تو گویا بخاری، مسلم ابوداود وغیرہ کی ہی تکرار ہے البتہ بقیہ دو جملے اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۳۔ الالا یجنی جانٍ اِلّا علیٰ نفسه . الا لا یجنی جانٍ علی ولده ولا مولود

علیٰ والدہٖ (۱۱۸)

۱۴۔ الاو ان الشیطان قد ایس ان یعبد فی بلادکم ھذہٖ ابدا و لکن ستکون لہٗ طاعۃٌ فیما تحقرون من اعمالکم فسیرضیٰ بہٖ .(۱۱۹)

ابواب الفتن کے علاوہ آخر کتاب الصلوٰۃ میں حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے یہ جملہ نقل کیا ہے:۔

۱۵۔ اتقواللہ و صلّوا خمسکم و صوموا شھر کم وادوازکاۃ اموالکم و اطیعوا امرائکم تدخلوا جنّۃ بربکم.(۱۲۰)

جبکہ جامع ترمذی کے آخری ابواب یعنی باب المناقب عن رسول اللہ ﷺ ۔ ج ۲، ص ۲۰۱ تا ۲۳۰) میں بھی امام ترمذی نے مناقب اہل بیت النبی ﷺ (ج ۲، ص ۲۱۹) کے تحت بروایت حضرت جابرؓ خطبۂ حجۃ الوداع کا مندرجہ ذیل فقرہ بھی نقل کیا ہے کہ:۔

۱۶۔ یاایھاالناس انی قد ترکت فیکم مامن ان اخذتم بہٖ لن تضلوا کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی۔(۱۲۱)

حالانکہ ترمذی سے پہلے اور بعد میں صحاح ستہ کی کسی اور کتاب میں خصوصاً اور بعد کے مجموعہ ہائے حدیث میں عموماً حجۃ الوداع کے حوالے سے زیرنظر جملہ نہیں پایا جاتا۔(۱۲۲)

۶۔ابن ماجہ القزوینی (م ۲۷۳ھ):

سنن ابن ماجہ میں باب الخطبۃ یوم النحر کے تحت کل چار روایتیں منقول ہیں یعنی سلیمان بن عمرو بن الاحوض، جبیر بن مطعم، عبداللہ بن مسعود اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی مرویات (۱۲۳)، یہاں خاص بات یہ ہے کہ عرفے کے خطبے کا کوئی ذکر موجود نہیں۔ البتہ خطبۂ منیٰ اور منیٰ میں مسجد خیف کا خطاب نبوی ﷺ مروی ہے ان میں سے چند جملے تو الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ صحاح کی دوسری کتابوں کی تقریباً تکرار ہیں (۱۲۴)، البتہ حضرت جبیر بن

مطعمؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے مندرجہ جملے اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں:

۱۷۔ نضّر الله امرأ سمع مقالتی فبلغها فربّ حامل فقه غیر فقیه و ربّ حامل فقه الی من هوا فقه منه. ثلاث (۱۲۵)

۱۷۔ ثلاث لا یغلّ علیهن یعنی قلب المومن، اخلاص العمل لِلّٰهِ والنصیحة لولاة المسلمین و لزومهم جماعتهم فان دعوتهم تحیط من ورائهم۔ (۱۲۶)

۱۸۔ الاوانی فرطکم علی الحوض و اکاثر بکم الامم فلاتسودوا وجهی الا وانی مستنقذانا سأ و مستنقذ منی اناس فاقول یارب اصحابی، فیقول انك لاتدری ماحدثو بعدك .(۱۲۷)

۷۔ دیگر مجموعہ ہائے احادیث:

صحاح ستہ کے علاوہ دوسری کتب حدیث کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ چنانچہ پہلے زمرہ میں ان کتابوں کا شمار ہو سکتا ہے جو صحاح ستہ پر تقدم زمانی رکھتی ہیں اور جن میں خطبۂ حجۃ الوداع کا متن کسی نہ کسی درجہ میں موجود ہے جبکہ حصہ دوم دوسرے زمرے میں وہ کتابیں داخل کی جا سکتی ہیں جو صحاح ستہ کے بعد لکھی گئیں اور خطبۂ حجۃ الوداع اور اس کے متعلقات ان میں مذکور ہیں۔ ہم یہاں پہلے حصے سے چار اہم اور قابل ذکر مجموعہ ہائے احادیث کا مطالعہ پیش کر رہے ہیں:۔

(i) مسند الامام الربیع بن حبیب:

مسند الربیع میں خطبۂ عرفات و منیٰ (یوم النحر) کے حوالے سے خطبۂ نبوی ﷺ کے صرف دو جملے مروی ہیں۔(۱۲۷) ان میں سے پہلا جملہ تو وہی ہے جو صحاح ستہ میں بھی پایا

جاتا ہے، یعنی ایھا الناس ان الزمان قد استدار...... الخ) البتہ دوسرا جملہ اس اعتبار سے منفرد ہے کہ یہ صحاح ستہ اور متداول کتب حدیث میں منقول نہیں ۔یعنی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

۱۹۔ الا! وان الحج فی ذی الحجۃ الی یوم القیامۃ۔ (۱۲۹)

(ii) مسند ابی داؤد الطیالسی (م ۲۰۴ھ):

مسند الطیالسی (۱۳۰) میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کی مرویات (ج ۷، ص ۲۳۲، ۲۳۳) میں حجۃ الوداع کے بعض مناظر و متعلقات کا ذکر تو موجود ہے لیکن متن خطبۂ نبوی ﷺ مذکور نہیں۔ البتہ احادیث ابی امامۃ الباھلیؓ کے تحت متن خطبۂ نبویؐ کے مندرجہ ذیل جملے منقول ہیں:

۲۰۔ ان اللہ عزو جل قد اعطیٰ کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث۔

۲۱۔ الولد للفراش۔

۲۲۔ وللعاھر الحجر و حسابھم علی اللہ۔

۲۳۔ من ادعیٰ الی غیر ابیہ اوا نتمی الی غیر موالیہ فعلیہ لعنۃ اللہ التابعۃ الی یوم القیامۃ۔

۲۴۔ الا لا یحل للامرأۃ ان تعطیٰ من مال زوجھا شیئا آلّا باذنہ۔ (۱۳۱)

جبکہ ایک جگہ بروایت ابوحمید الساعدی خطبۂ نبوی ﷺ کے بعض اختتامی الفاظ منقول ہیں۔

مثلاً(ثم قال: اللھم ھل بلغت ، اللھم اشھد)۔ (۱۳۲)

(iii) المسند للامام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ):

مسند احمد (۱۳۳) میں حجۃ الوداع کے اعمال واحوال اور صفۃ حجِ رسول اللہ ﷺ (ج

۴، حدیث نمبر ۲۱۴۱، ۲۱۵۲، ۲۱۵۳، ۲۲۹۶، ۲۳۰۶، ۲۳۵۸، ۲۵۲۸، ۲۷۰۰، ۲۷۰۱) اور صفۃ الحج و العمرۃ (ج ۶، حدیث نمبر ۴۶۲۸، ۴۶۴۱) اور صفۃ حج رسول اللہ ﷺ (ج ۷، حدیث نمبر ۴۸۲۰، ۴۸۲۲، ۴۴۲۸، ۴۸۹۸) کے علاوہ خطبہ نبوی ﷺ کے متن کے بعض حصے/ جملے/ فقرے متفرق طور پر (مختلف جلدوں میں) مختلف مقامات پر پائے جاتے ہیں۔ روایات کے تنوع کے سبب الفاظ کا معمولی فرق بہرحال پایا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں مضمون کے اعتبار سے زیادہ تر صحاح ستہ ہی کی تکرار ہے ماسوائے ایک کے مثلاً:۔

☆ ان اموالكم و دماء كم و اعراضكم...... الخ

☆ الا فليبلغ الشاهد الغائب.

☆ لاترجعوا بعدى كفاراً يضرب بعضكم...... الخ(۱۳۴)

☆ الا لا ترجعوا بعدى ضلالاً يضرب........ الخ(۱۳۵)

☆ ويلكم لا ترجعوا بعدى كفاراً .... الخ(۱۳۶)

☆ ان الشيطان قدايس ان يعبده المصلون ولكن فى التحريش بينهم۔ (۱۳۷)

☆ لتاخذو ا مناسك كم فانى لا ادرى لعلى لا احج بعد حجتى هذه. (۱۳۸)

☆ فان دماء كم و اموالكم .... الخ(۱۳۹)

☆ خطب رسول الله ا فذكر المسيح الدجال فاطنب فى ذكره ثم قال:

۲۵۔ مابعث الله من نبيٍ الّا قدانذره امتهُ. (۱۴۰)

(iv) سنن الدارمی (م ۲۵۵ھ):

سنن دارمی کتاب المناسک میں حجۃ الوداع کے احوال و اعمال کے علاوہ متن

خطبہ کے چند جملے بھی منقول ہیں جن کی تکرار صحاح ستہ میں بھی پائی جاتی ہے۔(۱۴۱) چنانچہ (فاتی بطن الوادی فخطب الناس)(۱۴۲):۔

☆ ان دماء کم و اموالکم......... الخ

☆ الا انّ کل شیٔ من امر الجاھلیة .... الخ

☆ ودماء الجاھلیة موضوعة........ و اول دم.......دم ربیعة بن الحارث ..... الخ

☆ وربا الجاھلیة موضوع......... الخ

☆ فاتقوا اللہ فی النسآء......... الخ(۱۴۳)

☆ وانتم مسئولون............ الخ (۱۴۴)

مندرجہ بالا میں سے بعض جملوں کی تکرار آگے باب فی الخطبة یوم النحر (ص ۲۴۵) میں حضرت ابی بکرہ عن ابیہ کی روایت میں موجود ہے۔مثلاً قال فان دماء کم واموالکم....... الخ نیز لیبلغ الشاھد. (۱۴۵)

حصہ دوم میں بھی کتابیں دو قسم کی ہیں۔(۱) ایک وہ جن میں حجۃ الوداع کے واقعے اور خطبے کا ذکر نہیں پایا جاتا مثلاً مسند ابوعوانہ(۱۴۶)، المعجم الصغیر للطبرانی (۱۴۷) وغیرہ۔ جبکہ دوسری قسم کی وہ کتابیں ہیں جن میں خطبۂ حجۃ الوداع کا متن کسی نہ کسی شکل میں پایا جاتا ہے۔اس سلسلے میں مندرجہ ذیل خاص ہیں:۔

(i) **صحیح ابن خزیمہ۔** (للامام الائمة ابی بکر محمد بن اسحاق بن خزیمة السلمی نیسا پوری (م۳۱۱ھ):۔

صحیح ابن خزیمہ (۱۴۸) کے الجزء الرابع میں کتاب المناسک (ص ۱۲۷) باب صفة الخطبة یوم عرفة (نمبر ۶۹۰) کے تحت جِزیَمْ السعدی (عن ابیه عن جده حزیم بن عمرو) کی ایک روایت میں حضور ﷺ کے خطبۂ جلیلہ کے صرف ایک جملے (اعلمو ان دماء کم و

اموالکم ...... الخ (ص ۲۵)..... لبلدکم ھذا (ص ۲۵۱)) کو نقل کیا گیا ہے۔

البتہ اس سے آگے باب میں متصلاً (نمبر ۶۹۱) باب ذکر البیان ان النبی ﷺ انما خطب بعرفۃ راکباً لا نازلاً بالارض (ص ۲۵۱) کے تحت روایت جابرؓ کے حوالہ سے خطبۂ نبوی ﷺ کے کئی جملے مذکور ہیں۔ مگر یہ صحاح ستہ ہی کی تکرار ہے۔ (یعنی ان دمائکم و اموالکم ...... الخ، و دماء الجاھلیۃ......ابن ربیعۃ بن الحارث...... الخ، وربا الجاھلیۃ...... الخ، اتقوا اللہ فی النساء...... الخ ، وانی قد ترکت...... کتاب اللہ ...... الخ وانتم مسئولون عنّی ...... الخ، ہاں ایک جملے میں الفاظ کا فرق اہم اور معنی خیز ہے یعنی: الاوان کل شئ من اھل الجاھلیۃ موضوع تحت قدمی ھا تین...... الخ.

(ii) الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان (م ۳۵۴ھ):

اس کتاب کی پانچویں جلد میں باب ماجاء فی حج النبی ﷺ (۱۵۰) کے تحت جابر بن عبداللہؓ کی روایت سے تقریباً وہی چند جملے منقول ہیں جو بخاری و مسلم اور صحاح ستہ میں مذکور ہیں (۱۵۱)۔ (یعنی ان دماء کم و اموالکم حرام..... الخ، الاکل شی من امر الجاھلیۃ تحت قدمی موضوع...... الخ، ودماء الجاھلیۃ..... دم ابن ربیعۃ بن الحارث..... الخ، وربا الجاھلیۃ موضوع..... الخ ، فاتقوا اللہ فی النسآء..... الخ، و قد ترکت فیکم مالن تضلوا بعدہٗ ان اعتصم بہ کتاب اللہ..... الخ ، وانتم تسالون ..... الخ.

(iii) سنن الدارقطنی۔ م/ ۳۸۵ھ:

دارقطنی (۱۵۲) میں حضرت ابو امامہؓ کی روایت سے صرف ایک ہی جملہ منقول ہے۔ جو ترمذی میں بھی موجود ہے:۔

☆ اطیعوا ربکم و صلّوا خمسکم و ادّوا زکوٰۃ اموالکم و صوموا شھرکم و اطیعوا ذاامرکم تدخلوا جنۃ ربکم.(۱۵۳)

(iv) المستدرک (علی الصحیحین فی الحدیث):

المستدرک کتاب المناسک (۱۵۴) میں بھی بروایت حضرت ابوامامہؓ وہی روایت مذکور ہے جسے دارقطنی اور ترمذی نے بھی نقل کیا ہے (یعنی ایھا لناس اطیعوا ربکم ..... جنّۃ ربکم ..... الخ (۱۵۵) اس کے علاوہ بروایت ابن عباس یہ جملہ بھی منقول ہے جس کا مضمون اکثر مآخذ میں موجود ہے۔ (فقال رسول ﷺ للہ قد حرّم اللہ علیکم دماء کم و اموالکم ..... الخ (۱۵۶))۔

(v) السنن الکبریٰ (للامام المحدثین الحافظ الجلیل ابی بکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی، م/ ۴۵۸ھ):

بیہقی نے اپنی ''السنن'' میں متن خطبۂ حجۃ الوداع کو متفرق طور پر متعدد مقامات پر بیان کیا ہے، چنانچہ باب الخطبہ یوم عرفۃ کے تحت حدیث جابر لائے ہیں اور لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے خطبۂ اول اور خطبہ ثانی ارشاد فرمایا (۱۵۷)۔ جبکہ باب الخطبۃ یوم النحر میں حضرت ابن عمر، ابی بکرۃ اور ابوامامہ وغیرہ کی مرویات میں دراصل صحاح ستہ کے مضامین کی ہی تکرار ہے (مثلاً و دماء کم و اموالکم و اعراضکم علیکم حرام ..... الخ، (عن ابن عمر)(۱۵۸) قال فان دماء کم حرام کحرمۃ ..... الخ، لیبلغ الشاھد منکم الغائب..... الخ ، فرب مبلغ اوعیٰ من سامع..... الخ، الالا ترجعوا بعدی کفارا..... الخ (عن ابی بکرہ)(۱۵۹) انی لادری لعلی لا القاکم بعد ھذا ..... الخ، الا و ان دماء

کم و اموالکم..... الخ، الا فلیبلغ ادناکم اقصاکم..... الاھل بلغت ..... الخ(عن سراء بنت نبھان)۔ (۱۶۰)

(iv) **مجمع الزوائد و منبع الفوائد** (للھیثمی، م/ ۸۰۷ھ):

خطبۂ حجۃ الوداع کے حوالے سے صحاح ستہ کے علاوہ یہی مجموعہ احادیث ایسا ہے جس میں متعدد صحابہ، تابعین مثلاً ابوحرۃ الرقاشی، ابی نفرہ، ابن عمر، ابی ھریرۃ، فضالہ بن عبید، جابر، ابی ملک الاشعری، عمار بن یاسر، حارث بن عمرو، عمرو بن العاص، وابصہ بن معبد الجہنی، عبداللہ بن الزبیر، عبادۃ بن عبداللہ، جحیر، ابی امامۃ، براء بن عازب و زید بن الارقم، فہد بن الجیر کعب بن عاصم الاشعری، کلثوم بن جبیر، سراء بنت نبھان، جمر بنت قحافہ (رضی اللہ عنہم) وغیرہ کی تقریباً تمام قابل ذکر مرویات اور خطبۂ نبوی ﷺ کے اقتباسات منقول وموجود ہیں (۱۶۱)۔ تفصیلات اور تکرار سے بچتے ہوئے ہم ذیل میں ان اقوال رسالت مآب ﷺ کا انتخاب پیش کررہے ہیں، جو ماقبل صفحات میں صحاح ستہ اور دوسرے مآخذ کے اقتباسات پر اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں:

۲۶۔ اسمعوا منّی. تعیشوا. الا لا تظلموا، الا لا تظلموا، الا لا تظلموا.(۱۶۲)

۲۷۔ الا و ان کل دم و ماء و مال فی الجاھلیة تحت قدمی ھذا الیٰ یوم القیامة. (وان اول دم یوضع دم ربیعة بن الحارث..... الخ) (۱۶۳)

۲۸۔ ایھا الناس! ان ربکم واحد و اباکم واحد. الا لا فضل لعربی علیٰ عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا اسود علی احمر ولا احمر علی اسود الا بالتقویٰ.(۱۶۴)

۲۹۔ یاایھا الناس من کانت عندہٗ و دیعة فلیودھا الی من ائتمنه.(۱۶۵)

۳۰۔ لا نبی بعدی ولا امة بعد کم.

۳۱۔ وسأ خبر کم من المسلم، المسلم من سلم الناس..... الخ والمومن..... الخ..... والمهاجر..... الخ(۱٦٦)

۳۲۔ فان حرمة مابينكم الى يوم القيامة كحرمة هذا اليوم.(واحد ثكم من المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده واحدثكم من المومن..... والمهاجر..... الخ)(۱٦٧)

۳۳۔ والمومن حرام على المومن كحرمة هذا اليوم (لحمه عليه حرام..... وعرضه عليه حرام..... واذاه عليه حرام..... الخ) (۱٦٨)

۳۴۔ تصدقوا! فانى لا ادرى لعلكم لا تردنى بعد يومى هذا.(۱٦٩)

۳۵۔ الا كل نبى قد مضت دعوته الا دعوتى فانى قذدخر تها عند ربّى الى يوم القيامة (اما بعد فان الانبياء مكاثرون فلا تخزونى فانّى جالس لكم على باب الحوض) (۱٧٠)

۳٦۔ يا ايها الناس! انصتوا فانكم لعلكم لا ترونى بعد عامكم هذا (۱٧۱)

☆ (لا نبى بعدى ولا امة بعد كم فاعبدوا ربكم و اقيموا خمسكم وصوموا شهركم و اطيعوا ولاة امركم ثم ادخلوا جنّة ربكم) (۱٧۲)

احادیث وسنن کے بعد رجال وسیر اور تاریخ کی ان کتابوں کا درجہ ہے جن میں حجۃ الوداع کے واقعے، خطبے اور متعلقات کو محفوظ کیا گیا ہے۔ ایسی کتابوں کی تعداد اگرچہ بہت زیادہ ہے (یہ اس لیے بھی کہ حجۃ الوداع کا واقعہ سیرت نبوی ﷺ کا جزو لا ینفک ہے اور اکثر و بیشتر مصنفین، مؤرخین اور اصحاب سیر نے اس سے کسی نہ کسی درجے میں بہرحال تعرض کیا ہے) تاہم مہمات کتب اور ابتدائی و ثانوی مآخذ کی روشنی میں ہم یہاں چند ایسے مصادر کی نشاندہی کر سکتے ہیں جو نہ صرف یہ کہ خطبۂ حجۃ الوداع کے حوالے سے قابل ذکر حیثیت رکھتے ہیں بلکہ ان کے مؤلفین ومرتبین کتب احادیث وسنن کے مؤلفین مرتبین (وغیرہ) کے ہم عصر

ہیں اور اس اعتبار سے بعض اوقات مساوی ومتوازی درجہ رکھتے ہیں کہ انہوں نے خطبۂ جلیلہ کی جزو، اجزا اور اقتباسات کو ان ہی رواۃ کے حوالے سے نقل کیا ہے جو کتب احادیث وسنن کے بھی ناقلین ہیں۔ علاوہ ازیں انہیں عام طور پر درجۂ اعتبار واستناد حاصل ہے۔

تاریخ وسیر کے معاملے میں یہ بہر حال طے شدہ امر ہے کہ ابن اسحاق وابن ہشام کو دوسرے تمام مورخین واصحاب سیر پر تقدم زمانی حاصل ہے۔ ابن اسحاق کی روایت کو ابن ھشام نے محفوظ کیا ہے جبکہ واقدی (۱۷۳) نے اپنی کتاب المغازی میں خطبۂ یوم عرفہ اور خطبۂ یوم النحر کے عنوان سے خطبۂ حجۃ الوداع کا متن بڑی حد تک تفصیلاً نقل کر دیا ہے۔ (۱۷۴)

ابن ہشام اور واقدی کے بعد دوسرے تاریخی، اسلامی، عربی مآخذ میں اکثر بیشتر (جزوی، فروعی، معمولی فرق، اختلاف کے ساتھ) خطبے کے منقولات واقتباسات میں ان بنیادی مآخذ کے الفاظ وعبارات کی تکرار پائی جاتی ہے۔ ابن ہشام نے (۱۷۵) ابن اسحاق کی روایت کے علاوہ حضرت عبداللہ بن زبیر عن ابیہ، اور روایۃ ابن خارجہ سے بھی استفادہ کیا ہے۔ البتہ خطبہ یوم عرفہ اور خطبہ یوم النحر کی الگ الگ تصریح نہیں کی ہے۔ جبکہ واقدی کے ہاں ان خطبات (یوم عرفہ/ یوم النحر) کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ واقدی کی روایت کو بہ تمام وکمال مقریزی (م، ۸۴۵ھ) نے اپنی کتاب ''امتاع الاسماع'' میں نقل کر دیا ہے اور ابن اسحاق وابن ہشام کا بھی حوالہ دیا ہے۔ (۱۷۶)

ابن سعد نے الطبقات میں حجۃ الوداع کے عنوان سے سفر اور دوسرے احوال کے علاوہ (ج ۲، ص ۱۷۲ تا) خطبۂ حجۃ الوداع کے اکثر جملے متعدد روایات کے ساتھ (مع تکرار) نقل کیے ہیں۔ ان میں سے ممتاز ترین جملوں کا انتخاب مندرجہ ذیل ہے:۔

۳۷۔ ان اللہ قسم لکل انسان نصیبه من المیراث فلاً تجوز وارث وصیة.(۱۷۷)

۳۸۔ الا! ومن ادعیٰ الی غیر ابیه او توّلی غیر موالیه رغبةً عنهم فعلیه لعنة اللہ

و الملائكة والنّاس اجمعين.(۱۷۸)

۳۹۔ ایها النّاس! اسمعوا واطیعوا وان امّر علیکم عبد حبشی مجدّع اقام فیکم کتاب الله.(۱۷۹)

۴۰۔ ارقاء کم ارقاء کم اطعموهم مما تاکلون واکسوهم مما تلبسون وان جاؤوا بذنب لاتریدون ان تغفروه فبیعوا عبادالله ولا تعذّبوهم.(۱۸۰)

☆ نزلت علی النبی صلی الله علیه وسلم:

الیوم اکملت لکم دینکم...... (قال نزلت وهوا واقف بعرفة)(۱۸۱)

جاحظ (۲۵۵ھ) نے خطبۂ نبوی ﷺ کو اگرچہ تفصیل سے نقل کیا ہے لیکن ماقبل مآخذ پر کوئی اضافہ نہیں ہے (۱۸۲)۔ البتہ یعقوبی (م۲۸۴ھ) نے اپنی تاریخ میں واقدی اورالزہری کے حوالے سے خطبۂ حجۃ الوداع کے جو اقتباسات نقل کیے ہیں، ان میں متعدد جملوں میں بعض لفظی اختلافات پائے جاتے ہیں مثلاً:

☆ نضّرالله وجه عبدٍ سمع مقالتی فوعاها و حفظها ثم بلغها من لم یسمعها، فرُبّ حامل فقه غیر فقیه ربّ حامل فقه الی من هوا فقه منه.(۱۸۳)

☆ ثلاث لا یغل علیهن قلب امرئ مسلم، اخلاص العمل لله و النصیحة لائمة الحق واللزوم لجماعة المومنین، فان دعوتهم محیطة من ورائهم.(۱۸۴)

☆ النّاس فی الاسلام سواء اناس طفّ الصّاع لآدم وحوّاء لا فُضِل عربّی علی عجمّی ولا عجمی علی عربی إلّا بتقوی الله.(۱۸۵)

☆ کل دم کان فی الجاهلیة موضوع تحت قدمی، و اوّل دم اضعه دم آدم بن ربیعة بن الحارث بن عبدالمطلب و کان آدم بن ربیعة مسترضعًا فی هذیل فقتلهٗ بنو سعد بن بکر وقیل فی بنی لیث فقتله هذیل.(۱۸۶)

☆ فاوصيكم با لنسآء خيرا فانّما هن عوان عندكم ......الخ(١٨٧)

☆ فاوصيكم بمن ملكت ايمانكم فاطعموهم مما تاكلون والبسوهم مما تلبسون. وان اذنبوا فكلوا عقو باتهم الى شرارهم...... .(١٨٨)

☆ ان المسلم اخوالمسلم لا يغشه ولا يخونه ولا يغتابه ..... الخ(١٨٩)

☆ لاترجعوا بعدى كفارا مضلين يملك بعضكم رقاب بعض. انّى قد خلقت فيكم ما ان تمسكتم به لن تضلّوا . كتاب الله و عترتى. اهل بيتى (١٩٠).

۴۱۔ الا! انّى انّما امرت ان اقاتل الناس حتى يقولوا : لا إله الّا الله وانّى رسول الله واذا قالوها عصموا منّى دماء هم واموالهم الّا بحقّ وحسابهم على الله۔ (١٩١)

طبری (م،۳۱۰ھ) نے اپنی تاریخ میں ۱۰ھ کے واقعات میں خطبۂ حجۃ الوداع بھی دومختلف روایتوں سے نقل کیا ہے۔ اس تصریح کے علاوہ کہ خطبۂ عرفہ کے موقع پر ربیعۃ بن امیہ بن خلف مکبّر ومعلن کے فرائض انجام دے رہے تھے (پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے کہ لوگوں سے کہو اور پھر ربیعہ ان الفاظ کو لوگوں کے سامنے دہرا دیتے) طبری نے خطبہ نبوی ﷺ کا جو متن محفوظ کیا ہے واقدی اور ابن ہشام سے زیادہ مختلف نہیں ہے لیکن حضور ﷺ کی مندرجہ ذیل نصیحت کو زیادہ واضح اور مکمل انداز سے بیان کیا ہے۔

۴۲۔ فاعقلوا ايها الناس واسمعوا قولى. فانّى قد بلغت و تركت فيكم ماان اعتصمتم به فلن تضلّوا ابدا، كتاب الله و سنة نبيه .(١٩٢)

۴۳۔ فلا تظلموا انفسكم. (١٩٣)

ابن عبدربہ (م،۳۲۸ھ) اگرچہ قدیم العہد مصنف ہے اور الحمیدی نے لکھا ہے کہ اس کی علمی جلالت، ریاست ادب کی بادشاہت، دیانت وصیانت کے ساتھ شہرت پر سب متفق

ہیں (۱۹۴)۔ تاہم اس کی مشہور ترین کتاب ''العقد الفرید'' جو ابن خلکان کے نزدیک تمام چیزوں (معلومات) پر حاوی ہے، اور جس سے ہر ایک متمتع ہو سکتا ہے (۱۹۵) خطبۂ حجۃ الوداع کے باب میں کسی علمی اضافے کی موجب نہیں (۱۹۶)۔ اور اس کا سرسری بیان ہمارے مفید مطلب نہیں۔ جبکہ مشہور مورخ المسعودی (م، ۳۴۶ھ) نے واقعۂ حجۃ الوداع پر صرف آدھا جملہ اور خطبۂ نبوی ﷺ کا صرف ایک جملہ نقل کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے: وفی سنة عشر حج رسول الله ﷺ حجة الوداع وقال: الا ان الزّمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله السماوات والارض۔ (۱۹۷) نیز ایک جگہ ''من موجز كلامه'' (۱۹۸) کے زیر عنوان خطبۂ نبوی ﷺ کے صرف چار لفظ یہ نقل کیے ہیں کہ: الولد للفراش و للعاهر الحجر۔ (۱۹۹) لیکن نہ کوئی حوالہ دیا ہے نہ تصریح کی ہے کہ یہ خطبۃ الوداع سے مقتبس ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسعودی کا بیان ہمارے مفید مطلب نہیں۔

باقلانی (م،۴۰۳ھ) نے اپنی کتاب ''اعجاز القرآن'' میں ایک مقام پر ''خطبة صلى الله عليه وسلم فى ايام التشريق'' کے تحت اور پھر کچھ آگے ''خطبة صلى الله عليه وسلم بالخيف'' کے عنوان سے خطبۃ الوداع کے متعدد مشہور اور اہم جملے نقل کر دیے ہیں جو ابتدائی مآخذ میں بھی مذکور ہیں البتہ چند جملوں میں الفاظ کا بہت معمولی فرق پایا جاتا ہے مثلاً:

☆ اسمعوا منى تعيشوا الا لا تظالموا (ثلاثاً) (۲۰۰)

☆ ثلاث لا يغل عليهن قلب المومن: اخلاص العمل لله، والنصيحة لاولى الامر، ولزوم الجماعة ان دعوتهم تكون من ورائه. (۲۰۱)

متاخرین علما و مؤرخین اور اصحاب سیر میں سے ابن الاثیر (م،۶۳۰ھ) نے ''ذکر حجۃ الوداع'' کے ضمن میں یہ بیان کرنے کے باوجود کہ وهى خطبة طويلة خطبۂ نبوی ﷺ کے محض چند جملے ہی نقل کیے ہیں جو دراصل ابتدائی مآخذ کے ہی مکررات ہیں (۲۰۲)

جبکہ ان کے بعد آنے والے مصنف مؤرخ محدث اور متکلم علامہ ابن القیم (م، ۷۵۱ھ) نے زاد المعاد میں واقعۂ حجۃ الوداع کی بعض تفصیلات تو خوب بیان کی ہیں اور احوال و مسائل پر بھی خامہ فرسائی کی ہے لیکن افسوس کہ فصل: فی ارشاد المسلمین فی حجة الوداع مرردو فصل فی خطبة صلی اللہ علیه و سلم کے تحت خطباتِ منیٰ کے ہی چند اقتباسات نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے جو پہلے بھی مختلف مآخذ میں بہ تکرار نقل ہو چکے ہیں۔

مثلاً:۔

☆ الا و ان دماء کم واموالکم واعراضکم علیکم حرام..... الخ(۲۰۳)

☆ لا یجنی جان الا عن نفسه..... الخ (۲۰۴)

علامہ ابن کثیر (م، ۷۷۴ھ) کے یہاں حجۃ الوداع کے سلسلہ میں مجموعی بیان بہت مفصل پایا جاتا ہے اور تقریباً دو سو صفحات (یعنی ص ۲۱۱ کتاب حجۃ الوداع تا ص ۴۱۱) پر محیط ہے۔ البتہ خطبۂ حجۃ الوداع اور متعلقہ مباحث تقریباً ۱۷ صفحات (ص ۳۸۷ تا ص ۴۰۴) پر پھیلے ہوئے ہیں۔ متن خطبۂ الوداع کے حوالہ سے اگر ہم مکررات کو حذف کر دیں تو کم و بیش اٹھائیس جملے، فقرے اور ارشادات نبوی منقول ہیں۔ جو زیادہ تر ابتدائی، ثانوی مآخذ (کتب احادیث و سنن) سے ماخوذ ہیں۔ ان میں سے بھی مندرجہ ذیل جملے ایسے ہیں جو اب تک کے جائزے میں سامنے نہیں آئے لیکن ابن کثیر نے انہیں نقل کیا ہے یعنی:۔

۴۴۔ انما هنّ اربع، لا تشر کوا باللهِ شیئا ولا تقتلوا النفس الّتی حرّم الله الّا بالحق، ولا تزنوا ولا تسرقوا.(۲۰۵)

ما نزل الله داءً الّا انزل لهٗ دواءً الا الهرم.(۲۰۶)

علامہ علی بن برہان الدین الحلبی (م۱۰۴۴ھ) کے ہاں (السیرۃ الحلبیہ میں) حجۃ الوداع کا بیان تقریباً ۲۰ صفحات (ص ۲۸۸ تا ص ۳۰۸، ج ۳) پر پھیلا ہوا ہے۔ اور متعدد مباحث کا جامع ہے۔ تاہم خطبۃ الوداع کا ذکر چار صفحات میں ہے اور روایت باللفظ اور

روایت بالمعنیٰ دونوں طرح منقول ہے۔ مجموعی طور پر ماقبل مآخذ کی تکرار پائی جاتی ہے۔ (۲۰۷) اس لیے کوئی نیا پہلو سامنے نہیں آتا۔

علامہ زرقانی (م، ۱۱۲۵ھ) متاخرین علما میں سے شرح مواہب اللدنیہ (للعلامہ القسطلانی، م۹۲۳ھ) کے حوالے سے نمایاں ترین حیثیت رکھتے ہیں۔ شرح مواہب کی ضخیم مجلدات میں دو جگہ حجۃ الوداع اور اس کے متعلقات سے بحث کی گئی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ (الجزء الثالث) میں حجۃ الوداع کی وجہ تسمیہ، سفر، واقعات واحوال اور مسائل سے بہت مفصل بحث کی ہے۔ لیکن اس میں (بالکل سرسری طور پر مذکور ایک جملہ۔ یعنی انه وداع الناس بالوصیّة التی اوصاهم بها ان لایرجعوا بعده کفارا کے علاوہ) خطبۃ الوداع کا کوئی ذکر نہیں ہے نہ اس کا متن نقل کیا ہے (۲۰۸)۔ البتہ دوسری جگہ (الجزء الثامن میں) النوع السادس من فی ذکر حجه و عمره صلی الله علیه وسلم کی بحث میں (۲۰۹) خطبۃ الوداع کا متن تشریحات کے ساتھ متفرق جملوں کی صورت میں نقل کیا ہے۔ لیکن ان (جملوں، فقروں، ارشاداتِ نبوی ﷺ) کی تعداد بھی آٹھ، دس سے زیادہ نہیں ہے۔ (۲۱۰) گویا مکمل متن موجود نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اس ضمن میں جو ارشاداتِ نبوی ﷺ منقول ہیں وہ تمام کے تمام ابن ھشام، ابن سعد، واقدی، طبری وغیرہ کے یہاں پہلے ہی نقل ہو چکے ہیں تمام بحثیں اکثر و بیشتر مفید و جامع ہیں اور بہت سی کتابوں سے بے نیاز کر دینے والی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کے خطبۂ حجۃ الوداع اور متعلقات کے ضمن میں مطالعات کا ایک تاریخی تنقیدی اور علمی جائزہ جو گذشتہ صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے، ممکن ہے کہ ہر لحاظ سے وہ مکمل و مدلل قرار نہ دیا جائے، اور ہو سکتا ہے کہ کسی پہلو سے اس میں تشنگی باقی رہ گئی ہو، لیکن ان معروضات سے ان حقائق / نکات، جہات کی بہر حال توثیق، تصدیق اور تائید ہو جاتی ہے جن کی نشاندہی ہم شروع میں کر چکے ہیں۔

اسناد/حوالے/حواشی

۱۔ ابن ہشام۔السیرۃ النبویہ۔مصطفیٰ البابی الحلبی۔مصر ۱۹۳۶ء، ج ۴/ ۲۵۳۔

۲۔ ابن سعد۔الطبقات الکبریٰ۔دار صادر، بیروت ۱۹۵۷ء۔ج ۲/ ۱۷۳۔

۳۔ طبری۔ابی جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک۔مطبعۃ الاستقامۃ۔قاہرہ ۱۹۳۹ء۔ج ۲/ ۴۳۹

۴۔ حجۃ الوداع اس لیے کہ حضور ﷺ نے اسی موقع پر گویا مسلمانوں کو وداع (خدا حافظ) کہا حجۃ البلاغ اس لیے کہ وہ خطبہ ابلاغ و تبلیغ کا نقطۂ کمال تھا جو اس حج کے دوران آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔نیز خطبۂ مبارکہ کے دوران بار بار" الاھل بلغت؟" کے استفسار نبوت کے جواب میں حاضرین ومخاطبین کا جواب "نعم" ہوتا تھا۔اور بالآخران کی یہ گواہی کہ قد ادیت و بلغت (ہاں بیشک آپ ﷺ نے فرض رسالت ادا فرمادیا اور پیغام حق بتمام و کمال سب تک پہنچادیا) حد ابلاغ کی انتہا ٹھہری۔حجۃ الاسلام اس لیے کہ خطبۂ حجۃ الوداع اسلام کی تمام تعلیمات کا خلاصہ تھا۔نیز حج کو اسلام کے ایک رکن اور فرض کی حیثیت سے آپ ﷺ عملاً ادا فرما رہے تھے، اور حجۃ الکمال والتمام اس لیے کہ آپ ﷺ کا مقدس مشن اسی مرحلہ پر اتمام واکمال کو پہنچا اور سورۂ مائدہ کی وہ آیت (۳) اسی موقع پر نازل ہوئی جس میں اتمام نعمت اور رضائے خداوندی کی نوید سنائی گئی۔(مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو زرقانی۔محمد بن عبدالباقی۔شرح مواہب۔المطبعۃ الازہریۃ۔المصریۃ۔۱۳۲۹ھ ج ۳، ص ۱۰۴ تا ۱۰۶)

۵۔ مثلاً متقدمین میں سے علامہ ابن حزم (م ۴۵۶ھ) نے اپنی مشہور کتاب "جوامع السیرۃ" کے علاوہ "حجۃ الوداع" کے عنوان سے بھی ایک علیحدہ مستقل کتاب لکھی (ملاحظہ ہو: ابن حزم

الاندلسی۔ حجۃ الوداع۔ دار الیقظۃ العربیۃ۔ بیروت ۱۹۶۶ء) اور متاخرین میں سے علامہ الشیخ محمد زکریا الکاندھلوی کی کتاب (دیکھئے: الکاندھلوی: حجۃ الوداع و جزء عمرات النبی ﷺ۔ المجلس العلمی۔ کراچی ۱۹۷۱ء) وغیرہ وغیرہ۔ دونوں کتابوں میں حجۃ الوداع اور حجۃ النبی ﷺ کے متعدد پہلوؤں سے بحث موجود ہے اور مختلف شرعی، فقہی اور علمی نکات شرح وبسط سے بیان کیے گئے ہیں لیکن خطبۂ حجۃ الوداع سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ علامہ سخاوی (م ۹۰۲ھ) نے اپنی کتاب الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ میں جہاں سیرۃ النبی ﷺ پر تصنیفات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ نبی ﷺ کے خطبوں سے متعلق ابو احمد العسال اور ابو الشیخ بن حبان کی تصانیف ہیں۔ بعض نے خطبۃ الوداع کو مستقل کتاب کی شکل دی ہے۔ ابن بشکوال کے کہنے کے مطابق یہ آپ ﷺ کا آخری خطبہ ہے۔ (دیکھئے: السخاوی۔ الحافظ المورخ الحجہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن۔ الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ۔ القدسی، دمشق، مطبعۃ الترقی۔ ۱۳۴۹ھ، ص ۹۱۔۹۲، اور ایک جدید العہد کتاب: الاستاذ علی حسب اللہ۔ الرسول ﷺ یعلم الناس مناسکھم فی حجۃ الوداع۔ مکۃ المکرمۃ۔ ۱۳۹۹ھ، ۱۹۷۹ء۔

۶۔ علامہ شبلی نعمانی (م ۱۳۳۲ھ) سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ) سیرۃ النبی ﷺ۔ مطبع معارف اعظم گڈھ (طبع پنجم) ۱۳۷۵ھ۔ ج ۲/ص ۱۵۴۔

۷۔ ایضاً ص ۱۵۴، ۱۵۵ (افسوس یہ ہے کہ خطبۂ حجۃ الوداع کو ایک مربوط و مسلسل خطبے کی حیثیت سے علامہ شبلی نے بھی نقل نہیں کیا ہے۔ بلکہ متفرق طور پر الگ الگ جملے نقل کرکے ارشاد نبوی ﷺ کی اہمیت و اثرات سے بحث کی ہے۔ اس سلسلے میں مجموعی طور پر تقریباً ۱۵ جملے مذکور ہیں)۔

۸۔ علامہ شبلی سے پہلے سیرت نگاری کے نمونے مسلمان اور غیر مسلم مصنفین دونوں کے ہاں اگرچہ اچھی خاصی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن وہ تمام نمونہ ہائے رنگارنگ اپنے لوازمے، مضامین، اندازِ تحریر اور بحث، بیان اور تجزیہ و استدلال میں سیرۃ النبی ﷺ (از شبلی) کے مدمقابل پاسنگ بھی نہیں۔ اس زمانے میں میلاد ناموں کی کثرت تھی اور میلاد ناموں میں بھلا

خطبۂ حجۃ الوداع کو کس طرح کھپایا جا سکتا تھا؟ مولانا شبلی سے پہلے سیرۃ نگاری کے منثور اور منظوم نمونوں اور میلاد ناموں کی فہرست کے لیے ملاحظہ ہو: شہابی، مفتی محمد انتظام اللہ۔ (مرتبہ) قاموس الکتب۔ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی۔ ج ۱، ص ۶۹۱ تا ۷۷۴۔ نیز دیکھیے: ڈاکٹر انور محمود خالد۔ ''اردو نثر میں سیرت رسول'' اقبال اکادمی، لاہور ۱۹۸۹ء (باب چہارم ص ۲۷۷ تا ص ۳۳۲)۔

۹۔ دیکھیے: ڈاکٹر انور محمود خالد۔ ص ۳۲۲

۱۰۔ یہ فصل دو صفحات پر مشتمل ہے اور مصنف نے حجۃ الوداع کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس موقع پر ایک لاکھ سے زیادہ آدمی جمع ہو گئے تھے۔ (ملاحظہ ہو محمد عنایت احمد، تواریخ حبیب الہٰ۔ ملک دین محمد اینڈ سنز۔ لاہور ۱۹۳۹ء ص ۱۴۰، ۱۴۱)

۱۱۔ دیکھیے: شرد ہے پرکاش دیوجی پرچارکر۔ سوانح عمری حضرت محمد صلعم صاحب بانی مذہب اسلام۔ نولکشور (طبع ثالث)۔ ص ۱۲۰

۱۲۔ ایضاً۔ ص ۱۳۰

۱۳۔ سیرۃ النبی ﷺ کے دیباچہ طبع اول کے مطابق بقول سید سلیمان ندویؒ ''مولانا شبلی کو سیرۃ نبوی ﷺ کے لکھنے کا خیال الفاروق کے بعد ہی پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۵ء میں اس کا ایک مختصر سا حصہ یعنی غزوۂ احد تک وہ لکھ بھی چکے تھے کہ بعض مشکلات کی بناء پر رک گئے''۔ (ملاحظہ ہو: شبلی۔ سیرت النبی، ج ۱، دیباچہ طبع اول (طبع ششم ۱۳۳۲ھ) ص ۸، ۹)

۱۴۔ ملاحظہ ہو: قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۵۳ء۔ ج ۱، ص ۳۰۱ تا ۳۰۵۔

۱۵۔ ایضاً۔ ص ۳۰۰ تا ص ۳۱۲۔

۱۶۔ دیکھیے: پروفیسر سید نواب علی، سیرت رسول اللہ۔ مکتبہ افکار۔ کراچی ۱۹۶۶ء (طبع دوم) ص ۳۹۸ تا ۴۰۰۔

۱۷۔ ایضاً۔ ص ۴۰۰ تا ۴۰۱۔

۱۸۔ ایضاً۔ص ۴۰۴۔

۱۹۔ ایضاً۔ص ۴۰۴ تا ۴۰۶۔

۲۰۔ دانا پوری، حضرت مولانا حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف صاحب قادری، اصح السیر، نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۹۵۷ء۔

۲۱۔ جس کا اظہار فاضل مصنف نے کتاب کے ابتدائی صفحات (بلاعنوان، غالباً دیباچہ) میں ص ۵، ۶ پر کردیا ہے اور مختلف ابواب کے تحت بھی مولانا شبلی پر تنقید کی ہے۔

۲۲۔ دیکھئے ص ۴۹۹ تا ۵۳۹۔

۲۳۔ ملاحظہ ہو علامہ دانا پوری کی کتاب (اصح السیر) کا ص ۵۲۵، ۵۲۶ نیز ص ۵۳۱، ۵۳۲

۲۴۔ ایضاً۔ص ۵۲۵۔

۲۵۔ ایضاً۔ص ۵۳۲۔

۲۶۔ ایضاً۔ص ۵۳۱، ۵۳۲۔

۲۷۔ ایضاً۔ص ۵۳۱۔

۲۸۔ ایضاً۔ص ۵۳۲

۲۹۔ کتاب میں کہیں کہیں (جہاں علامہ شبلی پر تنقید مقصود ہوتی ہے) استدلال بھی پایا جاتا ہے۔ تاہم یہ عجیب بات ہے کہ ان کے بیان میں جہاں عبارت بحث و تمحیص کی خود متقاضی ہوتی ہے اور قاری اس کی بجا طور پر توقع بھی کرتا ہے وہاں موصوف ''واللہ اعلم'' لکھ کر بات ختم کردیتے ہیں چنانچہ صرف حجۃ الوداع کے سلسلۂ بیان میں ہی حکیم صاحب موصوف نے اس (نسخہ، واللہ اعلم) کا استعمال ۱۵، ۱۶ بار کیا ہے۔

۳۰۔ ملاحظہ ہو: ڈاکٹر انور محمود خالد۔ص ۶۴۸۔

۳۱۔ ملاحظہ ہو: کاندھلوی، شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد ادریس۔ سیرۃ المصطفیٰ۔ لاہور ۱۳۸۱ھ۔ ج ۳/ص ۸۵، ۱۸۳۔

۳۲۔ ایضاً۔ص ۱۸۴، ۱۸۵۔

۳۳۔ سیوہاروی، مولانا حفظ الرحمٰن۔ سیرت نبوی ﷺ رسول کریم۔ نفیس اکیڈمی۔ کراچی ۱۹۸۶ء۔ (کتاب پر تقریظ مولانا انور شاہ کشمیری نے ۱۳۵۱ھ میں لکھی تھی)

۳۴۔ مطبوعہ سنی پبلی کیشنز۔ لاہور ۱۹۸۰ء (اس کا پہلا ایڈیشن غالباً ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا۔ اس کی تصنیف میں محی الدین خیاط مصری اور خضری بک کی کتابوں کو سامنے رکھا۔ دیکھئے۔ ڈاکٹر انور محمود خالد ۶۷۰)

۳۵۔ ملاحظہ ہو: (کتاب مذکور۔ سیرت نبوی ﷺ) ص ۱۴۵ تا ۱۴۸۔

۳۶۔ نور البصر ص ۱۳۸۔ کتاب ایک ہی ہے دو ایڈیشن الگ الگ ناموں سے شائع ہوئے۔

۳۷۔ جیراجپوری۔ علامہ اسلم۔ تاریخ الامت۔ جلد اول۔ (سیرت الرسول ﷺ) میزان پبلی کیشنز لمیٹڈ (ادارہ طلوع اسلام) لاہور۔ (طبع دوم)

۳۸۔ ایضاً۔ ص ۱۱ (تمہید)

۳۹۔ ایضاً۔ ص ۱۸۴ تا ۱۸۶۔

۴۰۔ پرویز۔ معراج انسانیت۔ ادارہ طلوع اسلام۔ لاہور۔ (دوسرا ترمیم شدہ ایڈیشن) ۱۹۶۸ء۔ (اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا تھا)

۴۱۔ ایضاً۔ ص ۳۸۷ تا ۳۹۱۔

۴۲۔ دیکھئے ص ۳۹۱ تا ص ۳۹۵۔

۴۳۔ اس کا دیباچہ (طبع اول) مولانا سید سلیمان ندوی نے ۱۹۳۹ء میں تحریر کیا تھا۔

۴۴۔ شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام، مطبع معارف اعظم گڈھ، ۱۹۵۲ء (طبع دوم) حصہ اول، ص ۱۰۳، ۱۱۱

۴۵۔ طوروی۔ مولانا محمد ادریس۔ خطبات نبوی ﷺ۔ ادبستان۔ لاہور ۱۹۳۶ء

۴۶۔ ایضاً۔ ص ۱۵۷ تا ۱۶۷۔

۴۷۔ بجنوری، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن۔ کتاب وصایا (ص ۸۲ تا ۹۷)۔

۴۸۔ مطبوعہ گوشۂ ادب۔ لاہور۔ ۱۹۶۳ء (طبع یازدھم)

۴۹۔ ''انسانیت موت کے دروازہ پر''۔ ص ۱۰ تا ۲۱۔

۵۰۔ ملاحظہ ہو: فقیر سید وحید الدین۔ محسن اعظم اور محسنین۔ لائن آرٹ پریس لاہور۔ ۱۹۶۴ء (طبع پنجم)

۵۱۔ دیکھئے: پھلواروی، مولانا شاہ محمد جعفر۔ ''پیغمبر انسانیت''۔ ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ لاہور۔ طبع اول (ص ۶۰۳، ۶۰۴، پر خطبے کا صرف اردو ترجمہ اور سرسری سا بیان پایا جاتا ہے)۔

۵۲۔ ملاحظہ ہو: فاضل لکھنوی، سید مرتضیٰ حسین ''خطیب قرآن'' (انبیائے قرآن جلد چہارم) شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور (ت۔ط۔ن) ص ۴۵۲ تا ۴۵۷۔

۵۳۔ دیکھئے: نصیر الاجتہادی۔ نہج الفصاحت۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔ (طبع اول) ص ۵۵ تا ۵۸۔

۵۴۔ سید محمد رضوان اللہ و انتظام اللہ شہابی۔ ''سیرت الرسول من القرآن'' دائرۃ المعارف قرآنیہ۔ کراچی ۱۹۶۳ء۔ (ص ۳۵۳ تا ص ۳۶۱)

۵۵۔ ڈاکٹر محمد عزیر، پیغام اور پیغامبر۔ نفیس اکیڈمی کراچی۔ ۱۹۸۴ء، ص ۴۱۷ تا ۴۲۱۔ (کتاب میں نہ متن نہ اصل مآخذ کا حوالہ۔ خاص خاص مضامین صرف سیرۃ النبی شبلی اور ابن ہشام سے ماخوذ ہیں۔)

۵۶۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر۔ پیغمبر اعظم ﷺ و آخر۔ فیروز سنز۔ لاہور۔ ۱۹۷۸ء میں رابطۂ عالم اسلامی کی انعام یافتہ کتاب۔ (خطبۂ حجۃ الوداع بطور ضمیمہ۔ ص ۴۶۳ تا ۴۶۳ شامل اشاعت ہے)

۵۷۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ نبی رحمت (حصہ اول۔ دوم) مجلس نشریات اسلام۔ کراچی ۱۹۸۱ء (ص ۱۳۸ تا ۱۴۲) خطبے کی اہمت پر بمشکل دو پیراگراف سپرد قلم کیے ہیں (ایضاً ص ۱۳۲۔۱۳۳)

۵۸۔ حضرت شمس بریلوی۔ سرورِ کونین ﷺ کی فصاحت۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی۔ کراچی۔ ۱۹۸۵ء۔ (سیرت ایوارڈ یافتہ کتاب۔ خطبہ نبوی ﷺ فصل کی صورت میں ص ۲۸۷ تا ۲۹۹ منقول لیکن حوالے/ مآخذ ندارد)

۵۹۔ ملاحظہ ہو: آغاز اشرف ''محمد سید لولاک''۔ مکتبہ میری لائبریری۔ لاہور (ت۔ط۔ن) (متن خطبہ مع ترجمہ ص ۴۰۵ تا ۴۱۴، موجود ہے لیکن مآخذ، حوالہ جات مذکور نہیں نہ اہمیت سے بحث کی گئی ہے)

۶۰۔ حسن المرتضیٰ خاور۔ حضور کی وصیتیں۔ مکتبہ اشاعت اسلام۔ رحیم یار خان۔ ۱۴۰۶ھ (ملاحظہ ہو: ۸۰ تا ۸۹)

۶۱۔ خالد علوی، انسانِ کامل، یونیورسٹی بک ایجنسی لاہور۔ ۱۹۷۴ء (خطبہ مع متن شامل ہے ترجمہ بھی دیا ہے البتہ حوالے نامکمل ہیں اور خطبے کا محض سرسری تعارف کرایا گیا ہے۔ مآخذ میں ابن ہشام، ابن سعد بخاری، ابن ماجہ، اور سیرۃ الحلبیہ مذکور ہیں)

۶۲۔ منورہ نوری خلیق، معلم اعظم ﷺ۔ سہام پبلی کیشنز، کراچی ۱۴۰۶ھ، ۱۹۸۵ء، حجۃ الوداع کا عنوان اور مختصر بیان واحوال کے ساتھ خطبہ کا صرف اردو ترجمہ ڈھائی صفحات پر مشتمل۔ حوالہ سند وغیرہ مذکور۔ دیکھئے۔ (۲۱۰ تا ۲۱۵)

۶۲(ا)۔ دیگر کتابوں میں مثلاً مولانا وحید الدین خان کی کتاب (پیغمبر انقلاب۔ احمد اکیڈمی۔ لاہور ۔۱۸۳ء) حجۃ الوداع اور خطبے کے ذکر سے خالی ہے، زادالمعاد کے حوالے سے خطبۂ فتح مکہ شامل کیا گیا ہے۔ ایک اور ضخیم کتاب جس میں ''عرفات کے میدان میں حضورؐ کا تاریخی خطبہ'' (ص ۵۸۰) کے عنوان سے صرف اردو ترجمہ ہے اور صرف بخاری و مسلم کا حوالہ، نہ اہمیت نہ کوئی تبصرہ۔ (دیکھئے، مسعود احمد۔ صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین، جماعت المسلمین۔ کراچی ۱۹۷۶ء) ایک اور کتاب ''الرحیق المختوم'' جسے رابطۃ العالم الاسلامی مکہ کا پہلا ایوارڈ ملا۔ عربی اور اردو دونوں زبانوں میں ہے۔ لیکن افسوس کہ متن خطبۂ نبوی ﷺ کے چند جملوں کو نقل کرنے پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: المبارکفوری، فضیلۃ الشیخ صفی الرحمن۔ الرحیق المختوم۔ رابطۃ العالم الاسلامی۔ مکۃ المکرمہ۔ ۱۴۰۰ھ، ۱۹۸۰ء (ص ۵۱۵) اردو ترجمہ، تصنیف مولانا صفی الرحمن مبارک پوری، المکتبۃ السلفیہ۔ لاہور ۱۹۸۸ء۔ (ص ۷۲۳۔۷۳۰)

۶۳۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، دارالاشاعت، کراچی۔ ۱۹۵۰ء

۶۴۔ اس کے زمانۂ ہائے تالیف کی تصریح خود مصنف علام نے فرمادی ہے (ایضاً ص ۴)

۶۵۔ یہ مضمون کتاب کے صرف چار صفحات (ایضاً ص ۳۰۲ تا ۳۰۴) پر مشتمل ہے۔

۶۶۔ یہ نشاندہی کرتے ہوئے قبلہ ڈاکٹر صاحب کو التباس ہوا ہے یا تسامح۔ لکھتے ہیں: ''ٹکڑے اور اقتباس تو ہر حدیث کی کتاب میں ملتے ہیں۔ بخاری کے مطابق اس کی نقل خود رسول اللہ ﷺ کے حکم سے حضرت ابوشاہ یمنی کو دی گئی تھی'' (ایضاً۔ص ۳۰۵) حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوشاہ یمنی کو خطبۂ حجۃ الوداع کی نقل نہیں بلکہ خطبۂ فتح مکہ کی نقل دینے کی ہدایت فرمائی گئی تھی۔ چنانچہ بخاری میں دو جگہ جہاں یہ مذکور ہے کہ ''نقل ابوشاہ کو دی جائے'' (اکتبو لابی شاہ) وہاں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ وہ ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر ارشاد فرمایا گیا تھا۔ (ملاحظہ ہو۔ صحیح البخاری۔ طبع بشرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ۔ قاھرہ۔ ۱۳۷۸ھ/ ۱۹۸۵ء۔ کتاب فی اللقطۃ باب کیف تُعرف اھل مکۃ) قال حدثنی ابو ہریرۃؓ قال لما فتح اللہ علیٰ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم مکۃ قام فی الناس فحمد اللہ واثنی علیہ ثم قال...... (ایضاً ص۔۱۶۴/ ج ۳) فقام ابوشاہ رجل من اھل الیمن فقال اکتبو الی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکتبو الابی شاہ (ایضاً۔ص ۱۶۵/ ج ۳) نیز دیکھئے۔ کتاب الدیات باب من قتل لہ قتیل عن ابی ہریرۃ (ایضاً۔ج ۹ ص ۶) بخاری کے علاوہ سنن ابی داود میں بھی جہاں یہ واقعہ اور الفاظ (اکتبو الابی شاہ) مذکور ہیں، کتاب المناسک، ص ۲۷۶ فتح مکہ کا ہی ذکر ہے، ابوداود میں بھی کتاب الدیات ص ۶۱۷ میں یہی تکرار مع خطبہ موجود ہے، ص ۶۱۹،

۶۷۔ مجلۂ نقوش کے معرکۃ الآراء رسول نمبر (مرتبہ محمد طفیل۔ اشاعت ادارہ فروغ اردو۔ لاہور۔ شمارہ ۱۳۰۔ دسمبر ۱۹۸۲ء) کی جلد دوم میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی انگریزی تصنیف کا مکمل اردو ترجمہ (ص ۵۱۳ تا ۶۸۲=۱۶۹ صفحات) بھی شامل ہے۔ تصنیف مذکور کے باب ششم میں پانچ مختصر فصلیں، پیراگراف (۱۷۶ تا ۱۸۰) خطبۂ حجۃ الوداع کے عنوان سے مخصوص ہیں۔ اسے ہم گویا پرانی کتاب (رسول اکرم کی سیاسی زندگی) کا تتمہ اور تکملہ شمار کر سکتے ہیں۔ تاہم اس میں بھی نہ تو خطبۂ نبوی ﷺ کا عربی متن دیا گیا ہے اور نہ ہی حوالے مذکور ہیں۔ فصل ۱۷۶ میں جو

من وعن خطبہ منقول ہے وہ صرف اردو میں ہے۔ اس میں تقریباً ۲۱ جملے ہیں (اور غالباً ابن ہشام سے ماخوذ ہیں) جبکہ فصل ۱۷۷ میں ابن سعد کے حوالے سے دو جملے مزید شامل فرمائے ہیں۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب نے خطبے کے تمام مضامین پر گفتگو نہیں فرمائی بلکہ (فصول، پیراگراف ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰ میں) خطبے کے دو نکات (سود، ربوا اور قمری کیلنڈر) کی توضیح فرمائی ہے (دیکھیے ایضاً۔ ج ۲/ص ۵۹۲، ۵۹۳)

۶۸۔ نعیم صدیقی۔ محسنِ انسانیت۔ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ۔ لاہور ۱۹۶۳ء

۶۹۔ ایضاً۔ ص ۶۷۴۔

۷۰۔ ایضاً۔ ص ۶۷۸۔

۷۱۔ ایضاً۔

۷۲۔ ایضاً۔ ص ۶۸۲۔

۷۳۔ ایضاً۔ ص ۶۸۳۔

۷۴۔ ماہر القادری (مرتبہ) فاران۔ سیرت نمبر۔ کراچی۔ جنوری ۱۹۵۶ء (ص ۱۴۸ تا ۱۵۴)

۷۵۔ ایضاً۔ ص ۱۵۹ تا ۱۶۱۔

۷۶۔ مثلاً یہی بات کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد خطبات ارشاد فرمائے تھے، کتب احادیث میں ان کا متن کہیں مربوط و مسلسل خطبے کی صورت میں منقول نہیں یا اس طرح مثلاً یہ توجیہ بھی نہیں کی گئی کہ محض خطبۂ عرفات کو اصل خطبہ کیوں سمجھا گیا جبکہ بعض محدثین نے تو خطبۂ یوم النحر کو ہی خطبۂ حجۃ الوداع شمار کیا ہے، یا مثلاً کئی مقامات پر متن خطبہ اور ترجمہ میں مطابقت نہیں پائی جاتی، پھر مولانا محمد میاں صدیقی صاحب کی تشریح و توضیح میں پائے جانے والے اکثر حوالے نامکمل اور متعدد نکات تشنۂ بحث ہیں۔

۷۷۔ دیکھیے ہمدرد کا مطبوعہ اولیں کتابچہ جس کا متن مفتی محمد شفیع صاحب کی زیر نگرانی تیار ہوا۔ (ص ۶،۴)۔ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے شعبہ دعوت وارشاد کے مطبوعہ خطبات کے متون میں بھی ایک جملہ یعنی "یا معشر قریش لاتجیئوا بالدنیا.... الخ" تو شامل ہے لیکن دوسرا جملہ "معشر قریش

ان اللہ قد اذھب عنکم ...... الخ'' شامل نہیں کیا گیا۔لیکن پورٹ ٹرسٹ (کراچی) کے شائع کردہ کیلنڈر میں یہ دونوں جملے اردو ترجمے کی صورت میں موجود ہیں۔

۷۸۔ ملاحظہ ہو: الھیثمی، نورالدین علی بن ابی بکر۔ مجمع الزوائد و منبع الفوائد۔ مکتبۃ القدسی۔ قاہرہ۔۱۳۵۲ھ (ص۲۷۰۔۲۷۱)

۷۹۔ ایضاً۔ص ۲۷۲۔

۸۰۔ سنن ابن داود مع حاشیہ عون المعبود میں کتاب المناسک باب الخطبۃ بعرفۃ میں جو روایت (عن رجل من بنی ضمرہ عن ابیہ او عمہ قال رایت رسول اللہ وھو علی المنبر بعرفۃ (مطبوعہ المطبع انصاری۔ دہلی/ ج ۲/ص ۱۳۳)) موجود ہے۔اس کی تغلیط خود اسی باب میں موجود دوسری روایات (عن رجل من الحی عن ابیہ (ایضاً،ص ۱۳۳) اور عن خالد بن العداء بن ھوزہ (ایضاً،ص ۱۳۳) سے ہو جاتی ہے۔ نیز اس کی شرح میں صاحب عون المعبود (مولانا محمد اشرف) نے لکھا ہے۔کہ خطبہ عرفہ میں منبر کی موجودگی ثابت نہیں جیسا کہ حدیث جابر سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے خطبہ ناقہ پر رونق افروز ہو کر ارشاد فرمایا تھا۔وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ''منبر کا ذکر یا تو کنایۃً ہے یا سہواً''۔مولانا محمد اسحٰق المحدث الدہلوی فرماتے ہیں کہ شاید اس سے مراد ''شئی مرتفع'' (اونچی جگہ) ہو جبکہ منذری کا کہنا ہے کہ اس میں ایک راوی مجہول ہے۔(دیکھئے ایضاً)۔علامہ ابن حزم نے ''حجۃ الوداع'' پر جو مستقل کتاب لکھی ہے اس کا ایک باب ہی اس بات کی مخالفت میں مخصوص کر دیا ہے۔چنانچہ (الباب التاسع۔الخلاف فی خطبۃ صلی اللہ علیہ وسلم یوم عرفۃ بعرفۃ اعلی راحلتہ ام علی منبر۔ص ۱۹۷) میں سنن ابی داود میں مذکور روایت زید بن اسلم عن رجل من بنی ضمرہ عن ابیہ کو نقل کر کے لکھا ہے کہ: ''ھذہ روایۃ ساقطۃ لا یلتفت الیھا لانھا عن مجھول عن مجھول مشکوک فیہ و مثل ھذا، لا یقوم بہ حجۃ فبقی انہ کان علیہ السلام یومئذ علی بعیر، ھو الماخوذ بہ لصحۃ و تشعب طرقہ''۔ (دیکھئے: ابن حزم الاندلسی۔(م ۴۵۶ھ)۔ حجۃ الوداع۔ دار الیقظۃ العربیۃ۔ بیروت۔۱۹۶۶ء۔(طبع ثانی/ص ۱۹۷ تا ۱۹۹) علامہ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے اپنی کتاب (السیرۃ النبویۃ۔مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔الجزء الرابع) میں ابوداؤد کی مذکورہ

حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ ھذا الاسناد ضعیف لان فیہ رجلا مبھما (ص ۳۴۱) اور پھر طویل حدیث جابر نقل کی ہے جس میں یہ صراحت موجود ہے کہ حضور ﷺ نے خطبہ ناقہ القصواء پر دیا تھا (ایضاً)

۸۱۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عرب یا عجم یا کسی خاص آبادی، قوم، ملک سے مخصوص و محدود نہ تھی اس لیے بعض خاص مواقع پر بعض خاص اسباب و واقعات کے حوالے سے تخاطب کو کسی فرقہ گروہ یا قبیلے کی طرف کر لینا محض تاکید و توثیق کے لیے ہوتا تھا وہ درحقیقت موقع و محل کا تقاضہ بھی ہوتا تھا۔ مثلاً فتح مکہ کے موقع پر جب حرم میں مخاطبین میں سے بیشتر کا تعلق قریش سے ہی تھا اس لیے اس وقت "یا معشر قریش" کا خطاب بالکل برمحل تھا (جیسا کہ مؤرخین، محدثین اور اصحاب السیر نے خطبہ نبوی ﷺ برباب کعبہ میں نقل کیا ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو: ابن ہشام۔ ج ۴/ص ۵۴)۔ مسند الربیع بن حبیب۔ (مطبعۃ الازھار البارونیۃ ۱۳۲۶ھ) کا حاشیہ (حمید السالمی، ج ۲/ص ۲۲۰) یا اسی طرح مثلاً اموال ھوازن کی تقسیم پر انصار کے آزردہ خاطر ہونے پر انصار کے سامنے حضور ﷺ کا یا معشر الانصار! ابن ہشام ج ۴، ص ۱۴۲، فرمانا برمحل بلکہ ضروری تھا بہرحال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مستحسن اور پسندیدہ طرز تخاطب "ایھا الناس ہی تھا کہ اس میں تواضع بھی ملحوظ تھی، چنانچہ فتح مکہ ہی کے موقع پر باب کعبہ پر خطاب میں تو آپ نے یا معشر قریش کے الفاظ استعمال فرمائے تھے لیکن اسی موقع پر دوسرے دن خزاعہ نے زیادتی کرتے ہوئے ھذیل کے ایک مشرک کو قتل کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر خطاب فرمایا، آغاز "ایھا الناس" سے فرمایا اور اختتام فلیبلغ الشاھد منکم الغائب پر (ملاحظہ ہو: ابن ہشام۔ ج ۴/ص ۵۸)

۸۲۔ ملاحظہ ہو: ابن ہشام۔ ج ۴، ص ۵۴۔ نیز دیکھئے: الباقلانی۔ ابی بکر محمد بن الطیب۔ اعجاز القرآن۔ المطبعۃ السلفیۃ۔ قاہرہ۔ ۱۳۴۹ھ۔ (ص ۱۱۲)

۸۳۔ دیکھئے: خدا کے آخری نبی ﷺ کا آخر پیغام، خطبۂ حجۃ الوداع۔ (کلمات تعارف/ص ۲)

۸۴۔ اظہر۔ ڈاکٹر ظہور احمد۔ فصاحت نبوی۔ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ۔ لاہور۔ ۱۹۸۳ء۔

۸۵۔ ایضاً۔ص ۲۹۹ تا ۳۰۵۔

۸۶۔ ایضاً۔ص ۳۰۰۔

۸۷۔ حیاۃ الصحابۃ غالباً مولانا محمد یوسف کاندھلوی صاحب کی آخری تصانیف میں سے ایک ہے جو ان کی وفات (۲۹ ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ/۲ راپریل ۱۹۶۵ء) کے بعد سے اب تک مختلف اداروں کے زیراہتمام کئی مرتبہ زیور طباعت سے آراستہ ہوچکی ہے (تین جلدوں میں لیکن) اس وقت ہمارے سامنے اس کا تازہ ترین ایڈیشن چار مجلدات میں الاستاذ علی شیر کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ دار احیاء التراث العربی۔ بیروت سے ابھی حال میں شائع ہوا ہے۔ خطبۂ حجۃ الوداع (خطبات صلی اللہ علیہ وسلم فی الحج کے زیرعنوان) ص ۱۵۹ تا ۱۶۵ = ۷ صفحات) پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ مولانا محمد عثمان صاحب (صدر مدرسین مدرسہ نافع العلوم، کورتہ، میرٹھ) نے (۱۹۶۷ء میں) کیا۔ جو (مفتی انیس احمد کے زیرانتظام) ادارہ اشاعت دینیات حضرت نظام الدین۔ نئی دہلی سے بھی تین ضخیم جلدوں (۱۰ حصے) میں شائع ہوا۔ (دیکھئے: حصہ نہم باب نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے خطبات، ص ۴۴۰ تا ۵۵۲/ ج ۳، اور حج میں نبی ﷺ کے خطبات، ص ۴۳۶ تا ۴۴۳) اور ایک عکس ایڈیشن دینی کتب خانہ لاہور سے بھی شائع ہوا۔

۸۸۔ ملاحظہ ہو: محمد میاں صدیقی۔ خطبات رسول ﷺ (عربی متن مع اردو ترجمہ وتشریح) اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور (اشاعت اول) ۱۹۸۷ء (ضخامت: ۲۰۸ صفحات)

۸۹۔ دیکھئے پیش لفظ۔ ص ۱، ۲/ بحوالہ ابوالقاسم پاینده۔ نہج الفصاحۃ (سازمان انتشارات جاویدان، چاپ سیزدهم ۱۳۶۰)۔

۹۰۔ ایضاً۔ ص ۵۔ بحوالہ: مولوی محمد عبداللہ خاں (سابق پروفیسر مہندر کالج پٹیالہ) خطبات نبوی ﷺ دائرۃ المعارف۔ لاہور ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء۔

۹۱۔ ایضاً۔ ص ۵، ۶۔ پروفیسر امتیاز احمد سعید۔ خطبات رسول ﷺ۔ مطبوعات حرمت۔ راولپنڈی ۱۹۸۱ء

۹۲۔ کتاب میں منتخب خطبات کی تعداد ۳۰ ہے۔ خطبہ توبہ (خطبہ ۲۵، ص ۱۴۲) کے بعد آنے والے

خطبے یعنی (خطبہ:۲۶/ص۱۴۶) خطبۂ تبوک پر کمپوزنگ، ٹائپنگ، شمار کی غلطی سے خطبہ نمبر ۲۵ دوبارہ چھپ گیا ہے اس لیے بعد کے تمام خطبات کے نمبر شمار بھی غلط ہو گئے ہیں۔

۹۳۔ مولانا محمد میاں صدیقی نے اپنے مقدمے میں لکھا ہے کہ ''زیرنظر کتاب میں جو خطبات نبوی ﷺ جمع کیے ہیں انہیں حدیث و سیرت کی مختلف کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے۔'' (ص ۱۳) افسوس کہ اس معاملے میں بھی مآخذ کے معیار، درجہ، سطح کا خیال نہیں رکھا گیا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حدیث وسیر کے اولین مآخذ اور مہمات کتب کے براہِ راست مطالعے وحوالے کے بجائے ثانوی بلکہ تیسرے چوتھے درجے کی کتابوں کو زیادہ استعمال کیا گیا ہے۔ نیز کتاب میں شامل دو خطبات (خطبہ نمبر ۲۲ اور نمبر ۲۹) حوالوں سے بالکل مبرا ہیں، خطبہ نمبر ۹ میں صرف سیرۃ المصطفیٰ کا حوالہ مذکور ہے، خطبہ نمبر ۱۹ کا مصدر معارف الحدیث ہے، خطبہ نمبر ۱۲ کے حوالوں میں کیمیائے سعادت بھی شامل ہے۔ مزید برآں محسن انسانیت ﷺ کے سب سے اہم اور طویل ترین خطبہ یعنی خطبۂ حجۃ الوداع کے باب میں حوالے رواروی اور بہت سرسری انداز سے دیئے گئے ہیں، اور المیہ یہ ہے کہ دوسرے خطبات نبوی ﷺ میں نامکمل حوالوں کے باوجود کم از کم جلد نمبر اور صفحات کا شمار دے دیا گیا ہے لیکن حجۃ الودع کے سلسلے میں فاضل مؤلف نے یہ تکلف بھی نہیں برتا، محض فہرست کتب پر اکتفا کیا گیا ہے، حالانکہ اس فہرست سے یہ معلوم کرنا بھی مشکل ہے کہ متن خطبہ کے مصادر کون سے ہیں اور تشریحات کے مآخذ کون سے ہیں، بہرحال کتاب کا ظاہری حسن نمایاں ہے اور پڑھنے کے لائق ہے۔

۹۳(ا)۔ مثلاً: علامہ الشیخ محمد زکریا الکاندھلوی کتاب (حجۃ الوداع وجزء عمرات النبی ﷺ) پر محدث کبیر حبیب الرحمٰن الاعظمی کا (جزء خطبات النبی ﷺ۔ ملحق کتاب حجۃ الوداع وعمرات النبی ﷺ)۔ من منشورات المجلس العلمی۔ کراچی (ت۔ط۔ن)۔

۹۴۔ مثلاً دیکھیے: احمد زکی صفوت۔ جمہرۃ خطب العرب فی عصور العربیۃ الزاھرہ۔ مکتبہ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی۔ مصر (طبع اول) ۱۹۲۳ء۔ (ج ۱/ص ۵۷، ۵۸)۔

۹۵۔ ملاحظہ ہو: نثار احمد، نقشِ سیرت۔ ادارہ نقشِ تحریر۔ کراچی ۱۹۶۸ء (ص ۵۳۹ تا ص ۵۵۹)

۹۶۔ یہ مفصل مطالعہ وزارت امور مذہبی حکومت پاکستان کی طرف سے شائع کردہ مجموعۂ مقالات (مرتبہ ڈاکٹر سید مطلوب حسین۔ بین الاقوامی سیرت کانفرنس۔ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ/نومبر ۱۹۸۵ء پیغمبر اسلام کے پیغام کی آفاقیت، اسلام آباد) میں (ص ۳۷ تا ص ۴۳/ ج۱) شائع ہوا۔

۹۷۔ صحیح بخاری سے پہلے جن مجموعہ ہائے احادیث کو تقدم زمانی حاصل ہے ان کو ہم با آسانی تین انواع، اقسام میں شمار کر سکتے ہیں۔ چنانچہ پہلی قسم میں وہ کتابیں شامل ہیں جن میں حجۃ الوداع کے حوالے سے مواد کچھ نہیں پایا جاتا۔ (یعنی: سفر حجۃ الوداع کا ذکر نہ خطبہ کا متن وغیرہ) مثلاً:۔(i) صحیفہ ہمام ابن منبہ (م/۱۰۲ھ) الصحیفۃ الصحیحۃ۔ (بہ تحقیق ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ مطبوعہ مکتبہ نشاۃ ثانیہ۔ دکن ۱۹۵۶ء۔ طبع چہارم) میں کوئی روایت حجۃ الوداع یا خطبہ سے متعلق موجود نہیں۔ (ii) کتاب الآثار، قاضی ابو یوسف (م/۱۸۲ھ) المطبعۃ الاستقامۃ، مصر ۱۳۵۵ھ۔ (iii) کتاب الآثار۔ امام محمد بن حسن الشیبانی (م/ ۱۸۹ھ) مطبوعہ انوار محمدی لکھنؤ (کتاب المناسک/ص ۵۸ تا ۶۵) (iv) کتاب السنن، ابن منصور بن شعبۃ الخراسانی (م/ ۲۲۷ھ) بہ تحقیق الاستاذ حبیب الرحمٰن الاعظمی (مطبع علمی پریس مالیگاؤں۔ منشورات المجلس العلمی۔ ڈھابیل۔ ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء) وغیرہ وغیرہ۔ دوسری قسم میں وہ کتابیں داخل ہیں جن میں حجۃ الوداع کے حوالہ سے بعض واقعات، اشارات، مسائل و استفسارات مذکور ہیں۔ لیکن خطبہ نہیں پایا جاتا۔ مثلاً: (i) موطا امام مالک و شرح تنویر الحوالک۔ للسیوطی۔ (مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی۔ م ۱۹۵۰ء)۔ (ii) المسند الامام الاعظم (مطبوعہ دائرۃ المعارف۔ دکن ۱۹۵۶ء/ ج۱/ص ۵۰۲ تا ۵۱۸) یا (iii) مسند الحمیدی۔ (بہ تحقیق حبیب الرحمٰن الاعظمی۔ منشورات المجلس العلمی کراچی ۱۹۶۳ء) میں تعلیم مناسک کے بارے میں بعض روایات (ج۲/ حدیث نمبر ۸۵۲) یا مثلاً آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ الحج عرفۃ (ج۲/ص ۳۹۹) وغیرہ۔ تیسری قسم میں ایسی کتابوں کا شمار ہو سکتا ہے جن میں حجۃ الوداع کا واقعہ اور خطبۂ نبوی ﷺ کا متن/ اقتباسات موجود ہیں۔ مثلاً مسند الطیالسی، مسند احمد، مسند دارمی، اور مسند الربیع بن حبیب وغیرہ (جن کی کچھ تفصیل اگلے

صفحات میں آ رہی ہے)۔

۹۸۔ مراتب کے لحاظ سے صحاح ستہ کی ترتیب یہ ہے: (i) بخاری (ii) مسلم (iii) ابوداؤد (iv) نسائی (v) ترمذی (vi) ابن ماجہ۔

۹۹۔ ملاحظہ ہو: صحیح بخاری۔ ج ۲ ص ۱۶۶ تا ص ۱۷۲۔

۱۰۰۔ کم وبیش انہی الفاظ کے ساتھ کتاب العلم میں دوجگہ (باب رب مبلغ اوعی من سامع (ج ۱/ص ۲۶) اور باب لیبلغ العلم الشاہد الغائب (ایضاً/ص ۳۷، ۳۸) یہی قول) منقول ہے۔ پھر قصہ دوس والطفیل کے سلسلے میں باب حجۃ الوداع میں جہاں حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کے حوالوں سے جو مختلف احوال و مسائل مع ذکر دجال موجود ہے۔ مزید براں محولہ بالا فرمانِ نبوی ﷺ بھی معمولی الفاظ کے فرق کے ساتھ دوجگہ مندرج ہے۔ (ج ۵/ص ۲۲۳، ص ۲۲۴) پھر یہی فرمانِ نبوی ﷺ آگے کتاب الحدود میں (باب ظہر المومن حمی، ج ۷/ص ۱۹۸) میں بھی مروی ہے اور تقریباً یہی الفاظ کتاب الفتن (باب قول النبی ﷺ لاترجعوا بعدی کفارا) کے تحت حضرت ابوبکرۃؓ کی روایت میں دوجگہ (ج ۹/ص ۶۳، ۶۴) موجود ہیں۔

۱۰۱۔ ملاحظہ ہو: کتاب العلم، باب الانصات۔ بروایت حضرت جریرؓ (ج ۱/ص ۴۱) آگے کتاب قصۃ دوس والطفیل باب حجۃ الوداع میں یہی روایت دوجگہ (ج ۵/ص ۲۲۳، ۲۲۴) مذکور ہے۔ پھر یہی قول نبوی ﷺ کتاب الدیات (ج ۹/ص ۳) اور کتاب الفتن (ج ۹، ص ۶۳) میں حضرت جریرؓ اور ابن عمرؓ کے حوالے سے منقول ہے۔ البتہ اسی کتاب الفتن میں ابن عباسؓ کی روایت میں الفاظ (لاترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض۔ ج ۹/ص ۶۳) مروی ہیں ۔(الفاظ کا معمولی فرق بروایت ابی بکرۃؓ، قصۃ دوس والطفیل میں پایا جاتا ہے۔ یعنی الا فلا ترجعوا بعدی ضلالاً یضرب بعضکم رقاب بعض۔ ج ۵/ص ۲۲۴)

۱۰۲۔ دیکھئے باب قول النبی ﷺ رب مبلغ اوعی من سامع (ج ۱/ص ۲۶) قصۃ دوس والطفیل کے باب حجۃ الوادع میں بروایت حضرت جریرؓ الفاظ یہ ہیں: الالیبلغ الشاھد الغائب فلعل بعض ما

من یبلغہٗ ان یکون اوعیٰ لہٗ من بعض سامعہ (ج ۵، ص ۲۲۴) کم وبیش یہی الفاظ کتاب الفتن باب قول النبی ﷺ لاترجعوا بعدی کفارا میں بھی (ج ۹/ص ۶۳) موجود ہیں۔

۱۰۳۔ قصۃ دوس والطفیل باب حجۃ الوداع عن جریرؓ/ابی بکرہؓ (ج ۵، ص ۲۲۴)۔

۱۰۴۔ ایضاً۔

۱۰۵۔ ملاحظہ ہو: الصحیح المسلم ومع شرحہ الکامل للنووی، نور محمد، اصح المطابع ۔ وکارخانہ تجارت کتب۔ دہلی، ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء (طبع اول)۔

۱۰۶۔ ایضاً۔ ج ۲ (باب تغلیظ تحریم الدماء والاعراض والاموال) ص ۶۰، ۶۱ (حضرت ابوبکرہؓ کی اسی روایت کو الخطیب العمری التبریزی، الشیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ نے مشکاۃ المصابیح (تحقیق محمد ناصرالدین الالبانی۔ منشورات المکتب الاسلامی دمشق۔ ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء۔ کتاب المناسک) میں باب خطبۃ یوم النحر ورمی ایام التشریق والتودیع (ج ۲/ص ۴۷، ۵۰) کے تحت نقل کی ہے۔

۱۰۷۔ الالبانی، محمد ناصرالدین۔ حجۃ النبی ﷺ کما رواھا جابرؓ۔ المکتب الاسلامی۔ بیروت ۱۹۸۴ء (طبع ثانی) ازروئے تبویب یہ روایت مسلم میں باب حجۃ النبی ﷺ کے تحت، ابوداود میں باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ کے تحت مذکور ہے جبکہ ذہبی نے ترجمہ جابرؓ کے تحت اور ابن کثیر نے البدایۃ والنھایۃ (الجزء الخامس) میں اسے بیان کیا ہے۔ (ایضاً، ص ۳۶، ۳۷) روایت جابرؓ کا انحصار سات ثقات تابعین (ابوجعفر الباقر (۱)، ابوالزبیر محمد بن مسلم (۲)، عطاء بن ابی رباح (۳)، مجاہد بن جبیر (۴)، محمد بن المنکر (۵)، ابوصالح ذکوان السمان (۶)، ابوسفیان طلحہ (۷) کی روایت پر ہے۔ (ایضاً، ص ۳۷، ۳۸)

۱۰۸۔ وہ سات جملے یہ ہیں: (۱) ان دمائکم واموالکم..... الخ (۲) کل شی من امر الجاھلیۃ..... الخ (۳) ودماء الجاھلیۃ..... الخ (۴) وربا الجاھلیۃ موضوع..... الخ (۵) فاتقوا اللہ فی النسآء ..... الخ (۶) قد ترکت..... کتاب اللہ..... الخ (۷) وانتم تسالون..... الخ (ایضاً/ص ۷۱ تا ۷۳)

۱۰۹۔ وہ جملہ خطبۂ عرفہ میں بھی شامل ہے۔ یعنی فان دماءکم..... الخ (ایضاً، ص ۸۸)

۱۱۰۔ ابواب کی تفصیل یہ ہے۔(۱) باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ (ص ۱۲۲) باب الوقوف بعرفۃ (ص ۱۳۲) باب الخروج الی منی (ص ۱۳۲) الی عرفۃ (ص ۱۳۲) باب الخطبۃ بعرفۃ (ص ۱۳۳) باب اشھر الحرام (ص ۱۴۰) باب مانزول بمنی (ص ۱۴۲) باب یوم یخطب بمنی (ص ۱۴۲) باب من قال خطب یوم النحر (ص ۱۴۳) باب ای وقت یخطب یوم النحر (ص ۱۴۳) باب مایذکر الامام فی خطبۃ بمنی (ص ۱۴۴) ملاحظہ ہو (سنن ابی داؤد مع شرح عون المعبود۔ مطبع انصاری دہلی۔ ت۔ ط۔ ن)۔

۱۱۱۔ ان میں سے نیا فقرہ کوئی نہیں بلکہ تمام بخاری و مسلم کے مکررات ہی معلوم ہوتے ہیں۔ بہرحال اس باب میں کل سات فقرے مذکور ہیں یعنی: (i) ان دماءکم واموالکم..... الخ (ii) الا ان کل شئی من امر الجاھلیۃ..... الخ (iii) ودماء الجاھلیۃ موضوعۃ واول دم اضعہ دماءنا دم... قال عثمان دم ابن ربیعۃ وقال سلیمان دم ربیعۃ بن الحارث بن عبدالمطلب (ایضاً۔ ج ۲، ص ۱۲۷) (iv) و ربوا الجاھلیۃ موضوع..... الخ (v) فاتقوا اللہ فی النسآء..... الخ (ایضاً) (vi) وانی قد ترکت فیکم مالن تضلوا بعدہ ان اعتصمتم بہ کتاب اللہ..... الخ (ایضاً، ج ۲، ص ۱۲۸) (vii) وانتم مسئولون عنی فما انتم قائلون..... الخ (ایضاً) ان میں سے تیسرے فقرے/ جملے (واول دم اضعہ دماءنا دم..... الخ) کی شرح میں صاحب عون المعبود نے لکھا ہے کہ: اسمہ ایاس ھو ابن عم النبی ﷺ قال النووی قال المحققون والجمھور اسم ھذا الابن ایاس بن ربیعۃ بن الحارث بن عبد المطلب وقال القاضی ورواہ بعض رواۃ مسلم دم ربیعۃ عاش بعد النبی ﷺ الی زمن عمر بن الخطاب وتاولہ ابوعبید فقال دم ربیعۃ لانہ ولی الدم نفسہ الیہ۔ (دیکھئے۔ ج ۲/ص ۱۲۷)

۱۱۲۔ کتاب المناسک میں جو روایت گذر چکی ہے اس میں بقول عثمان دم ابن ربیعۃ اور بقول سلیمان دم ربیعۃ بن الحارث ہے لیکن یہاں کتاب البیوع میں (دم ابن حارث کے بجائے) خود دم حارث بن عبدالمطلب مذکور ہے۔ (حالانکہ مسلم میں بھی دم ابن ربیعۃ (ج ۳/ص ۲۴۸) منقول ہے) خطابی کا کہنا ہے کہ ابوداؤد کی اور تمام رایات میں دم ربیعۃ بن الحارث بن عبدالمطلب آیا ہے اور ربیعۃ بن الحارث تو قتل ہی نہیں ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت عمرؓ کے

زمانے تک زندہ رہے۔ صحیح یہ ہے کہ جاہلیت میں ان کا چھوٹا بیٹا قتل ہوا تھا جس کو رسول اللہ ﷺ نے ہدر فرمایا (حاشیہ عون المعبود۔ ج ۳/ص ۲۴۹)

۱۱۳۔ ملاحظہ ہو: سنن نسائی۔ داراحیاء التراث الاسلامی۔ بیروت (ت۔ط۔ن) کتاب مناسک الحج (ج ۵/ص ۲۷۴ تا ۲۷۴)

۱۱۴۔ ایضاً۔ ج ۵/ص ۲۷۰۔

۱۱۵۔ ایضاً۔

۱۱۶۔ دیکھئے: جامع الترمذی مع تقریر شیخ الہند، امین کمپنی، اردو بازار دہلی/کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، (ج ۲/ص ۳۸)

۱۱۷۔ ایضاً۔

۱۱۸۔ ایضاً۔

۱۱۹۔ ایضاً۔

۱۲۰۔ عن ابی امامۃ بن ۔ الباہلی قال سمعت رسول اللہ ﷺ یخطب فی حجۃ الوداع فقال (ریاض الصالحین فی کلام سید المرسلین، لنووی م ۶۷۶ھ، دارالارشاد، بیروت، ۱۹۶۸ء ص ۳۱، بحوالہ ترمذی آخر کتاب الصلاۃ)

۱۲۱۔ ایضاً۔ ج ۲/ص ۲۱۹۔

۱۲۲۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کے ایک فاضل تبصرہ نگار ڈاکٹر رضا نقوی نے مولانا محمد میاں صدیقی کی کتاب "خطبات رسول" (شائع کردہ اسلامک بک فاؤنڈیشن۔ لاہور ۱۹۸۷) پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "اسی طرح خطبۂ حجۃ الوداع (خطبہ ۲۶) میں بعض عبارات مستند اور مشہور روایات کے مطابق نہیں ہیں۔ مثلاً وانی قد ترکت فیکم سے کتاب اللہ تک کی عبارت دی گئی ہے۔ بجائے "انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اہل بیتی یا سنتی" جو جامع ترمذی، نسائی، مسند امام احمد بن حنبل، ابن ہشام وغیرہ کے یہاں متعدد ثقہ راویوں کے حوالے سے دی گئی ہے۔ (ملاحظہ ہو: نقوی ڈاکٹر سید علی رضا۔ تعارف کتب۔ سہ ماہی فکر ونظر۔ مجلّہ ادارہ تحقیقات

اسلامی۔ اسلام آباد۔ ج ۲۷ شمارہ ۲۵ (اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۸۹/ص ۱۲۵) کاش کہ فاضل تبصرہ نگار مکمل حوالے رقم فرما دیتے تو رہنمائی ہو جاتی۔ راقم الحروف کو تلاش کے باوجود ڈاکٹر صاحب موصوف کے فرمودہ حوالے روایت باللفظ کے ساتھ دستیاب نہیں ہو سکے۔ بہر حال ہماری ناقص معلومات کے مطابق ترمذی میں بھی الفاظ وہ نہیں جو ڈاکٹر نقوی صاحب نے نقل فرمائے ہیں۔ تاہم ترمذی کے باب المناقب میں یہی مضمون روایت بالمعنیٰ کے طور پر موجود ہے۔ جبکہ ابن ہشام کے ہاں سرے سے یہ روایت ہی نہیں ہے (ابن ھشام میں صرف کتاب وسنت مذکور ہے۔ دیکھئے۔ ابن ھشام، ج ۴/ص ۲۵۱) یہ روایت نسائی میں بھی منقول نہیں۔ مسند احمد میں (جہاں مسند جابر بن عبداللہ سو صفحات سے زائد پر مشتمل ہے) یہ روایت مذکور نہیں (ملاحظہ ہو: مسند الامام احمد بن حنبل۔ المکتب الاسلامی۔ بیروت ۱۹۸۵ء/ص ۲۹۲ تا ص ۴۰۰)، مسند احمد کی دوسری (متفرق) جلدوں میں خطبۂ حجۃ الوداع کے جو چند جملے (ج ۳/ ج ۷/ ج ۹/ ج ۴، وغیرہ میں) مروی ہیں ان میں بھی ''اھل بیتی وعترتی'' کے الفاظ نہیں پائے جاتے۔ حتیٰ کہ (ج ۳/ص ۱۶۷ تا ۱۸۶ میں جو) مسند اہل البیت شامل ہے، روایت محولہ بالا مذکور نہیں۔ ابن حبان کے ہاں بھی روایت جابر اس مضمون سے خالی ہے (دیکھئے: کتاب الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان۔ دار الکتب العلمیہ۔ بیروت ۱۹۸۷ء، ج ۵/ص ۹۹ تا ۱۰۳) مفتاح کنوز السنۃ (مرتبہ الدکتور ای فنسنک (عربی ترجمہ) محمد فواد عبدالباقی۔ (مطبوعہ) مطبعۃ مصر شرکۃ مساھمۃ مصریۃ۔ ۱۹۳۴ء) کے مطابق بھی زیر بحث روایت ترمذی کے علاوہ دوسرے مجموعہ ہائے احادیث میں نہیں ہے۔ ہاں البتہ تاریخ یعقوبی کے ہاں یہی مضمون ان الفاظ میں موجود ہے: انی قد خلفت فیکم ماان تمسکتم بہ لن تضلوا کتاب اللہ وعترتی، اھل بیتی۔ (ملاحظہ ہو: الیعقوبی، احمد بن یعقوب۔ تاریخ الیعقوبی۔ دار صادر۔ بیروت ۱۹۶۰ء/ ج ۱/ص ۱۱۱، ۱۱۲) جبکہ العقد الفرید میں روایت یوں وارد ہے: فانی قد ترکت فیکم ماان اخذتم بہ لم تضلوا کتاب اللہ واھل بیتی۔ (دیکھئے۔ ابن عبد ربہ، العقد الفرید، المطبعۃ العامرہ مصر، ۱۲۹۳ھ۔ ج ۲/ص ۱۵۸)۔

۱۲۳۔ ملاحظہ ہو: سنن ابن ماجہ۔ مطبوعہ المطبعۃ التازیۃ۔ مصر۔ (طبع اول) ج ۲/ص ۲۴۷۔

۱۲۴۔ مثلاً: فان دماءکم واموالکم ..... الخ، الا لایجنی جان الاعلی نفسہ ..... الخ، الا ان الشیطان قد ایس ان یعبد ..... الخ، الا! وکل دم من دماء الجاهلیة ..... دم الحرث بن عبدالمطلب کان..... الخ، الا! وان کل ربا..... تظلمون (ایضاً۔ص ۲۴۷، ۲۴۸)

۱۲۵۔ ایضاً۔ص ۲۴۸۔

۱۲۶۔ ایضاً۔

۱۲۷۔ ایضاً۔

۱۲۸۔ دیکھئے: العلامۃ الشیخ عبداللہ بن حمید السالمی۔ مسند الامام الربیع بن حبیب۔ مرتبہ: ابو یعقوب یوسف بن ابراہیم السودانی۔ مطبعۃ الازھار البارونیۃ۔ ۱۳۲۶ھ/ص ۲۳۰۔

۱۲۹۔ ایضاً۔

۱۳۰۔ ملاحظہ ہو: مسند الطیالسی۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیۃ۔ دکن۔ ۱۳۲۱ھ۔ اس کے سرورق پر ذھبی کا یہ قول ثبت ہے کہ ھو اول من صنف المسانید۔

۱۳۱۔ ایضاً۔ ج ۵/ص ۱۵۴۔

۱۳۲۔ ایضاً۔ ج ۵/ص ۱۶۸۔

۱۳۳۔ المسند الامام احمد بن حنبل۔ شرح و تحقیق احمد محمد شاکر۔ دارالمعارف مصر۔ (طبع ثانی)

۱۳۴۔ ایضاً۔ ج ۳/ص ۳۲۷/ حدیث نمبر ۲۰۳۶ (عن ابن عباس)

۱۳۵۔ ایضاً نیز دیکھئے۔ ج ۴/ حدیث نمبر ۵۵۷۸ (عن ابن عمر)

۱۳۶۔ ایضاً۔ ج ۷/ص ۳۱۶، ۳۱۷۔

۱۳۷۔ مسند جابر بن عبداللہؓ۔ ج ۵، ص ۳۱۳ (مسند الامام احمد بن حنبل و بهامشہ منتخب کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال للمتقی الهندی وضعہ محمد ناصر الدین الالبانی۔ المکتب الاسلامی۔ بیروت ۱۹۸۵ء (طبع پنجم)

۱۳۸۔ ایضاً۔ ص ۳۷۸۔

۱۳۹۔ ایضاً۔ ج ۵/ص ۳۱۳۔

۱۴۰ صحیح بخاری کتب الفتن کے باب ذکر الدجال (ج ۹/ص ۷۴، ۷۵ میں) ابن عمرؓ سے جو روایت مذکور ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: ثم ذکر الدجال فقال انّی لا نذرکموہ وما من نبی الاّ وقد انذرہٗ..... الخ (ج ۹، ص ۷۵) نیز ابن عمرؓ کی ہی روایت قصۃ دوس والطفیل میں بھی ہے۔ دیکھئے باب حجۃ الوداع ذکر المسیح الدجال (ج ۵/ص ۲۲۳) قال مابعث اللہ من نبی الا انذر امتہ (ایضاً)

۱۴۱۔ ملاحظہ ہو: سنن الدارمی، مطبع النظامی، کانپور ۱۲۹۳ھ۔ (کتاب المناسک) باب فی حج النبی ﷺ (ص ۲۲۵) باب فی سنۃ الحاج (ص ۲۳۳) حدیث جابرؓ (ص ۲۳۴)

۱۴۲۔ ایضاً۔ص ۲۳۵۔

۱۴۳۔ ایضاً۔

۱۴۴۔ ایضاً۔ص ۲۳۶۔

۱۴۵۔ ایضاً۔ص ۲۴۵۔

۱۴۶۔ مسند ابوعوانہ، لا مام الحافظ الثقۃ الکبیر ابی عوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفراینی، م ۳۱۰ھ۔ مطبوعہ مطبع دائرۃ المعارف العثمانیہ۔ دکن ۱۳۶۲ھ)۔

۱۴۷۔ المعجم الصغیر للطبرانی۔ م/ ۳۶۰ھ۔ مطبوعہ مطبع انصاری۔ دہلی ۱۳۱۱ھ۔

۱۴۸۔ دیکھئے: صحیح ابن خزیمۃ، الامام الائمہ ابی بکر محمد بن اسحٰق بن خزیمۃ السلمی نیشاپوری، م/ ۳۱۱ھ، بہ تحقیق وتعلیق وشرح، الدکتور محمد مصطفی الاعظمی۔ المکتب الاسلامی۔ ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۱۴۹۔ ملاحظہ ہو: الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، م/ ۳۵۴ھ، ترتیب ابن بلبان الفارسی، م، ۷۳۹ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔ (۱۹۸۷ء/ ۱۴۰۷ھ)

۱۵۰۔ ایضاً۔ص ۹۴۔

۱۵۱۔ ایضاً۔ص ۹۹ تا ۱۰۳۔

۱۵۲۔ ملاحظہ: سنن الدارقطنی۔ الامام الحافظ علی بن عمر الدارقطنی (م/ ۳۵۸ھ) مطبع فاروقی دہلی۔ ۱۳۱۰ھ۔ (کتاب الحج۔ ج ۲/ص ۲۵۴ تا ۲۸۶)

۱۵۳۔ ایضاً۔ص ۲۸۶

۱۵۴۔ الحافظ الکبیر امام المحدثین ولی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المعروف بالحاکم نیشا پوری۔ م ۴۰۵ھ (المستدرک) دائرۃ المعارف النظامیہ۔ دکن ۱۳۳۴ھ (طبع اول) کتاب المناسک (ص ۴۴۱)

۱۵۵۔ ایضاً۔ص ۴۷۳۔

۱۵۶۔ ایضاً۔ص ۴۷۴۔

۱۵۷۔ البیہقی ،السنن الکبریٰ ،دائرۃ المعارف العثمانیہ۔دکن ۱۳۵۲ھ (ج ۵/ص ۱۱۴)

۱۵۸۔ ایضاً۔ص ۱۳۹۔

۱۵۹۔ ایضاً۔ص ۱۴۰۔

۱۶۰۔ ایضاً۔ص ۱۵۲،۱۵۱۔

۱۶۱۔ الھیثمی ، الحافظ نور الدین علی بن ابی بکر۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ۔ مکتب القدسی ۔ قاہرہ ۱۳۵۲ھ (باب الخطب فی الحج) ج ۳/ص ۲۶۵ تا ۲۷۴

۱۶۲۔ ایضاً۔ابی حرۃ الرقاشی ۔

۱۶۳۔ ایضاً۔ص ۲۶۵ تا ۲۶۶۔

۱۶۴۔ ایضاً۔عن ابی نضرہ/ص ۲۶۶۔

۱۶۵۔ ایضاً۔عن ابن عمر/ص ۲۶۷۔

۱۶۶۔ ایضاً۔ص ۲۶۸۔

۱۶۷۔ ایضاً۔عن ابی ملک الاشعری/ص ۲۶۸۔

۱۶۸۔ ایضاً۔

۱۶۹۔ ایضاً۔عن الحارث بن عمرو/ص ۲۶۹۔

۱۷۰۔ ایضاً۔عن ابی امامۃ/ص ۲۷۱۔

۱۷۱۔ ایضاً۔

۱۷۲۔ ایضاً۔عن ابی قبیلہ/ص۴ ۲۷۔

۱۷۳۔ واقدی کو حدیث کے معاملے میں اگر چہ زیادہ قابلِ اعتبار نہیں سمجھا جاتا لیکن تاریخ وسیر کے باب میں اس پر تقریباً سب کا اتفاق ہے کہ وہ معتبر و مستند حیثیت رکھتے ہیں۔

۱۷۴۔ ملاحظہ ہو، الواقدی

۱۷۵۔ ابن ہشام، ج۴، ص ۲۵۰ تا ۲۵۳

۱۷۶۔ دیکھیے: المقریزی، تقی الدین احمد بن علی۔ امتاع الاسماع بما للرسول من الابناء والاموال والحفدۃ والمتاع، (صححہ وشرحہ، محمود محمد شاکر) مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمہ النشر و قاہرہ ۱۹۴۱ء، (ج ۱/ص ۵۲۲ تا ص ۵۳۲)

۱۷۷۔ ابن سعد (الطبقات) ج ۲/ص ۱۸۳ (عن عمرو بن خارجۃ)

۱۷۸۔ ایضاً۔ص ۱۸۳۔

۱۷۹۔ ایضاً۔ص ۱۸۵ (عن ام الحصین)

۱۸۰۔ ایضاً۔(عن عبدالرحمٰن بن زید الخطاب عن ابیہ)

۱۸۱۔ ایضاً۔(عن داود بن ابی ھند عن الشعبی) ص ۱۸۸۔

۱۸۲۔ ملاحظہ ہو: الجاحظ، ابی عثمان عمرو بن بحر۔ البیان والتبیین۔ (تحقیق وشرح۔ عبدالسلام محمد ھارون۔ مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر، قاھرہ۔ ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء (ج۲/ص ۳۱ تا ۳۳)

۱۸۳۔ دیکھیے: تاریخ الیعقوبی۔ دار صادر بیروت۔ ج۲/ص ۱۰۹۔

۱۸۴۔ ایضاً۔ص ۱۰۹۔

۱۸۵۔ ایضاً۔ص ۱۱۰۔

۱۸۶۔ ایضاً۔

۱۸۷۔ ایضاً۔ص ۱۱۱۔

۱۸۸۔ ایضاً۔

۱۸۹۔ ایضاً۔

۱۹۰۔ ایضاً۔ ص ۱۱۱، ۱۱۲۔

۱۹۱۔ ایضاً۔ ص ۱۱۱۔

۱۹۲۔ طبری۔ ج ۲/ص ۴۰۳۔

۱۹۳۔ ایضاً۔

۱۹۴۔ ملاحظہ ہو: الحمیدی، ابی عبداللہ محمد بن فتوح بن عبداللہ۔ جذوۃ المقتبس فی ذکر ولاۃ الاندلس۔ مطبعۃ السعادۃ۔ مصر ۱۹۵۲ء۔ (ص ۹۴)

۱۹۵۔ ابن خلکان، القاضی احمد، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان۔ مطبعۃ المیمنیۃ۔ مصر ۱۳۱۰ھ۔ ج ۱/ص ۳۲۔

۱۹۶۔ ابن عبد ربہ نے خطبۂ حجۃ الوداع کے محض چند وہی جملے نقل کیے ہیں جو عام طور پر ابتدائی مآخذ میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً (۱) ان الحمد للہ نحمدہ ونستغفرہ ونتوب الیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا.... الخ (ملاحظہ ہو: العقد الفرید، المطبعۃ العاصرہ، مصر، ۱۲۹۳ھ/۱۰/ص ۱۵۷) (۲) ایھا الناس، اسمعوا منی ابین لکم..... الخ (ایضاً) (۳) ایھا الناس! ان دماءکم واموالکم..... الخ (ایضاً) (۴) فمن کانت عندہٗ امانۃ..... الخ (ایضاً) (۵) ربا الجاھلیۃ موضوع..... الخ (ایضاً ص ۱۵۸) (۶) وان اول دم ابدابہ عامر بن ربیعۃ بن الحارث..... الخ (ایضاً) (۷) ان مآثر الجاھلیۃ موضوع..... ایھا الناس ان الشیطان قد ئیس.... انما النسآ..... ان للنساء علیکم حقا.... انما المومنون اخوۃ..... فلا ترجعون بعدی کفارا.... ان ربکم واحد وان اباکم واحد..... الخ (ایضاً)

۱۹۷۔ دیکھیے: المسعودی (مروج الذھب، ومعاون الجوھر۔ دار الاندلس۔ بیروت ۱۹۶۵ء) ج ۲/ص ۲۹۰۔

۱۹۸۔ ایضاً۔ ص ۲۹۳۔

۱۹۹۔ ایضاً۔ ص ۲۹۵۔

۲۰۰۔ ملاحظہ ہو: الباقلانی، ابی بکر محمد بن الطیب، اعجاز القرآن، المطبعۃ السلفیۃ، قاہرہ ۱۳۴۹ھ/ ص ۱۱۱۔

۲۰۱۔ ایضاً۔ص ۱۱۲۔

۲۰۲۔ دیکھیے: ابن الاثیر، ابی الحسن علی بن ابی الکرم، الکامل فی التاریخ، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء، ج ۲/ص ۱۷۰، ۱۷۱۔

۲۰۳۔ ملاحظہ ہو: ابن قیم الجوزیہ، شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن ابی بکر۔ زاد المعاد فی ھدی خیر العباد۔ داراحیاء التراث العربی (ت۔ط۔ن) ج ۱/ص ۲۸۶۔

۲۰۴۔ ایضاً۔ص ۲۷۵۔

۲۰۵۔ دیکھیے: ابن کثیر۔ السیرۃ النبویۃ۔ داراحیاء التراث العربی۔ بیروت (ت۔ط۔ن) ج ۴/ ص ۳۹۲ (عن سلمۃ بن قیس الاشجعی۔

۲۰۶۔ ایضاً۔ص ۳۹۳ (عن اسامہ بن شریک)

۲۰۷۔ ملاحظہ ہو: الحلبی الشافعی علی بن برھان الدین، انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون (المعروفۃ بالسیرۃ الحلبیۃ) المکتبۃ التجاریۃ الکبری، قاھرہ، مصر۔ ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء، ج ۳/ص ۲۸۸ تا ۳۰۸۔

۲۰۸۔ دیکھیے: الزرقانی۔ علامۃ محمد بن عبدالباقی۔ شرح علی المواھب اللدنیہ، للعلامۃ القسطلانی، (بھامشہ کتاب زاد المعاد) المطبعۃ الازھریۃ المصریۃ، ۱۳۲۶ھ/ص ۱۰۴ تا ۱۰۶

۲۰۹۔ ایضاً (الزرقانی، شرح علی المواھب المطبعۃ الازھریۃ ۱۳۲۸ھ) ص ۱۴۱ تا ۲۱۷۔

۲۱۰۔ ایضاً۔ص ۱۷۵ تا ۱۷۸۔

ضمیمہ نمبرا :۔

فہرست مآخذ

کتب احادیث و سنن، رجال، سیر و تاریخ و دیگر

صحاح ستہ

۱۔ امام بخاری/الصحیح، م۲۵۶ھ

۲۔ امام مسلم/الصحیح، م۲۶۱ھ

۳۔ امام ابوداؤد/السنن، م۲۷۵ھ

۴۔ امام نسائی/السنن، م۳۰۳ھ

۵۔ امام ترمذی/الجامع، م۲۷۹ھ

۶۔ امام ابن ماجہ/السنن، م۲۷۳ھ

کتب السنن:

۷۔ دارمی/السنن، م۲۵۵ھ

۸۔ بیہقی/السنن الکبریٰ، م۴۵۸ھ

کتب الائمۃ الاربعۃ:

۹۔ امام ابوحنیفہ النعمان/المسند، م۱۵۰ھ

۱۰۔ امام مالک بن انس/المؤطا، م۱۷۹ھ

۱۱۔ امام احمد بن حنبل/المسند، م۲۴۱ھ

کتب الصحۃ

۱۲۔ ابن خزیمۃ/صحیح، م۳۱۱ھ

۱۳۔ ابن حبان (م ۳۵۴ھ)/صحیح

۱۴۔ الدارقطنی (۳۸۵ھ)/سنن

۱۵ الحاکم/المستدرک، ۴۰۵ھ

کتاب السنة:

۱۶۔ الطبرانی/الطبرانی، م ۳۶۰ھ

المسانید:

۱۷۔ ابوداؤد الطیالسی/المسند، م ۲۰۴ھ

۱۸۔ الحمیدی/المسند، م ۲۱۹ھ

۱۹۔ امام الربیع بن حبیب/المسند

کتب الزوائد

۲۰۔ الہیثمی/مجمع الزوائد، م ۸۰۷ھ

کتب مجردہ

۲۱۔ علی المتقی الہندی/کنزل العمال، م ۹۷۵ھ

کتب شمائل و سیر مغازی

تاریخ و دیگر

۲۲۔ الواقدی/المغازی، م ۲۰۷ھ

۲۳۔ ابن ہشام/السیرۃ، م ۲۱۸ھ

۲۴۔ ابن سعد/الطبقات الکبری، م ۲۳۰ھ

۲۵۔ الجاحظ/البیان والتبیین، م ۲۵۵ھ

۲۶۔ الیعقوبی/تاریخ، م ۲۸۴ھ

۲۷۔ طبری/تاریخ الطبری، م ۳۱۰ھ

۲۸۔ ابن عبدربہ/العقد الفرید، م ۳۲۸ھ

۲۹۔ المسعودی/مروج الذہب،م ۳۴۶ھ

۳۰۔ الباقلانی/اعجاز القرآن،م ۴۰۳ھ

۳۱۔ ابن حزم/ حجۃ الوداع،م ۴۵۶ھ

۳۲۔ السہیلی/الروض الانف،م ۵۸۱ھ

۳۳۔ ابن الاثیر/الکامل،م ۶۳۰ھ

۳۴۔ النووی/ریاض الصالحین،م ۶۷۶ھ

۳۵۔ محب الطبری/ حجۃ الوداع،م ۶۹۴ھ

۳۶۔ ابن سیدالناس/عیون الاثر،م ۷۳۴ھ

۳۷۔ خطیب تبریزی/مشکوٰۃ المصابیح،بعد ۷۳۷ھ

۳۸۔ ابن قیم/زادالمعاد،م ۷۵۱ھ

۳۹۔ ابن کثیر/السیرۃ النبویۃ،م ۷۷۴ھ

۴۰۔ ابن کثیر/البدایۃ والنہایۃ،م ۷۷۴ھ

۴۱۔ ابن کثیر/الفصول فی سیرۃ الرسول،م ۷۷۴ھ

۴۲۔ المقریزی/امتاع الاسماع،م ۸۴۵ھ

۴۳۔ ابن حجرالعسقلانی/بلوغ المرام،م ۸۵۲ھ

۴۴۔ قسطلانی/المواہب،۹۲۳ھ

۴۵۔ محمد بن یوسف الصالحی دمشقی/سیرت شامیہ،م ۹۴۲ھ

۴۶۔ الحلبی/السیرۃ،۱۰۴۴ھ

۴۷۔ زرقانی/شرح مواہب،۱۱۲۵ھ

۴۸۔ حسینی،میر جمال الدین/روضۃ الاحباب

ضمیمہ نمبر۲ :۔

فہرست رواۃ

کتب حدیث رجال سیر و تاریخ و دیگر

صحیح بخاری

۱۔ ابی بکرہؓ
۲۔ ابن عمرؓ
۳۔ ابوموسیٰ الاشعریؓ
ابن عباسؓ
۵۔ جریرؓ
۶۔ حضرت عائشہؓ

صحیح مسلم

۱۔ جابر بن عبداللہؓ
۲۔ ابی بکرہؓ
۳۔ حضرت عائشہؓ
۴۔ ابوالزبیر محمد بن مسلم المکی
۵۔ ابوصالح ذکوان
۶۔ مجاہد بن جبیر
۷۔ ابوسفیان طلحہ بن نافع
۸۔ عطاء بن ابی رباح

۹۔ محمد بن علی بن الحسین

سنن ابی داؤد

۱۔ ابی بکرہؓ

۲۔ ابو امامہؓ

۳۔ ابن عمرؓ

۴۔ ابی حرۃ الرقاشیؒ

۵۔ جابر عبداللہؓ

۶۔ خالد بن العداء بن ہوذہ

۷۔ رجل من بنی ضمرہ عن ابیہ وعمہ

۸۔ رافع بن عمرو المزنی

۹۔ سرّاء بنت نبہان

۱۰۔ سلیمان بن عمرو عن ابیہ

۱۱۔ عبدالرحمٰن بن معاذ عن رجل من اصحاب النبی

۱۲۔ عن رجلین من بنی بکر

۱۳۔ عبدالرحمٰن بن معاذ التیمی

۱۴۔ ہرماس بن زیاد الباہلی

۱۵۔ واقد بن عبداللہ عن ابیہ

سنن نسائی

۱۔ ام حصینؓ

۲۔ جابر بن عبداللہؓ

۳۔ سلمہ بن نبیط

۴۔ حضرت عائشہؓ

۵۔ قدامۃ بن عبداللہ

جامع ترمذی

۱۔ عمرو بن الاحوص ؓ

۲۔ ابی بکرۃ ؓ

۳۔ ابن عباس ؓ

۴۔ جابر ؓ

۵۔ حزیم بن عمرو السعدی

۶۔ ابی امامۃ الباہلی ؓ

ابن ماجه

۱۔ ابن عمر ؓ

۲۔ جبیر بن مطعم ؓ

۳۔ سلیمان بن عمرو بن الاحوص ؓ

۴۔ عبداللہ بن مسعود ؓ

۵۔ عمرو بن خارجہ

مسند احمد

۱۔ ابی بکرۃ ؓ

۲۔ عبداللہ بن مسعود ؓ

۳۔ ابی حرۃ الرقاشی ؓ

۴۔ محمد بن جبیر بن مطعم عن ابیہ

۵۔ جابر بن عبداللہ ؓ

۶۔ ام الحصین الاحمیسہ

۷۔ عبدالرحمٰن ؓ بن یعمر الدیلمی

۸۔ عبداللہ بن عمرؓ

۹۔ ابی امامۃ الباہلی

۱۰۔ سلمہ بن قیس الاشجعی

۱۱۔ مرہ (تابعی)/ج ۵،ص ۴۱۲

جزء خطبات النبی:

۱۔ ابی امامۃؓ

۲۔ ابی قبیلہ

۳۔ ابی حرۃ الرقاشی

۴۔ ابی نضرۃ

۵۔ ابی مالک الاشعری

۶۔ ابن عمرؓ

۷۔ حارث بن عمرو

۸۔ فضالہ بن عبید الانصاری

۹۔ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ

۱۰۔ العداء بن خالد

۱۱۔ کعب بن عاصم الاشعری

بلوغ المرام

۱۔ جابر بن عبداللہؓ

۲۔ سرّاء بنت نبھان

مشکوٰۃ المصابیح

۱۔ ابی بکرۃؓ

۲۔ عمرو بن الاحوص

ابن ھشام

۱۔ ابن اسحاق

۲۔ عبداللہ بن ابی نجیح

۳۔ عبداللہ بن زبیرؓ

۴۔ عمرو بن خارجہ

ابن سعد

۱۔ ابی بکرۃؓ

۲۔ ابی غادیۃ

۳۔ ابن عمرؓ

۴۔ ام الحصین

۵۔ جابر بن عبداللہؓ

۶۔ عمرو بن خارجہ

۷۔ عبدالرحمٰن بن معاذ الیمتی

۸۔ عبدالرحمٰن بن زید الخطاب

۹۔ شعبی

۱۰۔ مجاہد

یعقوبی

۱۔ زہری

۲۔ سعد بن ابی قاص

۳۔ الواقدی

طبری

۱۔ ابن اسحاق عن عبداللہ بن ابی نجیح

۱۔ عبداللہ بن زبیرؓ عن ابیہما

ریاض الصالحین

۱۔ ابن عمرؓ

۲۔ ابی بکرہ نفیع بن الحارث

۳۔ ابی ہریرہؓ

۴۔ ابی امامہ صدی بن عجلان الباہلیؓ

الھیثمی

۱۔ ابی حرۃ الرقاشیؒ

۲۔ ابن عمرؓ

۳۔ ابو ہریرہؓ

باب دوم

موقع ومحل، نوعیت، منظر وپس منظر

ہادیٔ عالم ﷺ کا عالمگیر مشن

اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کی ہدایت (۱) کے لیے انبیا و رسل (۲) کی بعثت اور کتب وصحائف کے نزول کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرمایا تھا (۳) اس کا اختتام الکتاب وقرآنِ مبین (۴) (القرآن وکتاب مبین) (۵) پر اور اکمال واتمام ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم (۶) پر ہوا۔

تمام حاملانِ منصب نبوت اور جملہ کار پردازانِ رسالت اگرچہ تاریخ عالم کے مختلف ادوار، مختلف دیار وامصار، اور مختلف اقوام وملل میں متفرق تہذیبی وتمدنی تناظر میں تشریف لائے (۷) تاہم وہ سب کے سب ہدایت ربانی سے سرفراز، اللہ کے فرستادہ، اس کے پیغامبر (ممن ھدینا و اجتبینا (۸) کلاً ھدینا ۹) صدق وصفا کے پیکر، داعی الی الحق، اللہ کے پسندیدہ (الذین اصطفیٰ (۱۰) المصطفین الاخیار ۱۱)) اور منتخب خلائق (الذین اصطفینا من عبادنا (۱۲) کل من الاخیار (۱۳)) تھے۔ اور بحیثیت مجموعی ان کے نبی، رسول، پیغمبر ہونے میں کوئی کلام نہیں کیا جا سکتا۔ (لا نفرق بین احد منھم (۱۴) لانفرق بین احد من رسلہ (۱۵)) البتہ یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ اپنے وجود ہستی، اپنی صفات، خصوصیاتِ ذاتی، اور اپنے اظہارِ کمالات منصبی کے اعتبار سے ہر نبی کی حیثیت الگ الگ، ہر رسول کا تشخص جدا جدا، ہر ایک کی فضیلت کا حوالہ مختلف ہے (۱۶) اور ہر پیغمبر

بجائے خود منفرد و متفرد ہے (۱۷)۔

اس لحاظ سے ذات و صفات و کمالاتِ مصطفوی میں بھی کوئی امر محتاج ولیل نہیں ہوسکتا۔ ہادیٔ اعظم، پیغمبر عالم ﷺ خلق و خُلق کی تمام خوبیوں، نبوت و رسالت کے جملہ محاسن، تلقین و ہدایت کے تمام لوازم اور دعوت و ارشاد کے تمام مفاخر کے ساتھ مبعوث ہوئے اور اپنی تشریف آوری میں سب سے متاخر ہونے کے باوجود امام الانبیا، سید الرسل قرار پائے۔ اور ختم الرسل بن کر گویا چمنِ ہدایت کے ہر گل سر سبد کا عطر کھینچ لائے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنے اندازِ خاص سے لکھا ہے اور خوب لکھا ہے کہ:

> یوں آنے کو تو سب ہی آئے، سب میں آئے، سب جگہ آئے (سلام ہو اُن پر) کہ بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے لیکن کیا کیجئے کہ ان میں جو بھی آیا جانے ہی کے لیے آیا، پر ایک اور صرف ایک جو آیا اور آنے ہی کے لیے آیا۔ وہی جو آگنے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا، چمکا اور پھر چمکتا ہی چلا جا رہا ہے، بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ (۱۸)

حضور اکرم ﷺ کی تمام صفات و خصوصیات کا بیان، آپ ﷺ کے جملہ امتیازات و کمالات کا احاطہ، اور دلالات و معجزات کا استقصا اگرچہ ممکن نہیں ہے (۱۹) تاہم گفتگو کے لیے اور بطور مطالعہ و استفاضہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اوصاف و امتیازاتِ رسالت پناہ علیہ التحیۃ والصلوٰۃ میں سے ایک وصف خاص اور نمایاں ترین امتیاز و اعزاز یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کسی خاص قوم، ملک، گروہ، آبادی یا خطے کے لیے نہیں ہوئی۔ نہ آپ ﷺ کا فرضِ منصبی عرب کی اصلاح یا عجم کی فلاح تک محدود تھا، نہ آپ کی نبوت و رسالت کو کسی خاص وقت یا زمانے سے مخصوص کیا گیا۔ بلکہ آپ ﷺ کو خاتم الانبیا والرّسل بنا کر اور پیغمبر انسانیت کی حیثیت سے بھیجا گیا۔ آپ ﷺ کی بعثت ایک عالمگیر دعوت و پیغام کے ساتھ سارے عالم کے لئے، جملہ انفس و آفاق کے لیے بلکہ تمام جن وانس کے لیے ہوئی۔

تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْراً o (۲۰)

حضور سید الکونین ﷺ ، رسول الثقلین کی یہ ہمہ گیر و عالمگیر پیغمبرانہ صفت ، اور وصف آفاقیت اُن مسلّمہ حقائق میں داخل ہے جن پر اجماعِ امت ہے (۲۱)۔ اور جن کی بہت کافی صراحت قرآن و حدیث میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً سورۂ نساء میں فرمایا گیا:

وَاَرْسَلْنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا (۲۹)

سورۃ السبا میں ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلاَّ کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْراً۔ (۲۳)

اور سورۃ الاعراف میں جہاں اہل کتاب سے نبی امی ﷺ پر ایمان لانے کا مطالبہ ہے، خاص سیاق وسباق کے ساتھ یہ کہہ کر ساکنانِ آفاق پر حجت تمام کی گئی:

قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ (۲۴)

اسی طرح متعدد احادیث میں (۲۵)، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اس خصوصیت کو صاف صاف بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً صحیحین میں حضور ﷺ نے اپنی نبوت و رسالت کے جن خصائص کو خود شمار فرمایا ہے اس میں متذکرۃ الصدور وصف بھی شامل ہے۔ چنانچہ بخاری میں اعطیت خمساً لم یعطھن احدا من الانبیاء کے ضمن میں یہ ارشادِ گرامی منقول ہے کہ:

وکان النبی یُبْعَثُ إلی قومه خاصّةً و بُعِثْتُ إلی النّاس کآفة (۲۶) جبکہ صحیح مسلم (کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ کے تحت روایت جابرؓ) کے الفاظ یہ ہیں کان کلّ نبي یُبْعَثُ إلی قومه خاصّةً و بُعِثْتُ إلی کُلّ اَحْمَرَ وَ أسود. (۲۷) اور روایت ابی ہریرہؓ میں فرمایا گیا:

واُرسلتُ الی الخَلق کافّةً و خُتِمَ بی النبیون. (۲۷/الف)

میں تمام مخلوقات کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا اور نبوت مجھ پر ختم کی گئی۔

بہر حال مندرجہ بالا آیات و احادیث اور تفصیلات سے دو باتوں کی وضاحت بخوبی ہو جاتی ہے:

اولاً یہ کہ ہدایت ربانی اور تاریخ نبوت و رسالت کے حوالے سے ایک دور وہ ہے جو دنیا میں آنحضرت ﷺ کے ظہور و بعثت سے پہلے گذرا اور جس میں (حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک آنے والے) تمام انبیاء و رسل داخل ہیں (۲۸)۔ چونکہ تمام حضرات بہ تحدید زمان و مکاں مختلف قوموں میں مبعوث فرمائے جاتے رہے، اس لیے عقلاً و نقلاً بھی اُن نفوس قدسیہ کا دائرۂ اصلاح و ارشاد محدود رہا اور ان کی نبوت و رسالت بھی ملکی، قبائلی، قومی اور بہر نوع مخصوص رہی۔ چنانچہ اس اصولی حقیقت کی مزید تائید ارشاد ربانی: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلاً اِلٰى قَوْمِهِمْ. (۲۹) سے بھی ہوتی ہے اور تاریخی واقعات اور انبیاء و رسل کے حالات سے بھی (۳۰)۔

ثانیاً حضور اکرم ﷺ آخری نبی اور رسول ہیں۔ اور آپ ﷺ کو تمام جہان کے لیے پیغمبرِ عالم، پیغمبر انسانیت بنا کر بھیجا گیا۔ (گویا الہامی ہدایت اور نبوت و رسالت کا مبارک عہد جو حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے ظہور و بعثت سے شروع ہوا ہنوز جاری و ساری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا) یہاں ختم نبوت کے مضمرات و متضمنات سے بحث کا موقع نہیں ہے لیکن جیسا کہ علامہ اقبال نے بیان کیا ہے، (۳۱) اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا مشن عالمگیر حیثیت رکھتا ہے، ختم رسالت دائمی شانِ نبوت کی مظہر ہے اور یہ کہ ''رسالت محمدیہ قدیم اور جدید ازمنہ کے درمیان ایک قوت رابطہ ہے، بہ اعتبارِ سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی کے حضرت رسول اکرم ﷺ قدیم زمانے سے مرتبط ہیں، مگر اپنی دعوت، پیغام اور استقرائی راہنما تعلیم کے ذریعے وہ جدید دنیا سے بھی وابستہ ہیں۔ یوں ختم

نبوت دراصل قدیم وجدید کا نقطۂ ارتکاز ہے۔" (۳۲)

ھادیٔ عالم نبی معظم، محمد الرسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت چونکہ عالمگیر، ابدی، اور آفاقی ہے، اس لیے آپ ﷺ کی یہ حیثیت بجائے خود اس بات کی متقاضی تھی کہ آپ کا لایا ہوا دین و پیغام ابدی آفاقی اور عالمگیر ہو (۳۳)، چنانچہ سید الرسل ﷺ پر جو کتاب نازل ہوئی اور جو آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور تبلیغ وتعلیم کا محور بنی وہ بھی ابدی، آفاقی اور عالمگیر رشد و ہدایت کا منبع ہے۔ اس کتاب (قرآن) کا تخاطب بھی تمام انسانوں سے ہے۔ اور وہ تمام عالم انسانیت کی ہدایت ورہنمائی کے لئے، ہر عہد اور ہر زمانے کے لیے نسخۂ شفا، ضابطۂ حیات، ونوشتۂ نجات بن کر نازل ہوئی (۳۴)۔

اللہ رب العالمین کے فرستادہ نبی، برگزیدہ رسول، ہادیٔ کائنات اور پیغمبر انسانیت ہونے کی حیثیت سے ختم الرسل ﷺ کا فرض منصبی تھا کہ:۔

(i) تبلیغِ دین اور ابلاغِ حق فرمائیں (۳۵) اور اللہ نے جو پیغام عطا فرمایا ہے اسے من وعن بندگانِ خدا تک پہنچا کر حق امانت ادا کریں۔

(ii) تلاوت آیات، تعلیم کتاب وحکمت، تزکیۂ نفوس وقلوب (۳۶)، اور تفسیر وتشریحِ کتاب فرمائیں (۳۷)۔

(iii) جو سعید روحیں پیغام حق کو قبول کریں، انہیں فوز وفلاح کی بشارت سنائیں، اور جو شقی القلب دعوت ربانی کو ٹھکرانے پر تل جائیں انہیں اخروی نتائج اور انجام بد سے ڈرائیں (۳۸)۔

(iv) جہدِ مسلسل اور سعی پیہم سے دینِ حق کو دنیا میں غالب فرمائیں (۳۹)۔

(v) لوگوں کے معاملات کا فیصلہ وحیٔ الٰہی کی روشنی میں فرمائیں اور انہیں عدل اور قسط پر قائم فرمائیں (۴۰)۔

حضورِ سید عالم ﷺ نے اپنے فرائض منصبی کو پورے اخلاص للّٰہیت، محبت و

شفقت، رافت و رحمت، اور جاں گدازی و جاں سپاری کے ساتھ ادا فرمایا (۴۱) اور اہل عالم کے سامنے سیرت کا ایسا نمونۂ کامل پیش فرمایا (۴۲) کہ بالآخر حجت تمام ہوگئی (۴۳)۔ اور پھر تقریباً تیئیس سال کی شدید ترین مشکلات (۴۴) صبر آزما حالات، اور ناقابل تصور مصائب کے علی الرغم، صبر و استقلال ختم المرسلین اور اولوالعزمؑ رحمۃ للعالمین کے نتیجے میں (۴۵) ہر قسم کے (سیاسی، معاشرتی اور معاشی) ظلم و استحصال سے پاک (عدل و احسان پر مبنی) ایک ایسا ماحول، ایسا معاشرہ قائم ہوگیا، جو پوری تاریک انسانیت میں مثالی حیثیت رکھتا ہے (۴۶)۔ اور ایک ایسی ریاست وجود میں آ گئی جو دس سال کے انتہائی مختصر عرصے میں عرب کی وسعتوں پر چھا گئی اور اس میں رہنے والے باشندے دین و دنیا کی برکتوں سے متمتع ہونے لگے (۴۷)۔

اور اس کے ساتھ ہی وہ وقت بھی آ گیا کہ دینِ حق غالب ہوا (۴۸)۔ اسلام کا بول بالا ہوا۔ اسلامی معاش، اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی ریاست کی تشکیل و تعمیر مکمل ہوئی، باطل قوتیں مغلوب ہوئیں اور سید المرسلین، محبوب رب العالمین کا مقدس مشن (۴۹) بھی پورا ہوا جو ان حضرات انقیاء پر علی سبیل الانفراد مقرر رہا تھا اتمام و اکمال سے ہمکنار رہا (۵۰)

بالآخر وہ منزل آ گئی جبکہ ہادی و رہبر سید و سرور خاص پیغمبر ﷺ نے حجۃ الوداع کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تک کا عظیم الشان سفر ذی قعدہ، ذی الحجہ ۱۰ ہجری مطابق فروری، مارچ ۶۳۲ء میں اختیار فرمایا۔ یہی آپ ﷺ کا پہلا اور آخری حج تھا۔ اور اسی یادگار حج کے دوران آپ نے وہ مشہور خطبہ ارشاد فرمایا جو نہ صرف یہ کہ تاریخِ رسالت و نبوت میں بلکہ تاریخِ انسانی میں بھی انقلاب آفریں حیثیت رکھتا ہے۔ اور جو خطبۂ حجۃ الوداع کے نام سے زبانِ زدِ خاص و عام ہے لیکن اسے بجا طور پر ایک حقیقی خطبۂ انقلاب کہا جا سکتا ہے۔

موقع ومحل، منظر وپس منظر

یہاں آگے بڑھنے سے پہلے ایک لمحہ ٹھہر کر ذرا یہ غور فرما لیجئے کہ وہ وقت، وہ زمانہ اور موقع ومحل کیا تھا اور نقشۂ عالم پر تہذیبی، تمدنی، مذہبی اور سیاسی حوالے سے کن علاقوں کو کیا اہمیت حاصل تھی۔

یہ واضح ہے کہ آج سے تقریباً چودہ سو برس پہلے جبکہ پیغمبر انسانیت ﷺ نے اپنا خطبۂ انقلاب ارشاد فرمایا تھا۔ اس وقت کی آباد دنیا بہرحال آج کل کی طرح وسیع نہ تھی۔ امریکہ کے دونوں براعظم ہنوز گوشۂ گمنامی میں تھے۔ آسٹریلیا دریافت نہ ہوا تھا۔ افریقہ کے بڑے حصے پر آفتاب تمدن کی روشنی نہ پہنچ سکی تھی، ایشیا و یورپ کے انتہائی شمالی علاقے اجاڑ اور غیر آباد تھے۔ ہاں البتہ عرب، چین، ہندوستان، ایران، عراق، شام، مصر، مغرب اقصیٰ، حبشہ، یونان، اطالیہ، فرانس، اسپین، جنوبی روس، بحیرۂ بالٹک کا مشرقی اور جنوبی حصہ، جٹ لینڈ، اسکینڈے نیویا، اور برطانیہ وغیرہ میں اگرچہ تہذیب وتمدن کی روشنی موجود تھی مگر کہیں تیز کہیں مدہم۔ یعنی یہ ظاہر ہے کہ ہر جگہ نہ تہذیبی و تمدنی ترقی یکساں ہوئی تھی نہ سیاست، مذہب اور اخلاق ومعاشرت کا حال ایک جیسا تھا۔ مجموعی طور پر اس زمانے کے فرمانرواؤں، سلطنتوں، اور حالات کا خلاصہ ذیل میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے:

☆ چین:

چین میں تانگ خاندان برسرِ اقتدار تھا جس کا بانی اور پہلا فرمانروا اگرچہ جنرل لی یوآن تھا جو ۶۲۷ء تک حکمران رہا لیکن اس وقت جبکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا خطبۂ

انقلاب معمورۂ عالم میں گونجا، وہاں تائی شنگ (TAITSUNG) برسر اقتدار تھا۔ جس نے ۶۲۷ء سے ۶۴۹ء تک حکومت کی۔ اسی کے زمانے میں آنحضرت ﷺ نے دنیا سے پردہ فرمایا۔ اس کا زمانۂ حکومت اگرچہ سیاسی اور تمدنی لحاظ سے کامیاب رہا لیکن بدھ مت کے دینی مذہبی اور اخلاقی انحطاط کو وہ بھی نہ روک سکا۔

☆ کمبوڈیا:

کمبوڈیا وغیرہ میں کھمیر خاندان برسرِ حکومت تھا۔ جس کا دور ۶۰۶ء سے ۱۳۰۰ء تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دوران اگرچہ علاقائی تمدن پھولا پھلا لیکن اصنام پرستی کے سبب مذہبی، اخلاقی حالت بہت پست رہی اور انسانیت ذلیل وخوار۔

☆ ہندوستان:

ہندوستان میں ہندو دور کا آخری عظیم فرمانروا ہرش وردھن تھا جو ۶۰۶ء میں تخت نشین ہوا اور ۶۴۷ء تک حکومت کرتا رہا۔ اس کی حدودِ سلطنت میں دو مذاہب یعنی ہندو مت اور بدھ مت کا زور تھا مگر دونوں رو بہ زوال تھے اور دونوں کی صورت مسخ ہو چکی تھی۔

☆ ایران:

ایران میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ چنانچہ خسرو پرویز (جس نے ہادی عالم ﷺ کے نامۂ مبارک کو ازروئے گستاخی چاک کر ڈالا تھا) کے قتل (۶۲۸ء/ ۷ھ) کے بعد سے ۶۳۲ء تک (یعنی جبکہ آپ ﷺ نے اپنا خطبۂ حجۃ الوداع ارشاد فرمایا) بارہ حکمرانوں نے لیلیٰ اقتدار کو گلے لگایا۔ اس زمانے کا ایران، سیاسی، مذہبی اور اخلاقی لحاظ سے زوال وپستی کا عبرتناک منظر پیش کرتا ہے۔

☆ سلطنت رومہ:

سلطنت رومہ پر اس وقت ہرقل اعظم (۶۱۰ء تا ۶۴۱ء) برسرِ اقتدار تھا۔ اور مصرو

حبشہ، تیونس، طرابلس وغیرہ سلطنت رومہ کے صوبے تھے۔

☆ فرانس:

فرانس میں بہ زمانہ شاہِ فرانس ڈیگورٹ اوّل (۶۲۸ءتا۶۳۹ء) کا تھا۔جس کے فوراً بعد ہی شاہی خاندان کا زوال شروع ہوگیا تھا۔عیسائیت کا شیوع اس وقت وہاں ہو چکا تھا۔

☆ اطالیہ:

اطالیہ پر مغربی قوط(Goth) کا حکمراں سابرٹ تھا جو یہودیوں پر مظالم کے لیے مشہور ہوا۔

☆ جزائر برطانیہ:

جزائر برطانیہ میں اس وقت اینگلوسیکسن قبائل کا فرمانروا شاہ ایڈرن (۶۱۶ءتا ۶۳۳ء) تھا۔اس وقت تہذیبی وتمدنی اعتبار سے انگریز قوم بہت پسماندہ تھی اوراسکاٹ لینڈ اورآئرلینڈ میں نیم وحشی قبائل کا تسلط تھا۔جو اکثر وبیشتر انگلستان پر حملہ آور ہوتے اورلوٹ مار کرتے رہتے تھے۔

☆ یورپ:

یورپ کے دیگر علاقوں میں نیم وحشی، نیم مہذب قبائل (مثلاً نارمین، سویڈس، فریشنس، سلانی، آوارامگیار وغیرہ) کا بہت عمل دخل تھا جو زیادہ تر اصنام پرست تھے۔

☆ الجیریا اور مراکش:

الجیریا اور مراکش میں بربرآباد تھے اوروہ بھی اصنام پرست تھے(۵۱)۔

یہ ہے وہ مختصر سا عالمی تاریخی پس منظر جو ظاہر کرتا ہے کہ جس زمانہ میں پیغمبر انسانیت

ﷺ نے اپنا خطبۂ حجۃ الوداع یعنی پہلا انسانی عالمی منشور ارشاد فرما کر بنی نوعِ انسان کو زندگی کی اعلیٰ ترین رفعتوں سے ہمکنار فرمایا، وہ اس کا بہترین اور مناسب ترین موقع تھا۔ کیونکہ دنیا میں خشکی وتری ہر جگہ فساد ہی فساد بپا تھا (۵۲)۔ انسانیت قعرِ مذلت کے کنارے کھڑی تھی (۵۳)۔ اور چار دانگِ عالم کی فضائے بسیط میں کہیں کوئی زندگی آمیز وزندگی آموز پکار، کوئی حیات بخش وحیات افزا پیغام نہ گونجا تھا (۵۴)۔ کہیں کوئی منشورِ انسانیت، کوئی فرمانِ آدمیت، کوئی نوشتۂ نجات، کوئی چارٹر موجود نہ تھا۔

سفر نبوی ﷺ برائے حجۃ الوداع

حجۃ الوداع کے مقدس، یادگار اور تاریخی سفر، اس کی منازل اور تفصیلی روئیداد سے اگرچہ ہمارے موضوع کا براہِ راست تعلق نہیں ہے۔ تاہم تبرکاً وتیمناً اس کا انتہائی مختصر بیان مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح آپ ﷺ کے خطبۂ جلیلہ کے موقع ومحل کو سمجھنا مزید آسان ہوگا۔ (ضمیمہ ۱)

اکثر مؤرخین اور اصحاب سیر کے بیان کی مطابق حجۃ الوداع کے مبارک سفر کے لیے سرورِ دنیا ودیں، حضور رحمۃ للعالمین مدینہ منورہ سے ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ بمطابق ۲۲ فروری ۶۳۲ء کو (اکثر روایات کے لحاظ سے بعد نماز ظہر) روانہ ہوئے (۵۵)۔ وہ ہفتے کا دن تھا۔ مدینہ طیبہ سے کچھ ہی فاصلے (تقریباً ۶ میل/ ۹ کلومیٹر) پر واقع (میقات اہل مدینہ) ذی الحلیفہ پہنچ کر فروکش ہوئے۔ دوسرے دن اتوار، ۲۶/ ذی قعد، ۲۳/ فروری کو احرام زیب تن فرمایا، قصواء پر تشریف فرمائے ہوئے اور ہزاروں جانثاروں کے جلو میں تکبیر وتہلیل اور تلبیے کی صداؤں کے ساتھ آگے سفر شروع فرمایا۔ یہاں تک کہ مختلف منزلوں ملل، روحاء، اثایہ، العرج، ابواء، عسفان، مرالظہران، سرف اور ذی طوی سے ہوتے ہوئے بالآخر حرم مکہ کی بالائی جانب (کداء) سے نزول اجلال فرمایا (۵۶)۔ (چنانچہ تمام مصنفین کا اس پر اتفاق ہے کہ) مکہ معظمہ میں داخلہ ۴ ذی الحجہ ۱۰ھ (۲ مارچ ۶۳۲ء) بروز اتوار ہوا (۵۷)۔

مکہ معظمہ میں تقریباً چار دن قیام فرمانے کے بعد فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے

جمعرات ۸ ذی الحجہ ۱۰ھ (یوم الترویہ/ ۸ مارچ ۶۳۲ء) کو منیٰ کے لیے روانہ ہوئے، جہاں ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں، پھر شب میں وہیں اقامت اختیار فرمائی۔ نماز فجر اور طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے (۹ ذی الحجہ/ ۷ مارچ) روانہ ہو کر پہلے نمرہ میں قدم رنجہ فرمایا اور پھر عرفات میں وقوف فرمایا۔ پھر اسی دن (یوم عرفہ) زوال آفتاب کے بعد قصواء پر رونق افروز ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ ظہر وعصر کی قصر نمازوں، تکبیر وتلبیہ، دعاؤں اور غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ کے لیے روانہ ہوئے۔ جہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں، کچھ دیر استراحت کے بعد طلوع فجر کے ساتھ ہی نماز (فجر) ادا فرما کر طلوع آفتاب سے قبل ہی روانہ ہو کر مشعر الحرام اور پھر وادی المحسر سے بعجلت گذرتے ہوئے ۱۰ ذی الحجہ (۸ مارچ/ یوم النحر) کو منیٰ میں جمرۂ کبریٰ (عقبہ) کے پاس تشریف لائے۔ رمیٔ جمار، قربانی، اور حلق (رأس) کے بعد طواف إفاضہ کے لیے مکہ معظمہ کو یُمن قدم سے نہال کیا اور پھر منیٰ کی طرف مراجعت فرمائی۔ نیز منیٰ میں یوم النحر کو بھی خطاب فرمایا۔ اور غالباً ایام تشریق (۱۱،۱۲ ذی الحجہ / ۹، ۱۰ مارچ/ اتوار، پیر) میں بھی خطاب فرمایا۔ ۱۳ ذی الحجہ (۱۱ مارچ/ منگل) کو زوال تک قیام اور رمیٔ جمرات کے بعد وادیٔ محصب میں توقف فرماتے ہوئے ۱۴ ذی الحجہ (۱۲ مارچ/ بدھ کو طوافِ وداع کے لیے پھر کعبۃ اللہ میں جلوہ فرما ہوئے۔ اور یوں نہ صرف یہ کہ فریضۂ حج کی تکمیل ہوگئی۔ بلکہ اس طرح آپ ﷺ قیامت تک کے لیے مناسک حج وعمرہ کی تعلیم امت کو عطا فرما گئے (۵۸)۔

اسناد، حوالے، حواشی

۱۔ ہدایت، انسان کی روحانی، باطنی ضرورت ہے۔ جس کا اہتمام اللہ رب العالمین نے آدمؑ کے ہبوطِ ارضی کے ساتھ ساتھ فرمایا۔ جس طرح مادی ضروریات کی تسکین کا سامان ماقبل تخلیق فرما دیا تھا۔ (جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیات (۲۱ تا ۳۹) سے متفرع ہوتا ہے)۔ حضرت آدمؑ کو دنیا میں بھیجتے وقت اور ان کے توسط سے ان کی ذریت کو یہ فہمائش کر دی گئی کہ جب بھی اللہ (احکم الحاکمین) کی طرف سے کوئی ہدایت (هُدًى) ان تک پہنچے تو اس کی پیروی (ان کے لئے) موجب فوز و فلاح ٹھہرے گی جبکہ (اس ہدایت سے) روگردانی نقصان و خسران پر منتج ہوگی۔ (دیکھئے البقرۃ/آیات ۳۸، ۳۹) شرعاً ہدایت (ھدی کتاب و رسول سے عبارت ہے چنانچہ تقریباً تمام مفسرین (سلف و خلف) نے یہاں ھُدی کی تعبیر کتاب و رسولؐ تسلیم کی ہے۔ مثلاً البیضاوی۔ تفسیر (انوار التنزیل مع جلالین بالهامش) مصطفیٰ البابی الحلبی۔ مصر ۱۹۵۱ء/ ج ۱/ص ۴۷، نیز الفیروزآبادی (تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس) مصطفیٰ البابی الحلبی۔ مصر ۱۹۵۱/ص ۶، نیز الطبری، تفسیر ابن جریر اردو، مطبوع بیت الحکمۃ۔ دیوبند۔ مقدمہ مرقومہ ۱۳۸۲ھ/ ج ۱/ص ۴۴) نیز النسفی (تفسیر مدارک اردو، مطبوعہ خضرراہ بک ڈپو، دیوبند۔ ت، ط، ن) ج ۱/ص ۴۰، ۴۱ وغیرہ۔ مشہور برطانوی مستشرق E.H.PALMER (پامر) نے ھدی کا انگریزی میں ترجمہ GUIDANCE کیا ہے۔ جو صحیح ہے دیکھئے: THE KORAN۔ مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لندن ۱۹۵۱ء/ص ۵۔

۲۔ بادی النظر میں نبی اور رسول میں فرق نہیں۔ دونوں کا تقرر بارگاہِ احدیت سے ہوتا ہے، دونوں کو وحی والہام سے نوازا جاتا ہے۔ تاہم اصطلاحی طور پر نبوت و رسالت میں فرق ہے (وقیل هما مفترقان) رسول، کتاب، صحیفہ، شریعت کا حامل ہوتا ہے جبکہ نبی نہیں ہوتا۔ اس لیے ہر رسول نبی ہی ہوتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ ہدایت انسانی کے لیے آنے والے انبیاء و رسل کا یقینی شمار ممکن نہیں۔ البتہ ایک روایت کے مطابق کل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے جن میں سے تقریباً تین سو تیرہ شرفِ رسالت سے متمتع ہوئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: عیاض، القاضی ابی الفضل، ایحصبی الاندلسی، الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ۔ مصطفی البابی الحلبی۔ مصر ۱۹۵۰ء/ ج ا/ص ۱۶۱)

۳۔ پہلے نبی و رسول حضرت آدم علیہ السلام اور آخری حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تھے۔ (ایضاً)

۴۔ سورۃ الحجر، آیت ا

۵۔ سورۃ النمل، آیت ۲

۶۔ سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷

۷۔ سورۃ النحل، آیت ۳۶

۸۔ سورۃ مریم، آیت ۵۸

۹۔ سورۃ انعام، آیت ۸۴

۱۰۔ سورۃ النمل، آیت ۵۹

۱۱۔ سورۃ ص، آیت ۴۷

۱۲۔ سورۃ فاطر، آیت ۳۲

۱۳۔ سورۃ ص، آیت ۴۸

۱۴۔ سورۃ آل عمران، آیت ۸۴۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۱۳۶

۱۵۔ سورۃ البقرہ، آیت ۲۸۵

۱۶۔ سورۃ البقرہ، آیت ۲۵۳ (تلك الرسل فضّلنا بعضهم على بعض)

۱۷۔ آنحضرت ﷺ اور دیگر انبیا و رسل کے درمیان اور باتوں کے علاوہ بقول قاضی عیاض ایک فرق یہ بھی ہے کہ: وسائر معجزات الرُّسل انقرضَتْ بانقراضهم وعُدمت بعدم ذواتها ومعجزة نبينا صلى الله عليه وسلم لا تبيد ولا تنقطع وآياته تتجدد ولا تضمحل. دیکھئے (الشفا/ ج۱/ص۲۴۶)

۱۸۔ گیلانی، مولانا سید مناظر احسن صاحب۔ النبی الخاتم ﷺ۔ احسن برادرز، لاہور ۱۹۶۴ء/ص ۱۳

۱۹۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات وخصوصیات اور دلائل وکرامات پر علمائے سلف میں سے غالباً مفصل ترین اور مستقل تصنیف علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمہ (م/۵۴۴ھ) کی الشفا ہے۔ بعد میں علامہ زرقانی (م/۱۱۲۲ھ) نے المواھب (للقسطلانی/م ۹۲۳ھ) کی شرح میں بڑی تفصیل سے کام لیا ہے۔ (چنانچہ کتاب فی المعجزات والخصائص (ص ۴۷ تا ۲۶۲) مذکور ہے) ملاحظہ ہو: (شرح الزرقانی المالکی علی المواھب اللدنیہ۔ المطبعۃ الازھریۃ المصریۃ۔ ۱۳۲۶ھ/ الجزء الخامس)۔ جبکہ اردو میں علامہ قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری نے اپنی مشہور کتاب رحمۃ للعالمین (مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۷۲ء) کی جلد سوم میں باب اوّل (ص ۱۳ تا ۲۷۱) اسی موضوع کے لیے مختص کیا ہے۔

۲۰۔ الفرقان (ا) علامہ ابن کثیر (م/۷۷۴ھ) نے اس آیت کے تحت دو حدیثیں نقل کی ہیں۔ (ا) بعثت الى الاحمر و الاسود۔ اور (ب) انى اعطيت خمسا لم يعطهن احد من الانبياء قبلى.....الخ دیکھئے: (ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم۔ دارالاندلس۔ بیروت ۱۹۶۶ء/ ج۵/ص ۱۳۴) اور علامہ بیضاوی نے (للعالمین) کے معنی (للجن والانس) لکھے ہیں۔ (ملاحظہ ہو: تفسیر/ ج ۲/ ص ۱۰۹) اور تفسیر جلالین کے تشریحی الفاظ بھی تقریباً

یہی ہیں(ای الانس و الجن دون الملائکۃ) ایضاًبالھامش۔

۲۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: قاضی عیاض (الشفا/ ج ا/ص ۳۶، ۳۷)

۲۲۔ النسآء(۷۹)

۲۳۔ ابن کثیر اس کی تفسیر میں رقم طراز ہیں(ای الی الجمیع الخلائق من المکلفین کقولہ تبارك وتعالیٰ...الخ۔(ج ۵/ص ۵۵۳) پھر اسی سلسلے میں متعدد احادیث اور اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ مثلاً قال قتادۃ فی ھذاہ الآیۃ: ارسل اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم الی العرب والعجم (ایضاً))

۲۴۔ الاعراف(۱۵۸)

۲۵۔ دیکھیے قاضی عیاض (ج ا/ص ۱۰۰،۱۰۱)

۲۶۔ صحیح البخاری۔ مطبوعہ مکتبہ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ۔ مصر، قاہرہ ۱۹۵۸ء/ ج ا/ص ۱۱۹

۲۷۔ صحیح مسلم۔ مطبوعہ اصح المطابع، نور محمد کارخانہ تجارت کتب۔ دہلی ۱۹۳۰ء/ جلد ا/ص ۱۹۹

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں(کتاب فی المعجزات والخصائص/المقصد الرابع/ فصل الثانی/ القسم الرابع/ و منھا انہ اوتی جوامع الکلم و منھا انہ بعث إلی الناس کآفۃً) کے تحت بحث واستدلال کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسالت آدمؑ اولاد کے لیے بمنزلہ تربیت وارشاد تھی تاکہ کافر نہ ہوجائے۔ یہی نوعیت رسالت ادریسؑ کی تھی جبکہ متعدد قرآنی آیات کے مطابق حضرت نوحؑ کی بعثت ان کی اپنی قوم کی طرف ہوئی، علامہ زرقانی کے نزدیک حضرت نوحؑ کی دعا(بددعا) میں(لاتذر علی الارض) کے حوالے یا ان کی بعثت میں (إلی اھل الارض) کے حوالوں سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حضرت نوحؑ کی بعثت تمام دنیا کی ہدایت ورہنمائی کے لیے ہوئی تھی، یہ حوالے صرف ثابت کرتے ہیں کہ

حضرت نوحؑ (طوفان کے بعد اپنی قوم کے لئے) پہلے رسول تھے۔ کیونکہ ان ہی کے دور میں دوسرے رسولوں کو دوسری قوموں میں مبعوث کیا گیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: ج ۵/ص ۲۶۱،۲۶۲) تاریخی طور پر بھی حضرت نوحؑ کا زمانہ اور قومِ نوحؑ کا علاقہ مذہبی و علمی حلقوں میں معلوم و معروف ہے جس سے ان کی رسالت کی عالمگیریت کلیتاً ثابت نہیں ہوتی۔

۲۹۔ سورۃ الروم (۴۷)

۳۰۔ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات و سیرت کے جو حوالے قرآن میں مذکور ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے زمانے میں پیشوائے انسانیت (للناس اماما۔ البقرہ/۱۲۴) تھے۔ انہوں نے ایک مرکز انسانیت کی تعمیر بھی فرمائی۔ لیکن حضرت نے جس عالمگیر مشن کا خواب دیکھا تھا اور جس کی تمنا کی تھی وہ حضور رسالت مآب محمد ابن عبداللہ (ﷺ) کے ہاتھوں مبدل بہ حقیقت ہوا اور آپ ﷺ ہی دعائے ابراہیمی کے مصداقِ حقیقی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کو آزادی دلانے کے مکلّف بنائے گئے تھے۔ (دیکھئے کتاب مقدس، پاکستان بائبل سوسائٹی، لاہور ۱۹۵۹ء۔ خروج باب ۲/ آیت ۲۳ تا ۲۵/ص ۵۵) قرآن کی رو سے بھی حضرت موسیٰؑ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا گیا تھا۔ (ملاحظہ ہو: طٰہٰ (۲۵)، نمل (۱۲)، طٰہٰ (۴۲ تا ۴۸)، اعراف (۱۰۴، ۱۰۵، وغیرہ) بعثت موسوی کے دو مقاصد تھے۔ (i) بنی اسرائیل کو غلامی سے رہائی دلانا اور (ii) فرعون اور اس کی قوم کی اصلاح (دیکھئے: محمد جمیل احمد۔ انبیائے قرآن۔ شیخ غلام علی، لاہور/طبع اول/ ج ۲/ص ۱۴۵) حضرت عیسیٰؑ کا مشن بھی بنی اسرائیل کی فلاح و صلاح تک محدود تھا۔ کہ ''میں اسرائیل کے گھرانہ کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (متی/ باب ۱۵/ آیت ۲۴/ص ۱۹/ نیا عہد نامہ)۔ مزید تقابلی بحث، تفصیلات اور حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو: قاضی سلیمان منصور پوری (رحمۃ للعالمین)

ج ۳/ص ۹۰ تا ۹۳، نیز گیلانی (النبی الخاتم)ص ۱۳ تا ۴۲۔ نیز دیکھئے:

Kamaludin, Khawaja. The Ideal Prophet. The waking

(muslim Mission. Lahor-1925. Chap.iv\p.47-55

۳۱۔ علامہ اقبال کے وہ مشہور انگریزی خطبات جو ان کی علمی فکری اور دینی فکر کے غماز ہیں، ان کا زمانہ تخلیق نو سالوں کو محیط (۱۹۲۴ء تا ۱۹۳۲ء) ہے۔ ان کے چھ خطبے پہلے پہل ۱۹۳۰ء میں لاہور سے شائع ہوئے۔ ساتواں خطبہ ۱۹۳۲ء میں تیسری گول میز کانفرنس لندن کے دوران لکھا۔ ساتوں خطبات ۱۹۳۴ء میں لندن سے شائع ہوئے۔ ان خطبات کے کئی زبانوں میں تراجم ہوئے۔ خطبات کا مکمل اردو ترجمہ سید نذیر نیازی نے کیا۔ اقبال کا پانچواں خطبہ ''اسلامی ثقافت کی روح'' ہے۔ دیکھئے: سید نذیر نیازی۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ۔ ادرہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۵۸ء /ص ۱۸۸ تا ۲۲۲)

۳۲۔ ڈاکٹر محمد ریاض۔ خطبات اقبال (تعارف) ماہنامہ فکر و نظر۔ اسلام آباد/ ج ۲۷/شمارہ ۲۵ (جنوری تا مارچ ۱۹۹۰ء)، ص ۹۱

۳۳۔ چنانچہ اسلام دین کائنات ہے: آل عمران (۸۵، ۱۸۳)، یوسف (۴۰)، روم (۳۰)

۳۴۔ بقرہ (۱۸۵)، نساء (۱۰۵)، انعام (۹۰)، ص (۸۷)، الزمر (۴۱)، القلم (۵۲)، مدثر (۳۱)، عبس (۱۱)، التکویر (۲۷)، علامہ اقبال نے کہا اور خوب کہا ہے۔

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم — حکمت او لایزال است وقدیم
حرف اوراریب نے تبدیل نے — آیہ اش شرمندۂ تاویل نے
نوعِ انسانی را پیامِ آخریں — حامل او رحمۃ للعالمیں

''اسرار ورموز''

۳۵۔ مائدہ (۶۷، ۹۹)، عنکبوت (۱۸)، تغابن (۱۲)، اعراف (۲۲، ۲۸، ۹۳)، الجن (۲۳)، نحل (۳۵)،

۳۶۔ بقرہ (۱۲۹، ۱۵۱)، آل عمران (۱۶۴)، جمعہ (۲)، زمر (۷۱)

۳۷۔ نحل (۱۵)

۳۸۔ بقرہ (۱۱۹)، اسراء (۱۰۵)، فرقان (۲۲)، احزاب (۴۵)، فاطر (۲۴)، فتح (۸)۔

۳۹۔ توبہ (۳۲)، الفتح (۲۸)، الصف (۹)

۴۰۔ نساء (۵۸، ۱۰۵)، حدید (۲۵)

۴۱۔ توبہ (۱۲۸)، کہف (۶)، انبیاء (۱۰۷)، شعراء (۳)، صحیح مسلم (کتاب الفضائل باب شفقتہ صلی اللہ علیہ وسلم علی امتہ) کی ایک حدیث میں آپ ﷺ نے امت کے لیے اپنی عنایت شفقت کو ایک تمثیل سے بیان فرمایا ہے۔ (انما مثلی و مثل امتی کمثل جل استوقد ناراً فجعلتہ الدّو آب والفراش یقعن فیہ.....الخ) ملاحظہ ہو: صحیح مسلم

۴۲۔ سورۂ الاحزاب، آیت ۲۱

۴۳۔ سورۂ نساء، آیت ۱۶۵

۴۴۔ سورۂ انشراح، آیت ۹

۴۵۔ آپ ﷺ کو حکم تھا: فاصبر کما صبر الو العزم من الرّسل (الاحقاف/۳۵) چنانچہ آپ ﷺ نے اس کا بھرپور مظاہرہ فرمایا۔

۴۶۔ قرآن میں رسولوں کے بھیجے اور کتابوں کے نازل کرنے کا مقصد یہ بتایا گیا کہ لوگ ''عدل اور قسط'' سے ہمکنار ہوں (الحدید/ ۲۵) سید الرسل نے ان مقاصد کو بہ درجہ اتم پورا فرمایا۔

۴۷۔ ریاست نبوی ﷺ کی تاسیس ۱ھ (۲۳-۶۲۲ء) میں ہوئی اور ۹ھ (۳۱-۶۳۰ء) تک وہ آقائے عرب میں (۱۰ لاکھ مربع میل سے زائد رقبہ تک) پھیل گئی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: نثار احمد، ڈاکٹر، عہد نبوی میں ریاست کا نشو و ارتقاء۔ ادارہ فروغ اردو، لاہور (نقوش رسول

نمبر، لاہور/ دسمبر ۱۹۸۳ء/ ج ۵/ شمارہ ۱۳)

۴۸۔ اس غلبے کا وعدہ خود اللہ نے فرمایا تھا (المجادلۃ ۲۴) اور فتح مکہ کے موقع پر خود رسول اکرم ﷺ نے اپنے (ایک) خطبہ کی ابتدا ہی میں فرمایا تھا: لا الٰہ إلا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ صدق وعدہٗ و نصر عبدہٗ و ھزم الاحزاب وحدہٗ۔ (دیکھیے ابن ہشام السیرۃ النبویۃ/ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر/ ۱۹۲۶ء/ ج ۴/ ص ۵۴)

۴۹۔ النحل (۳۵)، عنکبوت (۱۸)، یٰسین (۱۷)، احقاف (۲۳) وغیرہ۔

۵۰۔ وہ بھی اس شان سے کہ جس کی دعا اور تمنا خود حضرت مسیح علیہ السلام نے اس طرح فرمائی کہ ''تیرا نام پاک مانا جائے تیری بادشاہی آئے، تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو۔ (دیکھیے کتاب مقدس/ عہد نامہ جدید، متی/ باب ۶/ آیت: ۱/ ص ۹)

۵۱۔ مزید تفصیلات اور حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو: نثار احمد، ڈاکٹر (عہد نبوی میں ریاست) ص ۱۷ تا ۳۱

۵۲۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ○ (الروم/ ۴۱)

۵۳۔ وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ○ (آل عمران/ ۱۰۳)

۵۴۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ○ (الانفال/ ۲۴)

۵۵۔ اس پر کم وبیش اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ (مطابق ۲۲ فروری ۶۳۲ء) کو ہفتہ (سنیچر) کے دن مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تھے۔ چنانچہ بقول ابن ھشام (خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الحج لخمس لیالٍ بقین من ذی القعدہ۔ (ج ۴/ ص ۲۴۸)) واقدی کے ہاں بھی الفاظ کم وبیش یہی ہیں (ملاحظہ ہو:

الواقدی، محمد بن عمر، کتاب المغازی، مطبعۃ جامعۃ آکسفورڈ۔ لندن ۱۹۶۶ء/ ج ۳/ص ۱۰۸۹) نیز ابن سعد (الطبقات الکبریٰ۔ دار صادر، بیروت ۱۹۵۷ء/ ج ۲/ ۱۷۳) اور ابی الفداء (کتاب المختصر فی اخبار البشر۔ المطبعۃ الحسینیہ۔ مصر/ طبع اول/ ج ۱/ص ۱۵۰) وغیرہ نے بھی یہی لکھا ہے۔ مولانا عبدالقدوس ہاشمی (م/ ۱۹۸۹ء) کی کتاب تقویم تاریخی (مطبوعہ مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی، کراچی ۱۹۶۵ء/ص ۳) سے بھی اسی (تاریخ و دن) کا تعین ہوتا ہے۔ جبکہ مولوی اسحٰق النبی علوی کی تحقیق و بیان کے مطابق وسٹنفیلڈ نے ذی قعدہ ۱۰ھ کی پہلی تاریخ کو چہارشنبہ قرار دیا ہے جس کی رو سے ۲۵ کو ٹھیک ہفتہ ہی آتا ہے جو روایات کے عین مطابق ہے (نقوش رسول نمبر۔ ادارہ فروغ اردو، لاہور/ شمارہ ۱۳۰/ ۱۹۸۲ء/ ج ۲/ص ۱۹۸) مولوی اسحٰق صاحب مزید لکھتے ہیں "روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سال حج جمعہ کو ہوا تھا یعنی جمعہ کے دن ۹ تاریخ تھی۔ مکہ مکرمہ میں ذوالحجہ کا چاند ۲۹ کو تسلیم کر کے پہلی تاریخ پنجشنبہ کی قرار دی گئی تھی اور حج اس حساب سے رکھا گیا تھا۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے جن کو علوم نجوم میں کافی دسترس حاصل تھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ نجومی حساب کی رو سے ۹ کو جمعہ نہیں پڑتا مگر ان کا خیال ہے کہ اس سال اللہ کی قدرت کاملہ سے ممکن ہے کہ باقاعدہ رؤیت ہوئی ہو تاکہ پیغمبر اسلام ﷺ کا یہ حج جمعہ کے مقدس دن میں ہو سکے۔" (ایضاً/ص ۱۹۹) معلوم نہیں مولانا غلام رسول مہر نے اپنے مضمون "حجۃ الوداع" میں حضور ﷺ کی مدینہ منورہ سے روانگی ۲۶ ذی قعدہ ۱۰ھ کو ہفتہ کے روز (بمطابق ۲۳ اپریل ۶۳۲ء) کس حساب کی رو سے درج کی ہے؟ (ملاحظہ ہو: سیرت پاک (ماہ نو کی خصوصی اشاعتوں کا انتخاب) ادارہ مطبوعات پاکستان، کراچی ۱۹۶۶ء/ص ۱۶۷)

۵۲۔ جبل حجون سے متصل ایک (گھاٹی) پہاڑی راستہ بیرون مکہ سے اندرون مکہ کو اترتا ہے اس کو کداء کہتے ہیں۔ حج و عمرے کے لیے اسی طرف سے مکے میں داخل ہونے کو مستحب قرار دیا گیا ہے۔ حضور ﷺ اسی راستے سے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تھے۔

(رالع حسنی۔ جزیرۃ العرب۔ مطبوعہ مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۸۴ء/ ص ۲۹۔۲۲۸) کدی۔ جبل قعیقعان (جبل ہندی) سے مغربی جانب سے تنعیم کے رخ پر جانے والے راستے پر پڑنے والی گھاٹی ہے اس کے شمال میں ذی طویٰ ہے۔ اس کا محلہ الشبکیہ ہے۔ حج وعمرہ کر کے واپس جانے والے کے لیے یہی راستہ مستحب بتایا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے مکہ سے واپسی اس راستے سے کی تھی۔ (ایضاً / ص ۲۲۹)

۵۷۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کا داخلہ ۴ ذی الحجہ بروز اتوار مکہ کی بالائی حصہ یعنی کداء سے ہوا۔ ملاحظہ ہو (ابن حزم، جوامع السیرۃ۔ دارنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور/طبع اول/ص ۲۲۹) استاذ احمد عبدالغفور عطار نے اپنی کتاب حجۃ النبی ﷺ واحکام الحج والعمرۃ۔ (من منشورات وزارۃ الحج و لاوقاف، المملکۃ العربیہ السعودیۃ۔ مکہ ۱۹۷۶ء) میں اگرچہ حجۃ النبی ﷺ کے سلسلے میں کافی تفصیل سے کام لیا ہے (ص ۲۷ تا ۳۳۸) اور احوال جدیدہ کی بھی نشاندہی کر دی ہے، لیکن حجۃ الرسول بالتاریخ الہجری والمیلادی (ص ۳۲۶ تا ۳۳۸) کے تحت جو تطابق، توافق، جدول مرتب کی ہے اس میں جنوری فروری اور ۶۳۰، ۶۳۱ء کا تطابق ناقابل فہم ہے۔

۵۸۔ الاستاذ علی حسب اللہ کی کتاب ملاحظہ ہو: الرسول یعلم الناس منا سکھم فی حجۃ الوداع، مکۃ المکرمۃ ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء (طبع ثانی)

ضمیمہ نمبر ۳ :-

سفر حجۃ الوداع، راستہ اور منزلیں

حجۃ الوداع کے سلسلے میں حضور اقدس ﷺ نے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تک کا جو سفر اختیار فرمایا تھا، اس کا اجمالی بیان اگرچہ تاریخ و سیر اور حدیث کے تمام قابل ذکر مآخذ (ابن سعد/ ۲۳۰ھ، بخاری/ ۲۵۶ھ، ابن قیم/ ۷۵۱ھ، ابن کثیر/ ۷۷۴ھ، مقریزی/ ۸۴۵ھ، زرقانی/ ۱۱۲۲ھ وغیرہ) میں موجود ہے۔ (۱) لیکن اس سفر کی جزئیات و تفصیلات میں ان کے ہاں اتنا فرق و تفاوت پایا جاتا ہے جس کے سبب راستے اور سفر کی منزلوں کا یقینی تعین دشوار ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ سفر حجۃ الوداع سے پہلے بھی حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے (مکہ اور مدینہ کے درمیان) کئی یادگار سفر تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں مثلاً ہجرت کے موقع پر مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کا سفر، عمرۃ الحدیبیہ اور عمرۃ القضا کے مواقع پر مدینہ سے مکہ اور واپسی کا سفر، فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کی آمد و رفت اور پھر حجۃ الوداع کا سفر۔ لیکن خاص بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف راستے منتخب فرمائے ہیں، اس لیے اس حقیقت کے باوجود کہ راہِ مسافرتِ نبوی ﷺ میں مساجد بنادی گئی تھیں جیسا کہ بخاری کتاب الصلوٰۃ باب المساجد میں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے (۲) تعین راہ آسان نہیں اور اس میں ظاہر ہے کوئی تعجب نہیں ہونا چاہئے کہ کچے راستوں اور ریگستانی علاقوں میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں اور یہ عین ممکن ہے کہ جو راستہ ایک وقت میں گذرگاہ ہو وہ دوسرے وقت میں قابلِ عبور نہ رہے علاوہ ازیں مکہ اور مدینہ کے درمیان آنے جانے کے راستے پہلے بھی مختلف رہے ہیں (۳) اور فی زمانہ بھی متعدد ہیں (۴) پھر قدیم و جدید راستے ان کی منزلیں اور ان کے ناموں اور عرفیت میں فرق پڑ جانا بعید از قیاس نہیں ہوسکتا۔

ان وجوہ سے ہمارے ہاں کے علمائے متقدمین، متوسطین، اور متاخرین کی تحریروں میں سفر و منازل سفر کے بیان میں تفاوت پایا جانا نہ تو تعجب خیز ہے نہ قابل گرفت! البتہ ان کے ائتلاف و اختلاف کا بہت کچھ اندازہ ذیل میں دیے گئے جدول سے کیا جا سکتا ہے:

ابن سعد	بخاری	ابن قیم	ابن کثیر	مقریزی	زرقانی	داناپوری	شیخ زکریا	رابع حسنی	متفرق معلومات (۵)
مدینہ	مدینہ	مدینہ	مدینہ	مدینہ	مدینہ	مدینہ	مدینہ	مدینہ	کل فاصلہ از مدینہ تا مکہ ۴۲۱ کلومیٹر
ذوالحلیفہ	ذوالحلیفہ بطن وادی بطحاء	ذوالحلیفہ	ذوالحلیفہ وادی	ذوالحلیفہ	ذوالحلیفہ	ذوالحلیفہ	ذوالحلیفہ وادی العقیق	ذوالحلیفہ	مدینہ سے فاصلہ = ۶ میل/ ۹ کلو میٹر (ک م) (ذوالحلیفہ کو آبار علی کہا جاتا ہے)
			البیداء	البیداء		بیداء	بیداء		
			معرس خلیج						وادلہ عمق (ابن کثیر/ ج ۴/ ص ۲۹۶)
							ملل	ملل	مدینہ سے فاصلہ ۳۰ کلومیٹر (ک م)
				شرف السیالہ				السیالہ	مدینہ سے فاصلہ ۵۰ کلومیٹر (ک م)
				عرق الظبیہ					
	الروحاء	الروحاء	الروحاء	الروحاء		الروحاء	الروحاء	الروحاء	،، ،، ۷۰ کلومیٹر (ک م)
	الرویثہ	الرویثہ	الرویثہ						
			تلعة	حشی					تلعة (من وراء العرج۔ ابن کثیر ص ۲۹۷
		الاثایہ		الاثایہ		اثایہ	اثایہ	اثایہ	مدینہ سے فاصلہ = ۱۱۴ ک م
			سلمات						
	العرج	العرج		العرج لحی جمل	العرج	العرج	العرج	العرج	العرج: مدینہ سے فاصلہ = ۱۴۰ ک م (قریۃ جامعۃ علی ایام من المدینۃ قال ابن الاثیر زرقانی/ ص ۱۵۷

جدید نام۔ ام ابرک=۱۸۰ ک م	السقیا				السقیاء				
مدینہ سے فاصلہ=۲۰۰ ک م	الابواء	الابواء	الابواء	الابواء	الابواء				
		ہرشی				ہرشی		ہرشی	
مکہ سے فاصلہ ۱۵۰ میل/ ۱۷۳ ک م	الجحفہ			الجحفہ	الجحفہ				
مکہ تا قدید=۱۶۸ ک م	قدید				قدید				
						تلوۃ المسیل			
مکہ تا ارج=۱۲۵ ک م	ارج								
مدینہ سے فاصلہ=۳۴۸ ک م (مکہ سے ۱۰۳ ک م)	عسفان	عسفان		عسفان	عسفان		عسفان		
	کراع الغمیم				الغمیم				
جدید نام (وادئ فاطمہ) مکہ سے =۳۴ ک م	مرا لظہران				مرا لظہران			مرا لظہران	مرا لظہران
مدینہ سے ۴۱۱ ک م (مکہ=۱۰ ک م)	سرف	سرف	سرف		سرف		سرف		سرف
(میقات اہل مکہ)=۷/ ۸ ک م	تنعیم							صفراوات	
(یہاں آپؐ نے ایک شب بسر فرمائی تھی)	ذی طوی	ذی طوی	ذی طوی			ذی طوی		ذی طوی	
						اکمہ		فرصۃ	
کداء: جبل حجون کی متصل پہاڑی راستہ مکہ میں داخل ہونے کے لیے	معلاۃ		ثنیۃ العلیاء	ثنیۃ العلیاء		ثنیۃ العلیا			کداء
	حرم مکہ	حرم مکہ	حرم مکہ	حرم مکہ	حرم مکہ	حرم مکہ	حرم مکہ	حرم مکہ	حرم مکہ

جدول کو دیکھ کر یہ بھی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ حجۃ الوداع کے سفر کی تفاصیل تمام مآخذ میں یکساں طور پر نہیں پائی جاتیں۔ البتہ منازل سفر اور راستہ کے تعین کے سلسلہ میں بخاری (۶) ابن کثیر (۷)، مقریزی (۸)، شیخ زکریا کاندھلوی (۹) اور جدید العہد مصنف مولانا رابع حسنی

کی کتابیں زیادہ مفید مطلب ہیں۔

چنانچہ الشیخ زکریا کاندھلوی نے (علامہ ابن قیم کو مدار ٹھہراتے ہوئے تشریح وتفصیل کے ضمن میں) سفر حجۃ الوداع اور اس کی منازل کے بارے میں اظہار خیال کے علاوہ (الفصل الثانی فی عمرۃ الحدیبیہ/ص ۲۱۷ کے تحت) ایک نقشہ بھی شامل اشاعت (مقابل/ص ۲۲۷) کیا ہے۔ جبکہ مولانا رابع حسنی نے مکہ ومدینہ کے مابین راستے اور اہم مقامات کی تفصیل (نقشہ مقابل/ص ۲۶۹) کے ساتھ سفر ہجرت اور سفر حجۃ الوداع کے راستوں اور مقامات کا نقشہ بھی دیا ہے (مقابل/ص ۲۷۰-۲۷۱) ان نقشوں اور تفصیلات کے پیش نظر اگرچہ مؤرخین اور اصحاب سیر کے بیان کردہ سفرِ حجۃ الوداع اور اس کی منازل کا کلی تطابق تو ثابت نہیں ہوتا تاہم سفرِ حجۃ الوداع کا ایک نسبتاً مربوط خاکہ سامنے ضرور آجاتا ہے۔

سفر حجۃ الوداع کے سلسلے میں بطور خلاصہ چند باتیں واضح ہیں:۔

(i) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ سے روانگی (زیادہ تر اقوال/مآخذ کے مطابق بروز شنبہ/سنیچر/ ہفتہ) ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ (مطابق ۲۲ فروری ۶۳۲ء) کو ہوئی۔

(ii) یہ مہینہ (ذی قعدہ) ۲۹ دن کا تھا اور ذی الحجہ کی پہلی تاریخ / یکم ذی الحجہ ۱۰ھ بالاتفاق پنجشنبہ/ جمعرات (۲۷ فروری ۶۳۲ء) کو تھی (۱۰)

(iii) مکہ مکرمہ میں داخلہ ۴ ذی الحجہ ۱۰ھ (۲ مارچ ۶۳۲ء) کو (بروز یکشنبہ/اتوار) ہوا۔

(iv) گویا حجۃ الوداع کا یہ مقدس سفر (از روانگی تا داخلہ مکہ) ۹ دنوں پر مشتمل ہے۔

(v) تقریباً چار روزہ قیام کے بعد آنحضرت ﷺ نے اعمال وارکان حج ادا فرمائے یعنی ۸ ذی الحجہ (یوم الترویہ) سے ۱۳ ذی الحجہ تک مسلسل مشغول رہے اور پھر ۱۴ ذی الحجہ کو طواف وداع فرمانے کے بعد کدی کے راستہ مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ ان امور کا خلاصہ بصورت جدول حسب ذیل ہے:

ہجری تاریخ	دن	عیسوی تاریخ	تفصیل سفر/کوائف
۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ	شنبہ/ہفتہ	۲۲ فروری ۶۳۲ء	مدینہ منورہ سے روانگی

۲۶ ذی قعدہ ۱۰ھ	یکشنبہ/اتوار	۲۳ فروری ۶۳۲ء	ذوالحلیفہ (آبارعلی) میقات اہل مدینہ آمد/شب بھر اقامت، صبح غسل احرام تلبیہ، مکہ روانگی
۲۷ // //	دوشنبہ/پیر	۲۴ // //	
۲۸ // //	سہ شنبہ/منگل	۲۵ // //	
۲۹ // //	چہارشنبہ/بدھ	۲۶ // //	
یکم ذی الحجہ ۱۰ھ	پنجشنبہ/جمعرات	۲۷ // //	مسافرت۔ متفقہ منازل سفر: الروحاء، الرویثہ، الاثایہ، العرج، الابواء، عسفان، مرالظہران، سرف، ذی طوی
۲ // //	جمعہ	۲۸ فروری	
۳ // //	ہفتہ	یکم مارچ ۶۳۲ء	
۴ // //	اتوار	۲ // //	(بالائی سمت سے براہ کداء/ثنیۃ العلیاء) مکہ معظمہ میں داخلہ اور قیام (ابطح)
۵ // //	پیر	۳ // //	
۶ // //	منگل	۴ // //	
۷ // //	بدھ	۵ // //	
۸ // //	جمعرات	۶ // //	(یوم الترویہ) تمام مسلمانوں زائرین کے ساتھ منیٰ کے لیے
			روانگی۔ منیٰ میں قیام
۹ // //	جمعہ (۱۱)	۷ // //	(یوم العرفہ) منیٰ سے روانگی آمد عرفات۔ وقوف حج، خطبہ حجۃ الوداع۔ نمازہائے قصر، غروب آفتاب روانگی برائے مزدلفہ
۱۰ // //	ہفتہ	۸ // //	(بعد فجر قبل طلوع آفتاب) مزدلفہ سے منیٰ کو روانگی (یوم النحر) رمی جمرات نحر حلق مکہ کے لیے روانگی برائے طواف افاضہ
۱۱ تا ۱۳ // //	اتوار تا منگل	۹ تا ۱۱ // //	ایام تشریق (اول ثانی ثالث) نمازیں/رمی جمرات/خطبات/منیٰ سے روانگی/وادی محصب/اقامت شب (فجر سے پہلے)
۱۴ ذی الحجہ ۱۰ھ	بدھ	۱۲ مارچ ۶۳۲ء	وادی محصب سے روانگی، داخلہ بیت اللہ، طواف وداع، نماز فجر۔ واپسی سفر براہ کدی مدینہ منورہ کے لیے روانگی۔ (۱۲)

اسناد، حوالے، حواشی

۱۔ ان میں سے ابن سعد زرقانی وغیرہ کے ہاں تفصیل زیادہ نہیں پائی جاتی البتہ ابن کثیر مقریزی وغیرہ کا بیان مفصل ہے۔

۲۔ صحیح البخاری (مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، معرسہ) / ج ۱، ص ۱۳۰ (باب المساجد التی علی طرق المدینۃ والمواضع التی صلی فیہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳۔ مولانا زکریا نے لکھا ہے کہ مدینہ سے مکہ جانے کے چار راستے ہیں یعنی ۱۔ الطریق السطانی، ۲۔ الغائر، ۳۔ الفرعی اور، ۴۔ الشرقی (ص ۲۷) الطریق السطانی ہی طریق الشجرہ ہے (ایضاً) ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضور مدینہ طیبہ سے بہ طریق الشجرہ تشریف لے گئے تھے اور بہ طریق المعرس راجعت فرمائی۔ (ملاحظہ ہو: ابن کثیر/ السیرۃ / ج ۴، ص ۱۲۸

۴۔ مولانا رابغ حسنی نے اپنی کتاب میں قدیم وجدید راستوں اور منازل کے ساتھ ساتھ نقشہ جات کے ذریعہ بھی وضاحت کی ہے۔ (دیکھئے رابغ حسنی/ ص ۲۶۹ تا ۲۷۷) مدینہ سے مکہ معظمہ اور مکہ سے مدینہ منورہ کے جدید بلکہ جدید تر راستوں کا علم سعودی عرب میں شائع ہونے والے ''خارطۃ طرق المملکۃ العربیۃ السعودیۃ'' اور المہندس ترکی محمد علی فارس کے تیار کردہ (مطبوعہ) نقشوں سے بخوبی ہوسکتا ہے، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان پچھلے دس بارہ سالوں میں فاس، راقم الحروف نے بس اور ٹیکسی کے ذریعہ سفر کرتے ہوئے ہوئے مشاہدہ کی بنا پر جدید ترین منازل سفر کی دو طرفہ فہرست بھی بقید فاصلہ و وقت تیار کی ہے جو طوالت کے سبب حذف کی جا رہی

ہے۔

۵۔ زیادہ تر معلومات مولانا رابع حسنی کی کتاب جزیرۃ العرب (مطبوع مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۸۴) سے ماخوذ ہیں۔

۶۔ ملاحظہ ہو بخاری مطبوعہ مصطفیٰ الابی الحلبی / ج ۱، ص ۱۳۰، ۱۳۱

۷۔ ابن کثیر نے زیادہ تفصیل اپنی کتاب السیرۃ النبویۃ (مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۶۶ء) من ذکر الدماکن التی صلی فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحو ذاھب من المدینۃ الی مکۃ فی عمرۃ و مجتہ کے تحت (ج ۴، ص ۲۹۶ تا ۳۰۰) دی ہے۔

۸۔ المقریزی، تقی الدین احمد بن علی / امتاع الاسماع بما للرسول من الانبیاء والاموال والجفدۃ والمتاع / مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر قاہرہ، ۱۹۴۱ء / ج ۱، ص ۵۱۳، و مابعد، البتہ یہ عجیب بات ہے کہ مقریزی نے پہلی ہی منزل "یلملم" بتائی ہے۔ (ایضاً) جو یقیناً غلط ہے کیوں کہ یہ مکہ مکرمہ سے بھی جنوب میں تقریباً ۴۵ کلومیٹر پر یمن سے مکہ آنے والے راستے پر واقع ہے۔

۹۔ الشیخ محمد زکریا الکاندھلوی / حجۃ الوداع و جزء عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم / من منشورات المجلس العلمی، کراچی ۱۹۷۱ء / ص ۲۵ تا ۷۱ / ملخصاً

۱۰۔ ہاشمی، مولانا عبد القدوس / تقویم تاریخی / ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء / ص ۱۰

۱۱۔ ایک جدید محقق اور "مختصر دائمی قمری تقویم" / مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور، ۱۹۸۳ء کے موقف جناب علی محمد خان صاحب نے حجۃ الوداع کے تحت لکھا ہے کہ "علمائے تاریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج (حجۃ الوداع) میں یوم عرفہ ۹ ر ذی الحجہ ۱۰ھ کو جمعہ تھا، لیکن ان کے بقول حساب سے ۹ ر ذی الحجہ ۱۰ھ کو ہفتہ اور اس ہفتہ کو ۷ ر مارچ ۶۳۲ء آتی ہے۔ (دیکھئے ۲۱۲ تا ۲۱۴)

بہر حال امر واقعہ میں ایک دن کا فرق بعید از قیاس و امکان نہیں، نیز ۹ ر ذی الحجہ اور ۷ ر مارچ کا تطابق بہر حال متفقہ ہے۔

۱۲۔ تقریباً اسی طرح کا ایک جدول استاذ احمد عبد الغفور عطار نے اپنی کتاب (حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و احکام الحج والعمرۃ، بن منشورات وزارۃ الحج السعودیۃ ۱۹۷۶ء) میں حجۃ الرسول با تاریخ الہجری والمیلادی کے عنوان سے (ص ۳۴۶ تا ۳۴۸) میں دیا ہے لیکن معلوم نہیں موصوف نے کس حساب سے ذی قعدہ، ذی الحجہ ۱۰ھ کا مطابق و توافق ۶۳۲ء، ۶۳۱ء میں جنوری میں فروری کو قرار دیا ہے۔ (؟)

باب سوم

خطبۂ حجۃ الوداع کی

نوعیت و ماہیت

ابلاغِ حق کا نقطۂ کمال

نبوت و رسالت کا بنیادی تقاضہ اور فرض منصبی بہرحال ابلاغِ پیغام ربانی ہے۔ (ماعلیٰ الرسول اِلّا البلاغ) (۵۹) ہر نبی و رسول کی مساعی حسنہ کا تمام تر ہدف، تبلیغ و تلقینِ حق ہے۔ اس اعتبار سے خطبۂ حجۃ الوداع کی صورت میں آنحضرت ﷺ نے بحیثیتِ رسول ابلاغ حق کو اس نقطۂ کمال تک پہنچا دیا جس سے آگے کوئی حدِّ کمال نہیں۔ کہ تفویض رسالت میں تبلیغ و ترسیل دعوت کا جو فرض پنہاں تھا: یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآاُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ۔ (۶۰) اور جس کا علی الاعلان آغاز مکۃ المکرمہ (میں خطبۂ کوہِ صفا) سے ہوا تھا (۶۱)۔ اس کا اکمال و اتمام بھی اُسی سرزمین پر (جبل الرحمۃ/عرفہ/منیٰ/یعنی مضافاتِ مکۃ المکرمۃ میں ہی ۶۲) اس وقت خطبۂ حجۃ الوداع پر ہو رہا تھا۔ یہی وہ موقع تھا جبکہ کم از کم لاکھ، سوا لاکھ بندگانِ خدا کے مجمعِ عام (۶۳) سے حضور سرورِ عالم ﷺ نے بار بار استفسار فرمایا تھا کہ بتاؤ؟ کیا میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا؟ (الا ھل بلغتُ؟) (۶۴) تو تمام انسانوں، تمام مسلمانوں، تمام حاضرین نے بہ یک آواز، بہ یک دل، بہ یک زبان، بہ یک وقت اقرار کیا تھا کہ ہاں بے شک! ہم اس کی شہادت یقیناً دیں گے کہ آپ ﷺ نے (اللہ کی) امانت (دین ہم تک من وعن) پہنچا دی اور نبوت و رسالت کا حق ادا فرما دیا: انشھد اَنّكَ قدادیتَ الامانۃ و بلّغتَ الرسالۃَ و نَصَحْتَ. (۶۵)

حیاتِ رسول ﷺ میں (حجۃ الوداع کے موقع پر) ابلاغِ حق کا یہ درجۂ کمال

یکا یک نہیں آیا۔ اس کے پیچھے دراصل ۲۳ سالہ داعیانہ، مبلغانہ، پیغمبرانہ مساعی کا تسلسل موجود ہے۔ جس کا آغاز اسی وقت سے ہوگیا تھا جبکہ آپ ﷺ کو کارِ نبوت و رسالت پر فائز کیا گیا۔ اور آپ ﷺ نے تمام تر موانع و مشکلات کے علی الرغم، پورے صبر و ثبات، انتہائی عزم و استقلال سے اس منصب کے تقاضوں کو پورا فرمایا، اور پیغام خداوندی کو بندگانِ خدا تک پہنچانے کے لیے (وحیِ الٰہی، اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (٦٦) کے مطابق) تبلیغ و ترسیل (Communication) کا ہر وہ معروف و احسن ذریعہ/ وسیلہ اور طریقۂ کار (Mechanism) استعمال، اختیار فرمایا جو تبیینِ کلام الٰہی اور ابلاغِ پیغامِ ربانی میں، ہر سامع و ناظر اور ہر مخاطب، حاضر و غائب کے دل پر دستک دے سکے تا نکہ اس کے ذہن میں شک و ریب کا کوئی کانٹا اور ابہام و اشکال کا کوئی رخنہ، باقی نہ رہنے پائے۔ یہاں حوالوں اور مثالوں کا تو موقع نہیں لیکن ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ داعیٔ اعظم ﷺ نے فرد و اجتماع سے رابطے کی تمام شکلوں اور تعلیم و تعلم کی تمام صورتوں کو اختیار فرمایا۔ یہاں تک کہ نطق و بیان، خطبہ و تقریر، وعظ و تلقین، حکمت و موعظت، پند و نصیحت، مذاکرہ و وصیت، تعلیم و تدریس، تشریح و تسہیل، رمز و اشارہ تفسیر و کنایے کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جسے بہ حد کمال اسوۂ رحمۃ للعالمینی میں نہ دیکھا جا سکے۔

عہد جدید میں علوم وفنونِ ابلاغ عامہ کے حوالے سے یہ بات مسلمات میں داخل ہے کہ ابلاغ کے پورے عمل کا مدار کلیۃً انسانی رویے (Human behaviour) پر ہوتا ہے۔ نیز ابلاغ عامہ (Mass Communication) کے دوران تبلیغ و ترسیل کے طریقوں و ذرائع سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہوتی ہے کہ کوئی پیغام، دعوت، مدعا، مضمون، نقشہ، خاکہ، کتنا معنی خیز، کیسا سریع الاثر اور کس درجہ نتائج افروز ہے (٦٧) اس جہت سے بھی سیرت مبارکہ و مطہرہ کا مطالعہ اجالا بخشتا ہے۔ چونکہ انسانی رویے کے ہمہ جہتی حسن کے حوالے سے حضور سرور کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ (وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (٦٨) کی رو سے)

اعلیٰ ترین مرتبے پر فائز تھے۔ اور آپ ہر مرحلے، ہر لمحۂ زندگی میں حسنِ قول وعمل کا مظاہرہ فرماتے ہوئے اپنے بدترین دشمنوں کے دل بھی فتح کرتے رہے۔ (حالانکہ عام حالات میں دشمنوں تک کسی بات کی رسائی تقریباً ناممکن ہے)۔ وَ مَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَO وَلَا تَسۡتَوِی الۡحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ ؕ اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَبَیۡنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ O (۶۹) اس لیے ظاہر ہے کہ ابلاغِ حق کا کامل ترین نمونہ بھی گویا آپ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ ﷺ ہی کے ہاتھوں متشکل ہوا۔ آپ ﷺ کا پیغام واقعتاً انتہائی معنی خیز، اس درجہ سریع الاثر، اور ایسا نتائج افروز ثابت ہوا جس کے اثرات وثمرات کو دنیا چشمِ حیرت حجۃ الوداع میں دیکھ رہی تھی۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ابلاغِ حق کے لیے آپ ﷺ کی شبانہ روز کوششوں کے خاطر خواہ مثبت نتائج حجۃ الوداع سے پہلے ہی نظر آنے لگے تھے۔ فتح مکہ (۸ھ) کے بعد عامۃ الناس کا قبولِ اسلام (یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا،۷۰) پھر غزوۂ تبوک (۹ھ) کے بعد عام الوفود (۹ھ میں) اطراف واکنافِ عرب سے لوگوں کا (اظہارِ اطاعت، استفسار، تعلیم، توضیح اور تبلیغ کے لیے) خدمت نبوی ﷺ میں آنا اور پھر ۱۰ھ میں (خطبۂ حجۃ الوداع سے پہلے حضور ﷺ کے صاحبزادے ابراہیمؓ کے انتقال کے بعد ایک خطبے کے دوران) لوگوں کا یہ صاف صاف اقرار کہ:

نشهد انّك قد بلّغت رسالاتِ ربّك و نصحت لامتك و قضيت الذى عليك. (۷۱)

ہم سب گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کا پیغام بلاکم و کاست ہم تک پہنچا دیا امت کو نصیحت سے سرفراز فرما دیا اور اپنا فرض کماحقہٗ ادا فرما دیا۔

ثابت کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے فرضِ منصبی کو نہ صرف یہ کہ وقت مقررہ

پر ٹھیک ٹھیک ادا فرمادیا تھا، بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ابلاغِ حق اپنے درجۂ تمام وکمال تک آپ ﷺ کے اپنے عہدِ مبارک میں ہی پہنچ گیا تھا۔ پھر حجۃ الوداع میں یہ کمالِ ابلاغ بہ درجۂ غایت اس طرح موکد و محقق ہوگیا کہ ہر شریکِ بزم، ہر حاضر وناظر ہر سامع ومخاطب، کھڑے بیٹھے ہر حال میں ہر جگہ، خطبۂ رسالت مآب ﷺ کے ہر ہر لفظ کو سن رہا تھا (۷۲) بلکہ گویا حرف حرف گن رہا تھا، یہاں تک کہ ہر زبان، دل نے ابلاغِ حق کی گواہی دی اور وحیٔ الٰہی اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (۷۳) کا نزول ساتھ ساتھ ہوا۔

لیکن ایک اور جہت سے ابلاغِ حق کا کمال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے عالمی ابدی پیغام کو فليبلغ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ کے طلسمی ابلاغی الفاظ میں مقید میں کرکے ایک نغمۂ سرمدی کی صورت میں ڈھال دیا، گویا آنے والا ہر زمانہ خطیبِ عصر، خطیبِ زماں، سرورِ کون ومکان ﷺ کی دسترس میں یوں ہے کہ ابلاغی تسلسل کبھی بھی منقطع نہیں ہوسکتا۔ اور اس بات کا ثبوت ہے کہ صلاح وفلاح بشر کا وہ آخری پیغام پوری انسانیت کے لیے تھا اور ہر زمانے کی بنیادی ضرورت تھا۔ خطبۂ جلیلہ میں آپ ﷺ نے خود ہی فرمادیا تھا:

> الا! كل نبى قد مضت دعوتهٗ اِلّا دعوتى فانّى قدذخرتها عند ربّى الى يوم القيامة۔ (۷۴)

اور شاید یہی وہ موقع تھا جبکہ عہد نامۂ قدیم میں درج یہ الفاظ حقیقت کا روپ دھار رہے تھے کہ:

> "خداوند فرماتا ہے کہ میری روح جو تجھ پر ہے اور میری باتیں جو میں نے تیرے منہ میں ڈالی ہیں، تیرے منہ سے اور تیری نسل کے منہ سے، اب سے لے کر ابد تک جاتی نہ رہیں گی، خداوند کا یہی ارشاد ہے۔ (۷۵)

تعمیرِ حیات کا عملی خاکہ

حضور سید الانبیا و مرسلین ﷺ کا خطبۂ حجۃ الوداع ہر قسم کے منفی رجحان سے ماورا خالص مثبت رویے اور اصولی تعلیمات کا مظہر تھا۔ اسلام جس دعوت و تعلیم کا مدعی ہے اس کا عملی نمونہ تو اس زمین پر جیتے جاگتے انسانوں کے درمیان پہلے ہی قائم کیا جا چکا تھا، البتہ اتمام حجت کی خاطر اور ابلاغِ حق کی تکمیل کے لیے ضروری تھا کہ اس وقت سے ۲۳ سال پہلے صفا کے پہاڑی وعظ سے جس عالمی دعوت کا آغاز کیا گیا تھا۔ اس لیے اسے اتمام و اکمال کی منزل پر پہنچاتے ہوئے چند فقروں، چند باتوں کی صورت میں اسی سرزمین پر کوہِ عرفات کے دامن سے آخری بار پھر نشر کر دیا جائے اور اس دین کی مبادیات و اساسیات کا احاطہ کر دیا جائے جس کی تبلیغ و اشاعت کے آپ مکلّف بنائے گئے تھے۔ یہ رعایت بھی تھی کہ اسلام کے سیاسی، سماجی، مذہبی، معاشی اور ثقافتی نظام کی ان اقدار کو واضح کر دیا جائے جو آئندہ آنے والے زمانوں میں کارفرمائی کی مستحق تھیں اور جن کی تعمیل میں ہی انسانیت کی نجات مضمر تھی۔

خطبۂ حجۃ الوداع میں زبانِ وحی ترجمان سے جو کچھ ارشاد ہوا اس کے بارے میں اس حقیقت کا ادراک بہت ضروری ہے کہ وہ محض منصوبہ، خیالی باتیں، واعظانہ موشگافیاں، آئندہ کا پروگرام، یا خواہشات و توقعات یا صرف تجاویز یا سفارشات قسم کی چیز نہ تھا، بلکہ دینِ الٰہی کا عملی، تاریخی، تعبیری خاکہ اور دینِ شریعت کی تقریبِ تکمیل تھی، جس کا اعلان فاطر السمٰوٰت والارض نے ان الفاظ کی گونج میں فرمایا کہ:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (۷٦)

اس نکتہ کی اہمیت و معنویت ان لوگوں کے ذہنوں میں زیادہ اجاگر ہو سکے گی جو یہ جانتے ہیں کہ عصر حاضر کی وہ دستاویز جو حقوقِ انسانی کی نقیب سمجھی جاتی ہے اور جسے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو منظور کیا تھا تجویز و سفارش سے زیادہ اہمیت نہیں تھی اور کسی مملکت کے لیے Universal Declaration of Human Rights کا تسلیم کرنا لازمی و لابدی نہیں ہے (۷۷)(ضمیمہ ۲)۔ایک مصنف کے بقول ''یہ منشور تحفظ حقوق انسانی کے معاملے میں بالکل ناکارہ اور ناقابل اعتماد دستاویز ہے..... اس منشور کی حیثیت سراسر اخلاقی ہے، قانونی نقطۂ نظر سے اس کا کوئی وزن و مقام نہیں (۷۸)۔اس منشور کی رو سے جو معاشی اور سماجی حقوق منظور کیے گئے ہیں وہ ایک بالغ نظر مبصر کے مطابق، اس اصطلاح کے تسلیم شدہ مفہوم کی رو سے حقوق ہی نہیں ہیں، یہ تو سماجی اور معاشی پالیسیوں کے محض اصول ہیں۔ (۷۹) بلکہ کمیشن برائے انسانی حقوق میں ۱۹۴۷ء کو طے کیے جانے والے اصول کی روشنی میں گویا منشور کے اعلان سے ایک سال قبل ہی یہ طے ہو گیا کہ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی کوئی ملک چاہے تو اس منشور پر از خود رضا کارانہ طور پر عملدر آمد کر سکتا ہے اور چاہے تو اٹھا کر ردی کی ٹوکری میں بھی پھینک سکتا ہے۔(۷۹/الف)

اس کے برعکس خطبۂ حجۃ الوداع میں ''فرموداتِ نبوی عملی ترغیب اور حکم کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور ان سے سرتابی، ان کی نافرمانی نہ صرف یہ کہ صلاح و فلاح آدمیت و انسانیت میں حارج ہے بلکہ دین و دنیا دونوں میں نقصان و خسران کا باعث ہے۔ خطبۂ جلیلہ میں زندگی کے ان اصولوں کا دوٹوک بیان ہے جن پر تعمیر حیات کا اصل مدار ہے۔ اور جن کے بغیر شعوری زندگی کا کوئی نقشہ مرتب نہیں ہو سکتا۔ خطبۂ مبارکہ میں ان تعلیمات کا خلاصہ موجود ہے جو دراصل پورے دینِ حق کی زندگی و تابندگی کا ثبوت ہیں اور جن کو روبہ عمل لائے بغیر کسی کامیاب انسانی معاشرہ کی تشکیل ممکن نہیں۔

بنیادی انسانی حقوق کا عالمی منشور

خطبۂ حجۃ الوداع بنیادی انسانی حقوق کا ایسا عالمی منشور ہے، جو پیغمبر انسانیت محسن عالم ﷺ کی طرف سے جاری کیا گیا۔ سیدھا، صاف، سچا فرمان۔ اس منشورِ اعظم کا اجرا نہ کسی سیاسی مصلحت کا نتیجہ تھا نہ کسی وقتی جذبے کی پیداوار، یہ نہ کسی طبقہ یا گروہ کی طرف سے دباؤ یا دھونس، دھاندلی سے متاثر ہو کر جاری کیا گیا۔ نہ کسی حال واحوال کا تابع تھا نہ کسی معاہدے کی تکمیل۔ یہ دراصل وہ خطبۂ انقلاب تھا جو ہر قسم کی انسانی، حکومتی، سیاسی، معاشرتی، معاشی یا معاہداتی منظوری سے بے نیاز وقت کی آواز بن کر گونجا اور تمام انسانوں کے حقوق کے محافظ و نگراں کی حیثیت سے ابھرا اور آئندہ آنے والے تمام زمانوں کے لیے قیامت تک کے لیے شرفِ آدمیت واحترامِ انسانیت کے چراغ روشن کر گیا۔

ہمارا یہ بیان محض لفاظی یا عبارت آرائی قرار نہیں دیا جا سکتا اگر ہمارے سامنے عہد جدید میں بہت شہرت پانے والے اعلانات، معاہدات، دستاویزات اور نوشتہ ہائے حقوق کی حقیقت و ماہیت آشکار ہو جائے۔ مثلاً آج کل انسانی حقوق اور آزادیوں کی بحث کا نقطۂ آغاز بالعموم ''میگنا کارٹا'' کو قرار دیا جاتا ہے۔ جبکہ یہ ایک ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے کہ اس منشور کا اجرا شہنشاہِ انگلستان (ہنری دوم کے بیٹے اور رچرڈ شیر دل کے بھائی) جان (۱۱۹۹ء تا ۱۲۱۶ء) نے تیرھویں صدی عیسوی (جون ۱۲۱۵ء) میں کیا تھا (۸۰) اور وہ بھی کس طرح؟ (۸۱) صریحاً سیاسی مصلحت کے تحت (۸۳) امرا کی بغاوت کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لیے اور حالات کے وقتی حل کے لیے ''میگنا کارٹا''

جاری کیا گیا (۸۳/ضمیمہ ۳) مطلب بالکل صاف ہے کہ اس میں کسی لحاظ سے ابدی، آفاقی، انسانی، عالمی پہلوؤں کی کارفرمائی موجود نہ تھی۔ اور چونکہ اس منشور کا اجرا برطانوی تاریخ کے ایک مخصوص زمانے مخصوص حالات میں، مخصوص مقاصد کے پیش نظر، محدود عرصے کے لیے ہوا تھا اس لیے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ اس کی افادیت بہت حد تک محدود، عارضی، وقتی اور مقامی تھی۔

علاوہ ازیں جس زمانے (جون ۱۲۱۵ء/۱۳ ویں صدی عیسوی) میں میگنا کارٹا کو جاری کیا گیا اس وقت تک مسلمانوں کی تاریخ سینکڑوں نشیب و فراز دیکھ چکی تھی اور اسلام کے عطا کردہ حقوق اور آزادیوں کا شہرہ چار دانگ عالم میں ہو چکا تھا اور دنیا کے مختلف حصوں میں مندرجہ ذیل مسلمان حکمران انسانی آزادیوں اور حقوق کی پاسداری کر رہے تھے (۸۴):

(i) خلافتِ عباسیۂ بغداد۔ خلیفہ ابوالعباس احمد بن مستقی (ناصر الدین اللہ) (۵۷۵ تا ۶۲۲ھ/۱۱۷۹ء تا ۱۲۲۵ء)

(ii) ایوبیۂ مصر۔ ملک عادل سیف الدین ابوبکر بن ایوب (۵۹۶ تا ۶۱۵ھ/۱۲۰۰ تا ۱۲۱۸ء)

(iii) موحدین اندلس۔ ابوعبداللہ محمد الملقب بہ ناصر (۵۹۵ تا ۶۱۰ھ/۱۱۹۹ تا ۱۲۱۴ء) سلطان ابو یعقوب الملقب بہ مستنصر (۶۱۰ تا ۶۲۰ھ/۱۲۱۴ تا ۱۲۲۳ء)

(iv) خاندانِ غلاماں (ہندوستان) سلطان شمس الدین التمش (۶۰۷ تا ۶۲۳ھ/۱۲۱۰ تا ۱۲۳۶ء)

ان حقائق کے پیش نظر بہ آسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ میگنا کارٹا کی اولیت عالمی تاریخی پس منظر اور انسانی حقوق اور آزادیوں کے حوالے سے میزانِ عدل پر کیا وقعت رکھتی ہے؟

میگنا کارٹا کے اجرا پر پانچ سو سال سے زیادہ عرصہ گذرنے کے بعد فرانس کے اعلانِ حقوقِ انسانی و باشندگان (۱۷۸۹ء) نے بھی شہرت پائی۔ یہ اعلان ان تصورات کا

نمایاں عکاس ہے جو انقلاب فرانس کے پس پشت کارفرما تھے (۸۵/ضمیمہ،۴) کہا جاتا ہے کہ یہ اپنی نوعیت کا پہلا اعلان تھا جس نے آزادی کی شمع روشن کی (۸۶)۔ عہد جدید کی ایک اور اہم دستاویز امریکی نوشتۂ حقوق (Bill of Rights) مجریہ ۱۷۹۱ء ہے (۸۷)۔ جو فرانس کے اعلانِ حقوق انسانی کی طرح دستوریت اور قانونیت کی اعلیٰ مثال خیال کی جاتی ہے (۸۸/ضمیمہ،۵)

اس تفصیل سے یہ مدعا واضح ہو جاتا ہے کہ انسانی حقوق کے عالمی منشور ہونے کی اصل مصداق اگر کوئی دستاویز ہوسکتی ہے تو یہی خطبۂ حجۃ الوداع کی دستاویز ہے۔ اور اگر کوئی اعلان، منشور، دستور، نوشتہ بہ درجۂ آفاقیت، انسانی حقوق اور آزادیوں کی ضمانت بن سکتا ہے تو وہ بجز خطبۂ انقلاب، خطبۂ رسالت مآب ﷺ کوئی نہیں اور عرصۂ تاریخ میں اولیت کا تاج صرف خطبۂ حجۃ الوداع کو ہی پہنایا جاسکتا ہے۔

خطبۂ حجۃ الوداع میں دیے گئے حقوق، ضمانتیں اور آزادیاں کسی مرد، ادارہ، کسی اجتماع، گروہ یا حکومت وسلطنت کی منظوری تائید وتجویز سے مشروط نہ تھیں بلکہ اللہ رب العالمین کی حاکمیت کے تحت حاصل کردہ اختیارات سے کام لیتے ہوئے ہادیٔ اعظم سرور عالم ﷺ جس منشور انسانیت کا اجراء فرمارہے تھے وہ اسی لمحے نافذ العمل ہوگیا اور قیامت تک کے لیے ساری انسانیت کے لیے واجب الاذعان قرار پایا۔

انسانیت کے نام آخری پیغام

یہ خطبہ (حجۃ الوداع) اللہ کے آخری رسول کا انسانیت کے نام آخری پیغام اور آخری وصایا کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس خطبۂ عظیم میں ان عظیم الشان اصولوں کا اعلان فرمایا گیا جو عالم انسانیت کی ہمیشہ رہنمائی کرتے رہیں گے۔ (۸۹)

زبانِ رسالت کی اعجاز آفرینی کا نادر نمونہ:

یہ خطبہ زبانِ رسالت مآب ﷺ کی اعجاز آفرینی کا نادر نمونہ ہے۔ جس میں بہ طرزِ ایجاز و اطناب اور بہ کمال جامعیت، دین و مذہب اسلامی کا خلاصہ، تمدن و معاشرت کے اصولوں، نظامِ حیات کی اساسیات، اجتماعی زندگی کی بنیادوں اور اصول و معنوی اقدار کا روشن بیان موجود ہے۔

اسناد، حوالے، حواشی

۱۔ ہدایت، انسان کی روحانی، باطنی ضرورت ہے۔ جس کا اہتمام اللہ رب العالمین نے آدمؑ کے ہبوطِ ارضی کے ساتھ ساتھ فرمایا۔ جس طرح مادی ضروریات کی تسکین کا سامان ماقبل تخلیق فرمادیا تھا۔ (جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیات (۲۱ تا ۳۹) سے متفرع ہوتا ہے)۔ حضرت آدمؑ کو دنیا میں بھیجتے وقت اور ان کے توسط سے ان کی ذریت کو یہ فہمائش کردی گئی کہ جب بھی اللہ (احکم الحاکمین) کی طرف سے کوئی ہدایت (هُدًى) ان تک پہنچے تو اس کی پیروی (ان کے لیے) موجب فوز وفلاح ٹھہرے گی جبکہ (اس ہدایت سے) روگردانی نقصان وخسران پر منتج ہوگی۔ (دیکھیے البقرۃ/ آیات ۳۸، ۳۹) شرعاً ہدایت (ھدی کتاب ورسول سے عبارت ہے چنانچہ تقریباً تمام مفسرین (سلف وخلف) نے یہاں ھُدی کی تعبیر کتاب* ورسولؑ تسلیم کی ہے۔ مثلاً البیضاوی۔ تفسیر (انوار التنزیل مع جلالین بالھامش) مصطفیٰ البابی الحلبی۔ مصر ۱۹۵۱ء/ ج ۱/ص ۴۷، نیز الفیروزآبادی (تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس) مصطفیٰ البابی الحلبی۔ مصر ۱۹۵۱/ ص ۶، نیز الطبری، تفسیر ابن جریر اردو، مطبوع بیت الحکمۃ۔ دیوبند۔ مقدمہ مرقومہ ۱۳۸۲ھ/ ج ۱/ ص ۴۴) نیز النسفی (تفسیر مدارک اردو، مطبوعہ خضرراہ بک ڈپو، دیوبند۔ ت، ط، ن) ج ۱/ ص ۴۰، ۴۱ وغیرہ۔ مشہور برطانوی مستشرق E.H.PALMER (پامر) نے ھدی کا انگریزی میں ترجمہ GUIDANCE کیا ہے۔ جو صحیح ہے دیکھیے: THE KORAN۔ مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لندن ۱۹۵۱ء/ ص ۵۔

۲۔ بادی النظر میں نبی اور رسول میں فرق نہیں۔ دونوں کا تقرر بارگاہِ احدیت سے ہوتا ہے، دونوں کو وحی والہام سے نوازا جاتا ہے۔ تاہم اصطلاحی طور پر نبوت ورسالت میں فرق ہے (وقیل هما مفترقان) رسول، کتاب، صحیفہ، شریعت کا حامل ہوتا ہے جبکہ نبی نہیں ہوتا۔ اس لیے ہر رسول نبی ہی ہوتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ ہدایت انسانی کے لیے آنے والے انبیا و رسل کا یقینی شمار ممکن نہیں۔ البتہ ایک روایت کے مطابق کل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے جن میں سے تقریباً تین سو تیں شرف رسالت سے متمتع ہوئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: عیاض، القاضی ابی الفضل، ایحصبی الاندلسی، الشفا تعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ ۔ مصطفیٰ البابی الحلبی ۔ مصر ۱۹۵۰ء/ ج ا/ص ۱۶۱)

۳۔ پہلے نبی و رسول حضرت آدم علیہ السلام اور آخری حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تھے۔ (ایضاً)

۴۔ سورۃ الحجر، آیت ۱

۵۔ سورۃ النمل، آیت ۲

۶۔ سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷

۷۔ سورۃ النحل، آیت ۳۶

۸۔ سورۃ مریم، آیت ۵۸

۹۔ سورۃ انعام، آیت ۸۴

۱۰۔ سورۃ النمل، آیت ۵۹

۱۱۔ سورۃ ص، آیت ۴۷

۱۲۔ سورۃ فاطر، آیت ۳۲

۱۳۔ سورۃ ص، آیت ۴۸

۱۴۔ سورۃ آل عمران، آیت ۸۴۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۱۳۶

۱۵۔ سورۃ البقرہ، آیت ۲۸۵

۱۶۔ سورۂ البقرہ، آیت ۲۵۳ (تلک الرسل فضّلنا بعضھم علی بعض)

۱۷۔ آنحضرت ﷺ اور دیگر انبیاورسل کے درمیان اور باتوں کے علاوہ بقول قاضی عیاض ایک فرق یہ بھی ہے کہ: وساؤ معجزا الرُّسل انقرضَتْ بانقراضھم وعُدمت بعدم ذواتھا ومعجزة نبینا صلی اللّٰہعلیہ وسلم لا تبید ولا تنقطع وأیاته تتجدد ولا تضمحل. دیکھیے (الشفا/ ج۱/ص۲۴۶)

۱۸۔ گیلانی، مولانا سید مناظر احسن صاحب۔ النبی الخاتم ﷺ۔ احسن برادرز، لاہور ۱۹۶۴ء/ص ۱۳

۱۹۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات وخصوصیات اور دلائل وکرامات پر علمائے سلف میں سے غالباً مفصل ترین اور مستقل تصنیف علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمہ (م/۵۴۴ھ) کی الشفا ہے۔ بعد میں علامہ زرقانی (م/۱۱۲۲ھ) نے المواھب (للقسطلانی/م ۹۲۳ھ) کی شرح میں بڑی تفصیل سے کام لیا ہے۔ (چنانچہ کتاب فی المعجزات والخصائص (ص ۴۷ تا ۲۶۲) مذکور ہے) ملاحظہ ہو: (شرح الزرقانی المالکی علی المواھب اللدینہ۔ المطبعۃ الازھریۃ المصریۃ۔ ۱۳۲۶ھ/ الجزا الخامس)۔ جبکہ اردو میں علامہ قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری نے اپنی مشہور کتاب رحمۃ للعالمین (مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۷۲ء) کی جلد سوم میں باب اوّل (ص ۱۳ تا ۲۷۱) اسی موضوع کے لیے مختص کیا ہے۔

۲۰۔ الفرقان (ا) علامہ ابن کثیر (م/۷۷۴ھ) نے اس آیت کے تحت دو حدیثیں نقل کی ہیں۔ (ا) بعثت الی الاحمرو الاسود۔ اور (ب) انی اعطیت خمسا لم یعطھن احدمن الانبیاء قبلی ...الخ دیکھیے: (ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم۔ دارالاندلس۔ بیروت ۱۹۶۶ء/ ج ۵/ص ۱۳۴) اور علامہ بیضاوی نے (للعالمین) کے معنیٰ (للجن والانس) لکھے ہیں۔ (ملاحظہ ہو: تفسیر/ ج ۲/ص ۱۰۹) اور تفسیر جلالین کے تشریحی الفاظ بھی تقریباً یہی ہیں (ای الانس و الجن دون الملائکۃ) ایضاً بالھامش۔

۲۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: قاضی عیاض (الشفا/ ج ا/ص ۳۶، ۳۷)

۲۲۔ النسآء (۷۹)

۲۳۔ ابن کثیر اس کی تفسیر میں رقم طراز ہیں (ای الی الجمیع الخلائق من المکلفین کقوله تبارك وتعالیٰ.....الخ۔ (ج ۵/ص ۵۵۳) پھر اسی سلسلے میں متعدد احادیث اور اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ مثلاً قال قتادة فی هذاه الآیة: ارسل الله تعالیٰ محمد صلی الله علیه وسلم الی العرب والعجم (ایضاً))

۲۴۔ الاعراف (۱۵۸)

۲۵۔ دیکھیے قاضی عیاض (ج ا/ص ۱۰۰، ۱۰۱)

۲۶۔ صحیح البخاری۔ مطبوعہ مکتبہ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ۔ مصر، قاہرہ ۱۹۵۸ء/ ج ا/ص ۱۱۹

۲۷۔ صحیح مسلم۔ مطبوعہ اصح المطابع، نور محمد کارخانہ تجارت کتب۔ دہلی ۱۹۳۰ء/ جلد ا/ص ۱۹۹

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں (کتاب فی المعجزات والخصائص/المقصد الرابع/ فصل الثانی/ القسم الرابع/ و منها انه اوتی جوامع الکلم و منها انه بعث إلی الناس کافّة) کے تحت بحث واستدلال کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسالت آدمؑ اولاد کے لیے بمنزلہ تربیت وارشاد تھی تاکہ کافر نہ ہو جائے۔ یہی نوعیت رسالت ادریسؑ کی تھی جبکہ متعدد قرآنی آیات کے مطابق حضرت نوحؑ کی بعثت ان کی اپنی قوم کی طرف ہوئی، علامہ زرقانی کے نزدیک حضرت نوحؑ کی دعا (بددعا) میں (لاتذر علی الارض) کے حوالے یا ان کی بعثت میں (إلی اصل الارض) کے حوالوں سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حضرت نوحؑ کی بعثت تمام دنیا کی ہدایت ورہنمائی کے لیے ہوئی تھی، یہ حوالے صرف ثابت کرتے ہیں کہ حضرت نوحؑ (طوفان کے بعد اپنی قوم کے لیے) پہلے رسول تھے۔ کیونکہ ان ہی کے

دور میں دوسرے رسولوں کو دوسری قوموں میں مبعوث کیا گیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: ج ۵/ص ۲۶۱، ۲۶۲) تاریخی طور پر بھی حضرت نوحؑ کا زمانہ اور قومِ نوحؑ کا علاقہ مذہبی و علمی حلقوں میں معلوم و معروف ہے جس سے ان کی رسالت کی عالمگیریت کلیتاً ثابت نہیں ہوتی۔

۲۹۔ سورۃ الروم (۴۷)

۳۰۔ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات وسیرت کے جو حوالے قرآن میں مذکور ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے زمانے میں پیشوائے انسانیت (للناس اماما۔ البقرہ/۱۲۴) تھے۔ انہوں نے ایک مرکز انسانیت کی تعمیر بھی فرمائی۔ لیکن حضرت نے جس عالمگیر مشن کا خواب دیکھا تھا اور جس کی تمنا کی تھی وہ حضور رسالت مآب محمد ابن عبداللہ (ﷺ) کے ہاتھوں مبدل بہ حقیقت ہوا اور آپ ﷺ ہی دعائے ابراہیمی کے مصداقِ حقیقی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کو آزادی دلانے کے مکلف بنائے گئے تھے۔ (دیکھئے کتاب مقدس، پاکستان بائبل سوسائٹی، لاہور ۱۹۵۹ء۔ خروج باب ۲/ آیت ۲۳ تا ۲۵/ص ۵۵) قرآن کی رو سے بھی حضرت موسیٰ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا گیا تھا۔ (ملاحظہ ہو: طٰہٰ (۲۵)، نمل (۱۲)، طٰہٰ (۴۲ تا ۴۸)، اعراف (۱۰۴، ۱۰۵، وغیرہ) بعثت موسوی کے دو مقاصد تھے۔ (i) بنی اسرائیل کو غلامی سے رہائی دلانا اور (ii) فرعون اور اس کی قوم کی اصلاح (دیکھئے: محمد جمیل احمد۔ انبیائے قرآن۔ شیخ غلام علی، لاہور/ طبع اول/ ج ۲/ص ۱۴۵) حضرت عیسیٰؑ کا مشن بھی بنی اسرائیل کی فلاح وصلاح تک محدود تھا۔ کہ "میں اسرائیل کے گھرانہ کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (متی/ باب ۱۵/ آیت ۲۴/ص ۱۹/ نیا عہد نامہ)۔ مزید تقابلی بحث، تفصیلات اور حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو: قاضی سلیمان منصور پوری (رحمۃ للعالمین) ج ۳/ص ۹۰ تا ۹۳، نیز گیلانی (النبی الخاتم) ص ۱۳ تا ۴۲۔ نیز دیکھئے: Kamaludin, Khawaja. The Ideal Prophet.
The waking muslim Mission. Lahore-1925.

(Chap.iv\p.47-55

۳۱۔ علامہ اقبال کے وہ مشہور انگریزی خطبات جو ان کی علمی فکری اور دینی فکر کے غماز ہیں، ان کا زمانہ تخلیق نو سالوں کو محیط (۱۹۲۴ء تا ۱۹۳۲ء) ہے۔ ان کے چھ خطبے پہلے پہل ۱۹۳۰ء میں لاہور سے شائع ہوئے۔ ساتواں خطبہ ۱۹۳۲ء میں تیسری گول میز کانفرنس لندن کے دوران لکھا۔ ساتوں خطبات ۱۹۳۴ء میں لندن سے شائع ہوئے۔ ان خطبات کے کئی زبانوں میں تراجم ہوئے۔ خطبات کا مکمل (پہلا) اُردو ترجمہ سید نذیر نیازی نے کیا۔ اقبال کا پانچواں خطبہ ''اسلامی ثقافت کی روح'' ہے۔ دیکھئے: سید نذیر نیازی۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ۔ ادرہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۵۸ء/ص ۱۸۸ تا ۲۲۲)

۳۲۔ ڈاکٹر محمد ریاض۔ خطبات اقبال (تعارف) ماہنامہ فکر و نظر۔ اسلام آباد/ ج ۲۷/ شمارہ ۲۵ (جنوری تا مارچ ۱۹۹۰ء)، ص ۹۱

۳۳۔ چنانچہ اسلام دین کائنات ہے: آل عمران (۸۵، ۱۸۳)، یوسف (۴۰)، روم (۳۰)

۳۴۔ بقرہ (۱۸۵)، نساء (۱۰۵)، انعام (۹۰)، ص (۸۷)، الزمر (۴۱)، القلم (۵۲)، مدثر (۳۱)، عبس (۱۱)، التکویر (۲۷)، علامہ اقبال نے کہا اور خوب کہا ہے۔

آں کتاب زندہ قرآن حکیم | حکمت اولا یزال است و قدیم
حرف او را ریب نے تبدیل نے | آیہ اش شرمندۂ تاویل نے
نوع انسانی را پیامِ آخریں | حامل او رحمۃ للعالمیں

۳۵۔ مائدہ (۶۷، ۹۹)، عنکبوت (۱۸)، تغابن (۱۲)، اعراف (۲۲، ۲۸، ۹۳)، الجن (۲۳)، نحل (۳۵)۔

۳۶۔ بقرہ (۱۲۹، ۱۵۱)، آل عمران (۱۶۴)، جمعہ (۲)، زمر (۷۱)

۳۷۔ نحل (۱۵)

۳۸۔ بقرہ (۱۱۹)، اسراء (۱۰۵)، فرقان (۲۲)، احزاب (۴۵)، فاطر (۲۴)، فتح (۸)۔

۳۹۔ توبہ (۳۲)، الفتح (۲۸)، الصف (۹)

۴۰۔ نساء (۵۸، ۱۰۵)، حدید (۲۵)

۴۱۔ توبہ (۱۲۸)، کہف (۶)، انبیاء (۱۰۷)، شعراء (۳)، صحیح مسلم (کتاب الفضائل باب شفقتہ صلی اللہ علیہ وسلم علی امتہ) کی ایک حدیث میں آپ ﷺ نے امت کے لیے اپنی عنایت شفقت کو ایک تمثیل سے بیان فرمایا ہے۔ (انما مثلی و مثل امتی کمثل جل استوقد ناراً فجعلتہ الدّوآب والفراش یقعن فیہ.....الخ) ملاحظہ ہو صحیح مسلم

۴۲۔ سورۂ الاحزاب، آیت ۲۱

۴۳۔ سورۂ نساء، آیت ۱۶۵

۴۴۔ سورۂ انشراح، آیت ۹

۴۵۔ آپ ﷺ کو حکم تھا: فاصبر کما صبر الوالعزم من الرّسل (الاحقاف/ ۳۵) چنانچہ آپ ﷺ نے اس کا بھرپور مظاہرہ فرمایا۔

۴۶۔ قرآن میں رسولوں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے کا مقصد یہ بتایا گیا کہ لوگ ''عدل اور قسط'' سے ہمکنار رہوں (الحدید/ ۲۵) سید الرسل نے ان مقاصد کو بدرجۂ اتم پورا فرمایا۔

۴۷۔ ریاست نبوی ﷺ کی تاسیس اھ (۶۲۲-۲۳ء) میں ہوئی اور ۹ھ (۶۳۰-۳۱ء) تک وہ آقائے عرب میں (۱۰ لاکھ مربع میل سے زائد رقبہ تک) پھیل گئی۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: نثار احمد، ڈاکٹر، عہدِ نبوی میں ریاست کا نشو و ارتقاء۔ ادارہ فروغ اردو، لاہور (نقوش رسول نمبر، لاہور/ دسمبر ۱۹۸۳ء/ ج ۵/ شمارہ ۱۳۰)

۴۸۔ اس غلبے کا وعدہ خود اللہ نے فرمایا تھا (المجادلۃ ۲۴) اور فتح مکہ کے موقع پر خود رسول

اکرم ﷺ نے اپنے (ایک) خطبہ کی ابتداء ہی میں فرمایا تھا: لا الٰه إلا الله وحدهٗ لا شریك لهٗ صدق و عدهٗ و نصر عبدهٗ و هزم الاحزاب وحدهٗ (دیکھئے ابن ہشام السیرۃ النبویۃ/مصطفٰی البابی الحلبی ،مصر/ ۱۹۲۶ء/ ج ۴/ص ۵۴)

۴۹۔ النحل (۳۵)، عنکبوت (۱۸)، یٰسین (۱۷)، احقاف (۲۳) وغیرہ۔

۵۰۔ وہ بھی اس شان سے کہ جس کی دعا اور تمنا خود حضرت مسیح علیہ السلام نے اس طرح فرمائی کہ ''تیرا نام پاک مانا جائے تیری بادشاہی آئے، تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو۔ (دیکھئے کتاب مقدس/عہد نامہ جدید، متی/ باب ۶/ آیت: ۱/ص ۹)

۵۱۔ اس پر کم وبیش اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ (مطابق ۲۲ فروری ۶۳۲ء) کو ہفتہ (سنیچر) کے دن مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تھے۔ چنانچہ بقول ابن ہشام (خرج رسول الله صلی الله علیه وسلم الی الحج لخمس لیالٍ بقین من ذی القعده۔ (ج ۴/ص ۲۴۸)) واقدی کے ہاں بھی الفاظ کم وبیش یہی ہیں (ملاحظہ ہو: الواقدی، محمد بن عمر، کتاب المغازی، مطبعۃ جامعۃ آکسفورڈ۔ لندن ۱۹۶۶ء ج ۳/ص ۱۰۸۹) نیز ابن سعد (الطبقات الکبریٰ۔ دار صادر، بیروت ۱۹۵۷ء/ ج ۲/ ۱۷۳) اور ابی الفداء (کتاب المختصر فی اخبار البشر۔ المطبعۃ الحسینیہ۔ مصر/طبع اول/ ج ۱/ص ۱۵۰) وغیرہ نے بھی یہی لکھا ہے۔ مولانا عبدالقدوس ہاشمی (م/ ۱۹۸۹ء) کی کتاب تقویم تاریخی (مطبوعہ مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی، کراچی ۱۹۶۵ء/ص ۳) سے بھی اسی (تاریخ و دن) کا تعین ہوتا ہے۔ جبکہ مولوی اسحٰق النبی علوی کی تحقیق و بیان کے مطابق وسٹنفیلڈ نے ذی قعدہ ۱۰ھ کی پہلی تاریخ کو چہار شنبہ قرار دیا ہے جس کی رو سے ۲۵ کو ٹھیک ہفتہ ہی آتا ہے جو روایات کے عین مطابق ہے (نقوش رسول نمبر۔ ادارہ فروغ اردو، لاہور/ شمارہ ۱۳۰/ ۱۹۸۲ء/ ج ۲/ص ۱۹۸) مولوی اسحٰق صاحب مزید لکھتے ہیں ''روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سال حج جمعہ کو ہوا تھا یعنی جمعہ کے دن ۹ تاریخ تھی۔ مکہ مکرمہ میں ذوالحجہ کا چاند ۲۹ کو تسلیم کر کے پہلی تاریخ پنجشنبہ کی قرار دی گئی تھی اور حج اس

حساب سے رکھا گیا تھا۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے جن کو علوم نجوم میں کافی دسترس حاصل تھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ نجومی حساب کی رو سے ۹ کو جمعہ نہیں پڑتا مگر ان کا خیال ہے کہ اس سال اللہ کی قدرت کاملہ سے ممکن ہے کہ باقاعدہ رؤیت ہوئی ہوتا، کہ پیغمبر اسلام ﷺ کا یہ حج جمعہ کے مقدس دن میں ہو سکے۔" (ایضاً /ص ۱۹۹) معلوم نہیں مولانا غلام رسول مہر نے اپنے مضمون "حجۃ الوداع" میں حضور ﷺ کی مدینہ منورہ سے روانگی ۲۶ ذی قعدہ ۱۰ھ کو ہفتہ کے روز (بمطابق ۲۳ اپریل ۶۳۲ء) کس حساب کی رو سے درج کی ہے؟ (ملاحظہ ہو: سیرت پاک (ماہ نو کی خصوصی اشاعتوں کا انتخاب) ادارہ مطبوعات پاکستان، کراچی ۱۹۶۶ء/ص ۱۶۷)

۵۲۔ جبل حجون سے متصل ایک (گھاٹی) پہاڑی راستہ بیرونِ مکہ سے اندرون مکہ کو اترتا ہے اس کو کداء کہتے ہیں۔ حج وعمرے کے لیے اسی طرف سے مکے میں داخل ہونے کو مستحب قرار دیا گیا ہے۔ حضور ﷺ اسی راستے سے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تھے۔ (رابع حسنی۔ جزیرۃ العرب۔ مطبوعہ مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۸۴ء/ ص ۲۹۔۲۲۸) کدی۔ جبل قعیقعان (جبل ہندی) سے مغربی جانب سے تنعیم کے رخ پر جانے والے راستے پر پڑنے والی گھاٹی ہے اس کے شمال میں ذی طوی ہے۔ اس کا محلہ الشبکیہ ہے۔ حج وعمرہ کر کے واپس جانے والے کے لیے یہی راستہ مستحب بتایا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے مکہ سے واپسی اس راستے سے کی تھی۔ (ایضاً /ص ۲۲۹)

۵۳۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کا داخلہ ۴ ذی الحجہ بروز اتوار مکہ کی بالائی حصہ یعنی کداء سے ہوا۔ ملاحظہ ہو (ابن حزم، جوامع السیرۃ۔ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور/طبع اول/ص ۲۲۹) استاذ احمد عبدالغفور عطار نے اپنی کتاب حجۃ النبی ﷺ واحکام الحج والعمرۃ۔ (من منشورات وزارۃ الحج و لاوقاف، المملکۃ العربیہ السعودیۃ۔ مکہ ۱۹۷۶ء) میں اگرچہ حجۃ النبی ﷺ کے سلسلے میں کافی تفصیل سے کام لیا ہے (ص ۲۷ تا ۳۳۸) اور احوال جدیدہ کی بھی نشاندہی کر دی ہے، لیکن حجۃ

الرسول بالتاریخ الہجری والمیلادی (ص ۳۴۶ تا ۳۴۸) کے تحت جو تطابق، توافق، جدول مرتب کی ہے اس میں جنوری فروری اور ۶۳۰، ۶۳۱ء کا تطابق ناقابل فہم ہے۔

۵۴۔ الاستاذ علی حسب اللہ کی کتاب ملاحظہ ہو: الرسول یعلم الناس مناسکھم فی حجة الوداع، مکة المکرمة ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء (طبع ثانی)

۵۵۔ مزید تفصیلات اور حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو: نثار احمد، ڈاکٹر (عہد نبوی میں ریاست) ص ۱۷ تا ۳۱

۵۶۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۝ (الروم/۴۱)

۵۷۔ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَاط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۝ (آل عمران/۱۰۳)

۵۸۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ج اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۝ (الانفال/۲۴)

۵۹۔ المائدہ (۹۹)

۶۰۔ ایضاً (۶۷)

۶۱۔ عام طور پر مؤرخین اور اصحابِ سیر یہ بیان کرتے ہیں کہ علی الاعلان تبلیغ رسالتِ نبوی ﷺ کا نقطۂ آغاز خطبۂ کوہِ صفا تھا۔ جو حضور ﷺ نے تین سالہ خفیہ تبلیغ کے بعد ارشاد فرمایا تھا۔ خطبۂ کوہ صفا سے پہلے تین سالہ مدت (کا گزر جانا، اور اس دوران) خفیہ تبلیغ کا سلسلہ جاری رہنا ہمارے نزدیک بہت عجیب بات ہے۔ کیونکہ کسی نبی یا رسول کا کوئی خفیہ مشن نہیں ہوتا۔ خفیہ تبلیغی مساعی کی توجیہ (اگر اسے مانا جائے) دو طرح ہوسکتی ہے۔ ایک بر بنائے مصلحت (جو مداہنت یقیناً نہ ہو، نہ ایسی کہ سالہا سال پر محیط ہو جائے) دوسرے بر بنائے خوفِ تکذیب و تعذیب (جو شانِ شایانِ رسالت نہیں

ہوسکتا)۔ ان توجیہات کی تائید قرآن و حدیث کی تعلیمات اور تاریخی واقعات سے نہیں ہوتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وحیٔ الٰہی کی روشنی میں تبلیغ رسالت کا کام بتدریج آگے بڑھتا رہا اور نظری، فکری، اور تہذیبی وسعتیں پاتا رہا۔ ممکن ہے خطبۂ کوہِ صفا کا مرحلہ ابتدائی ایام، شہور میں ہی پیش آ گیا ہو، پھر جیسے جیسے دعوت و تبلیغ میں ترقی ہوتی رہی ابتلا و آزمائش کے معاملات میں بھی تیزی پیدا ہوتی گئی۔ (ھذا من عندی والعلم عند اللہ)

۶۲۔ پرویز نے مکۃ المکرّمۃ کو 'محطۂ نشر الصوت (Broadcasting station) سے تعبیر کیا ہے جو عہد جدید کے حوالے سے معنی خیز ہے۔ (دیکھئے پرویز، غلام احمد، معراجِ انسانیت، ادارہ طلوع اسلام، لاہور ۱۹۶۸ء/ ص ۳۸۹)

۶۳۔ مسلم کی مشہور حدیث جابر سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ کوکبۂ نبوی ا کے جلو میں آغازِ سفر حجۃ الوداع سے ہی انسانوں کا سیل رواں ساتھ چل رہا تھا۔ پھر دوران سفر مکہ معظمہ میں قیام کے دوران اور پھر میدانِ عرفات میں پروانوں کا ہجوم کتنا کچھ نہ بڑھا ہوگا۔ مولانا قاضی سلیمان منصور پوری نے لکھا ہے کہ "اس وقت ایک لاکھ چوالیس ہزار (یا چوبیس ہزار) کا مجمع ہمہ تن حاضر تھا۔" (رحمۃ للعالمین/ ج ۱/ ص ۳۰۰)

۶۴۔ صحیح مسلم/ ج ۱/ ص ۳۹۷

۶۵۔ ایضاً

۶۶۔ سورۃ النحل، آیت ۱۲۵

۶۷۔ ڈیوڈل، ملیس (مرتبہ) انٹرنیشنل انسائیکلوپیڈیا آف دی سوشل سائنسز۔ میکملن، لندن/ ۱۹۷۲ء/ ج ۳/ ص ۲۴

۶۸۔ سورۃ القلم، آیت ۴

۶۹۔ سورۃ حٰم السجدہ، آیت ۳۳، ۳۴

۷۰۔ النصر (۲)۔ قبول اسلام کا یہ منظر، جبکہ لوگ اسلام میں فوج درفوج داخل ہوئے، (یہ

خلون فی دین اللہ افواجا) ایک تو صلح حدیبیہ (۶ھ) کے بعد پیدا ہوا۔ یہی صلح حدیبیہ پھر فتح مکہ (۸ھ) کا دیباچہ ثابت ہوئی۔ اور سورۃ الفتح میں اسی کو ''فتح مبین'' (الفتح/۱) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک رائے کے مطابق سورۃ النصر کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا۔ (الرازی/التفسیر الکبیر/الجامع الازھر، مصر/الطبعۃ الاولیٰ۔ الجزء الحادی والثلاثون/ص۱۶۴)) پھر دوسری بار قبول اسلام کی (یہ کثرت و کیفیت) فتح مکہ کے نتیجہ میں ظاہر ہوئی۔ علامہ فخر الرازی نے سورۃ النصر کی بحث میں لفظ نصر اور فتح کے حوالے سے لکھا ہے کہ نصر الاعانۃ علی تحصیل المطلوب ہے جبکہ فتح تحصیل المطلوب ہے۔ نیز نصر کمالِ دین ہے اور فتح کمالِ دنیا و اتمام نعمت (ملاحظہ ہو: ایضاً/ص۱۵۱) حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ فتح تو دراصل فتح مکہ ہے کہ یہی فتح ایسی ہے جسے ''فتح الفتوح'' کہا جا سکتا ہے (ایضاً/الرازی/ص۱۵۳)

۷۱۔ عبید الاکبر، ممتاز المحدثین، مولانا اے ایم جی ایم محمد۔ "The Orations of Muhammad (S.A.W)" ۔ مطبوعہ/شیخ محمد اشرف، لاہور/۱۹۶۶/ص۷۶۔ بحوالہ بخاری، نسائی، مشکوۃ وغیرہ۔

۷۲۔ سنن ابی داؤد، کتاب المناسک میں حضرت عبدالرحمٰن بن معاذ التیمی سے روایت ہے: **قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم و نحن بمنیٰ ففتحت اسماعنا حتی کنا نسمع ما یقول و نحن فی منازلنا۔** (دیکھئے: سنن ابی داؤد/مطبوعہ میر محمد، کراچی/۱۳۶۹ھ/ص۲۷۰)

۷۳۔ المائدہ (۳)۔ مفسرین، محققین اور مؤرخین کا اتفاق ہے کہ سورۂ مائدہ کی یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر ہی نازل ہوئی۔ (ابن سعد کے مطابق: **قال نزلت و ھو واقف بعرفة**۔ دیکھئے/ج۲/ص۱۸۸)

۷۴۔ حوالے کے لیے ملاحظہ ہو اگلے صفحات میں متن خطبہ اور حوالہ و تخریج

۷۵۔ ملاحظہ ہو: کتاب مقدس۔ یسعیاہ/باب ۵۹/آیت ۲۱/ص۷۰۸

۷۶۔ المائدہ (۳)

۷۷۔ ملاحظہ ہو: Brownlie, Lan- (Ed) Basic Documents on Human Rights Clarendon Preas Oxford. 1971\p.106 ۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے ضمیمہ نمبر ۲ عالمی منشور حقوق انسانی۔ اقوام متحدہ (دستاویز)

۷۸۔ صلاح الدین، محمد۔ بنیادی حقوق/ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور/ ۱۹۷۷ء/ص ۹۶

۷۹۔ ایضاً /ص ۹۴، بحوالہ Brohi, A.K.United nations and the Human Right (1968\p.44)

۸۰۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: Marsh, Henry. Documents of Liberty David and Charles Newton abbot. England. 1971\p.35-40

۸۱۔ تاریخی تفصیلات کے مطابق جان نے تخت شاہی پر قدم رکھا تو ملکی حالات سخت مخدوش تھے۔ رچرڈ کی وفات کے بعد شہنشاہِ فرانس نے انگلستان کے فرانسیسی مقبوضات کو تاخت و تاراج کر ڈالا تھا چنانچہ ۱۲۰۴ء تک شاہِ انگلستان کی تحویل سے بہت سے علاقے نکل چکے تھے اور رود بار کے کچھ جزائر اور صوبہ Gascony پر قبضہ باقی رہ گیا تھا۔ ۱۲۰۸ء میں پوپ ایک حکم امتناعی کے ذریعہ تمام کلیساؤں کو بند کر چکا تھا اور فرانس کے فلپ اغطس کو انگلستان آنے کی دعوت دے چکا تھا۔ ادھر جاگیردار امرا اپنے مطالبات منوانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور مسلح مزاحمت کرتے ہوئے ۱۷ مئی ۱۲۱۵ء کو لندن پر قبضہ کر کے شہنشاہ جان کو مذاکرات پر مجبور کر چکے تھے جو ونڈسر کے قلعے میں پناہ گزیں تھا۔ مختلف مرحلوں کے بعد بالآخر ایک دستاویز لکھی گئی اور پھر اس کی بنیاد پر میگنا کارٹا کا اجرا عمل میں آیا۔ (Marsh/ص ۳۵، ۴۰ ملخصاً)

۸۲۔ اس منشور کا اجرا کر کے اور باغی عناصر اور امرا کے جوش و جذبے کو ٹھنڈا کر کے شہنشاہ جان دراصل اتنی مہلت حاصل کرنا چاہتا تھا کہ وہ ایک طرف تو اس دوران مذہبی پیشواؤں، پاپاؤں کو ہموار کر سکے اور دوسری طرف اپنے اقتدار کو جتنا ہو سکے پھر

بحال کر لے۔ ان منفی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے کچھ مثبت حقوق اور آزادیوں کا اعلان گویا ایک طرح کی ''سیاسی رشوت'' یا نمائشی اعلان اور بلیک میلنگ ہی کہی جا سکتی ہے۔ چنانچہ اس منشور کے سرنامے میں کہا گیا ہے کہ اس کا اجرا ''مقدس کلیسا کی عظمت و جلال کے لیے، مذہبی پیشواؤں کی ہدایت پر اور اپنے مطیع و فرمانبردار باشندوں (یعنی امرا) کی خاطر عمل میں آیا ہے (دیکھئے مارش/ص ۴۰) جبکہ اسی منشور کی دفعہ ۶۱ میں (اصل پردہ اٹھاتے ہوئے) کہا گیا ہے کہ یہ تمام آزادیاں اور مراعات اس تنازعے کو ختم کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں جو بادشاہ اور امرا (Barons) کے درمیان پیدا ہوا تھا۔ پھر اسی دفعہ میں امرا کے اختیارات کی بھی تفصیل درج ہے (دیکھئے ایضاً / ۴۹) منشور کے ان ہی مخصوص مقاصد اور نوعیت کے پیش نظر پروفیسر Mekechnie نے لکھا ہے کہ ''مسٹر جینکس کی دلیل کے مطابق منشور دراصل امرا (Barons) کی خود غرضی کی پیداوار تھا اور جس میں صرف ذاتی غرض کارفرما تھی نہ کہ دوسروں کی غرض یا قومی مفاد۔ دیکھئے (Gense, T.H England History (part I) from the earliest times to the tender period. (1485). Maemillov & Co. Dondon. 1936\p.150.

ہین کے نزدیک یہ منشور امراء کی طرف سے بادشاہ کے اختیارات کو محدود کرنے اور خود اس کی جگہ لینے کی ایک کوشش تھی۔ (ایضاً / ص ۴۷) پروفیسر میک کینی کے خیال میں یہ ایک قانونی بغاوت کا اظہار تھا (ایضاً / ص ۴۰) مینگلی کی رائے میں اس منشورِ اعظم نے فتنہ و فساد کو ''قانونی نراج'' (Legal Anarchy) کے اصول کو تقویت بخشی (ایضاً / ص ۴۷)

۸۳۔ اس زمانہ کے تاریخی حالات و واقعات سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ میگنا کارٹا ایک وقتی حل کی حیثیت رکھتا تھا۔ چنانچہ بدنیتی ملاحظہ کیجئے کہ ۱۲ جون ۱۲۱۵ء کو ''رنی میڈ''

(Runny mede) میں دستاویز پر دستخط ثبت کرنے کے بعد سے ہی شہنشاہ جان نے خود اس کو معطل کرنے کی تدبیریں شروع کر دی تھیں، یہاں تک کہ اس نے پوپ کو بھی راضی کر لیا کہ بادشاہ کی خواہش کا احترام کیا جائے گا۔ بالآخر منشور کو معطل ٹھہرا دیا گیا۔ اس واقعے پر امرا نے پھر ہتھیار سنبھال لیے اور شہنشاہ فرانس کے سب سے بڑے بیٹے اور وارث تخت (لوئی) کو انگلستان آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ لوئی ہشتم ۱۲۱۶ء کو بغیر کسی مزاحمت کے لندن میں داخل ہو گیا۔ جان کا انتقال اسی سال ہوا۔ (ملاحظہ ہو Gense /ص ۱۴۷۔ نیز دیکھیے Webster's Biographical Dictionary. Marriam. & Co.USA\p 920. U.S.A) ان تمام حقائق کے باوجود یہ باور کیا جاتا کہ بادشاہ اور انگریز عوام کے درمیان یہ (میگنا کارٹا) ایک عظیم معاہدہ تھا اور انگریزوں کی بنیاد ثابت ہوا (Gense /ص ۱۵۰۔۱۴۹) کیسا مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار! یہاں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی یہ تصریح بھی یاد رہے کہ یہ مشہور ترین اور مؤثر ترین حقوقِ انسانی فراہم کرنے والی دستاویز تھی۔ (ج ۸/ص ۱۱۸۳) نیز دیکھیے (ضمیمہ نمبر ۳)

۸۴۔ یہ اس دور کی بات ہے جبکہ مسلمانوں کی سیاسی اور سماجی برتری کا دور ختم ہو چکا تھا اور وہ جگہ جگہ زوال و انتشار کا شکار تھے۔ ادھر صلیبی جنگوں کے نتیجہ میں عیسائی دنیا سے آویزش ایک نیا رخ اختیار کر چکی تھی (پانچویں صلیبی جنگ کا معرکہ کارزار اس وقت بھی گرم تھا) اور عباسی، سلجوقی، زنگی، ایوبی، اور مملوکی، حکمران اگرچہ دشمنانِ اسلام کے خلاف ہنوز صف آرا تھے تاہم زوال و انتشار کا شکار تھے۔

۸۵۔ ملاحظہ ہو: Brownlie (بیسک ڈاکومینٹس آن ہیومن رائٹس/ص ۸) مزید دیکھیے (ضمیمہ نمبر ۴)، اعلانِ حقوقِ انسانی و باشندگان۔ فرانس ۱۷۸۹ء

۸۶۔ ایضاً

۸۷۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: Douglas, William, A Living Bill of)

(Rights- 1961 کا عربی ترجمہ۔ مطبوعہ۔ دارالکرنک للنشر و الطبع والتوزیع، قاہرہ/ ۱۹۶۵ء

۸۸۔ دیکھئے: Brownlie/ ص ا۔ نیز ملاحظہ (ضمیمہ نمبر ۵)، نوشتہ حقوق امریکہ/ ۱۷۹۱ء

۸۹۔ عبداللہ، ڈاکٹر سید محمد و دیگر (مرتبہ) اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور ۱۹۷۳ء/ ص ۹۷۵

ضمیمہ۴ :۔

عالمی منشور حقوقِ انسانی

اقوامِ متحدہ۔دسمبر ۱۹۴۸ء

تعارف :

یہ منشور دراصل وہ اعلان ہے جو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو زیر بحث آیا اور منظور ہوا (۱) یہ منشور کل (۳۰) دفعات پر مشتمل ہے اور جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ یہ انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے کی جانے والی کوششوں کی معراج ہے۔ (۲)

منشور، متن (۳):

۱۔ تمام انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور منصب و مرتبے اور حقوق کے معاملے میں سب برابر ہیں۔ وہ عقل و ضمیر سے بہرہ ور ہیں، اس لیے ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے برادرانہ جذبے کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔

۲۔ ہر فرد، کسی بھی قسم کے لحاظ و امتیاز کے بغیر تمام حقوق و آزادیوں کا مستحق ہوگا جو اس منشور میں عطا کی گئی ہیں۔ مثلاً نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب، سیاسی یا دوسرے نظریات، قومی یا سماجی حیثیت، ملکیت، پیدائش یا دوسرے امتیازات۔ مزید برآں اس بنا پر بھی امتیاز نہیں برتا جائے گا کہ کوئی شخص جس ملک یا خطے و علاقے سے تعلق رکھتا ہے اس کی سیاسی قانونی یا بین الاقوامی حیثیت کیا ہے۔ وہ ملک آزاد و خود مختار ہے، زیر تولیت ہے، حکومت غیر خود اختیاری یا کسی محدود اختیار کے تحت ہے۔

۳۔ ہر ایک کو زندہ رہنے، آزادی سے زندگی بسر کرنے اور شخصی تحفظ کا حق حاصل ہے۔

۴۔ کسی بھی شخص کو غلام یا محکوم نہ بنایا جائے گا۔ غلامی اور غلاموں کی تجارت کی ہر قسم ممنوع متصور ہوگی۔

۵۔ کسی بھی شخص کو تشدد، ظلم وستم، غیر انسانی یا توہین آمیز سلوک وسزا کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔

۶۔ ہر ایک فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ قانون کی رو سے ہر جگہ اس کی شخصی حیثیت و انفرادیت تسلیم کی جائے۔

۷۔ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بلا کسی لحاظ و امتیاز کے یکساں قانونی تحفظ کے حقدار ہیں۔ نیز وہ ہر اس امتیاز کے خلاف بھی یکساں تحفظ کا حق رکھتے ہیں جو اس منشور کی خلاف ورزی پر مبنی ہو یا جہاں اس قسم کے امتیاز کی تحریص وترغیب پائی جائے۔

(۸) ہر فرد کو آئین یا قانون کے ذریعہ ملنے والے بنیادی حقوق کے منافی قوانین کے خلاف بااختیار قومی ٹریبونل کے ذریعہ مؤثر چارہ جوئی کا حق حاصل ہے۔

(۹) کوئی شخص بلا جواز گرفتاری، نظر بندی، یا جلا وطنی کا مستوجب نہیں ہوگا۔

(۱۰) ہر شخص کو اپنے بنیادی حقوق وفرائض کے تعین یا اپنے خلاف عائد کردہ الزامات سے برأت کے لیے آزاد وخود مختار اور غیر جانبدار ٹریبونل میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا یکساں حق حاصل ہوگا۔

(۱۱) (i) ہر ایک فرد جس پر تعزیری جرم کا الزام ہے، اس بات کا مستحق ہے کہ اسے بے قصور گردانا جائے تاآنکہ اسے کسی کھلی عدالت میں قانون کے مطابق مجرم ثابت کر دیا جائے۔ جہاں اسے اپنی صفائی کی تمام ضروری ضمانتیں فراہم کی گئی ہوں۔

(ii) کسی فرد کو نہ کسی ایسے ارادی یا غیر ارادی فعل کی بنا پر قابل تعزیر جرم کا مرتکب قرار دیا جا سکے گا جو اپنے وقوعے کے وقت کسی قومی یا بین الاقوامی قانون کے تحت قابل تعزیر نہ سمجھا جا سکے۔ نہ ہی کوئی جرمانہ یا تاوان اس سے زیادہ عائد کیا جا سکے گا،

جوارتکاب جرم کے وقت قابل اطلاق تھا۔

(۱۲) کسی فرد کی خلوت، گھر بار، خاندانی معاملات اور خط و کتابت میں بلا جواز مداخلت نہیں کی جاسکے گی اور نہ اس کی عزت وشہرت کو مجروح کیا جائے گا۔ ہر ایک فرد اس قسم کی بے جامداخلت یا جراحت کی صورت میں قانونی تحفظ کا حقدار ہے۔

(۱۳) (i) ہر فرد کو اس کی اپنی ریاست کے حدود میں نقل وحرکت اور رہائش کی مکمل آزادی حاصل ہوگی۔

(ii) ہر فرد کو حق حاصل ہے کہ کسی بھی ملک کو بشمول اس کے اپنے ملک کو چھوڑ کر چلا جائے اور پھر اپنے ملک واپس پہنچ جائے۔

(۱۴) (i) ہر فرد کو ظلم وتشدد سے بچنے کے لیے دوسرے ممالک میں پناہ لینے کا حق حاصل ہے۔

(ii) غیر سیاسی جرائم یا اقوام متحدہ کے اصول ومقاصد کے منافی اعمال کے سلسلے میں مقدمات سے بچنے کے لیے یہ حق البتہ کارآمد نہ ہوگا۔

(۱۵) (i) ہر فرد کو حق شہریت حاصل ہے۔

(ii) کسی فرد کو بلا جواز اس کی شہریت سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ شہریت کی تبدیلی کا حق اس سے سلب کیا جائے گا۔

(۱۶) (i) ہر بالغ مرد اور عورت کو بلا امتیاز نسل، شہریت و مذہب شادی کرنے اور گھر بسانے کا حق حاصل ہے۔ اور دونوں رشتۂ ازدواج قائم کرنے میں، ازدواجی زندگی بسر کرنے میں اور ازدواجی حیثیت ختم کرنے میں برابر برابر حق رکھتے ہیں۔

(ii) رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے لیے زن وشوہر کی مکمل آزادانہ مرضی ومنظوری ضروری ہوگی۔

(iii) خاندان معاشرہ کا بنیادی اور فطری رکن ہے۔ جسے ریاست اور معاشرہ دونوں کی طرف سے مکمل تحفظ وسلامتی کی ضمانت حاصل ہے۔

(۱۷) (i) ہر فرد کو تنہا یا دوسروں کے ساتھ مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(ii) کسی کو بلا جواز اس کی ملکیت سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

(۱۸) ہر فرد کو فکر و خیال، ضمیر، عقیدہ و مذہب کی آزادی حاصل ہے۔ اور اس حق میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ اپنے عقیدہ یا مذہب کو تنہا، یا دوسروں کی معیت میں خلوت میں یا جلوت میں تبدیل کر سکے اور اپنے عقیدے و مذہب کا اظہار، اس کی تعلیم، اس کے مطابق عمل، عبادت اور تبلیغ و اشاعت کر سکے۔

(۱۹) ہر فرد کو آزادیٔ خیال و اظہار کا حق حاصل ہے اور اس میں کسی مداخلت کے بغیر، کسی بھی ذریعے سے اور سرحدوں کا لحاظ کیے بغیر، کوئی بھی رائے یا خیالات رکھنے، معلومات حاصل کرنے اور پہنچانے کا حق بھی شامل ہے۔

(۲۰)۔ (i) ہر فرد کو پرامن اجتماع اور تنظیم کا حق حاصل ہے۔

(ii) کسی فرد کو کسی خاص تنظیم سے تعلق رکھنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

(۲۱) (i) ہر فرد کو حق حاصل ہے کہ وہ براہِ راست یا منتخب نمائندوں کے ذریعہ اپنے ملک کی حکومت میں شرکت کرے۔

(ii) ہر فرد کو اپنے ملک کی سرکاری ملازمت کے حصول کا حق مساوی طور پر حاصل ہے۔

(iii) حکومت کے اختیار کی اصل بنیاد عوام کی خواہش و رضامندی ہوگی۔ اس کا اظہار معین وقت پر، صحیح جائز، انتخابات کے ذریعہ، آزادانہ رائے شماری اور خفیہ رائے دہی یا اس کے مماثل طریقہ کار کے مطابق ہوگا۔

(۲۲) ہر فرد کو رکن معاشرہ ہونے کی حیثیت سے سماجی تحفظ کا حق حاصل ہے۔ اور قومی مساعی اور بین الاقوامی تعاون کے ذریعہ اور ہر ریاست کے اپنے وسائل کے مطابق معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کا بھی حقدار ہے۔

(۲۳) (i) ہر فرد کو کام کرنے، اپنی مرضی کا پیشہ اختیار کرنے، بہتر اور منصفانہ شرائط کار

حاصل کرنے اور بیروزگاری سے تحفظ پانے کا حق حاصل ہے۔

(ii) ہرفرد، بلاامتیاز، یکساں کام کی یکساں اجرت پانے کا حقدار ہے۔

(iii) ہرفرد کو بہتر اور منصفانہ معاوضہ حاصل کرنے کا حق ہے جو اس کی ذات اور اس کے خاندان کے لیے باعزت زندگی بسر کرنے کی ضمانت فراہم کر سکے، اور ضرورت پڑنے پر اس کے سماجی تحفظ کے لیے کچھ دوسرے ذرائع بھی مہیا کیے جائیں۔

(iv) ہرفرد کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ٹریڈ یونین بنانے اور ان میں شرکت کرنے کا حق حاصل ہے

(۲۴) ہرفرد کو راحت و آرام، تفریح، اوقات کار کے معقول تعین اور تنخواہ کے ساتھ چھٹیوں کا حق حاصل ہوگا۔

(۲۵) (i) ہرفرد کو اپنی اور اپنے اہلِ خاندان کی صحت و خوشحالی کے لیے ایک معقول معیارِ زندگی برقرار رکھنے کا حق حاصل ہے۔ جس میں خوراک، لباس، رہائش، طبی امداد، ضروری سماجی خدمات شامل ہیں۔ نیز یہ استحقاق بھی اسے حاصل ہے کہ بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپے اور ایسے حالات میں جو اس کے قابو سے باہر ہوں، اسے تحفظ فراہم کیا جائے۔

(ii) اموبیت یا مادریت اور شیرخوارگی، خصوصی توجہ اور امداد کی مستحق ہے۔ اور تمام بچوں کو خواہ وہ جائز ہوں یا ناجائز، یکساں سماجی تحفظ حاصل ہوگا۔

(۲۶) (i) ہرفرد کو حصول تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم ازکم اساسی اور ابتدائی مراحل میں مفت ہوگی۔ بنیادی تعلیم لازمی متصور ہوگی۔ البتہ تکنیکی اور پیشہ ورانہ تعلیم کا حصول عام رکھا جائے گا۔ اور اہلیت و قابلیت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم کے مواقع سب کو حاصل ہوں گے۔

(ii) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی مکمل تعمیر اور انسانی حقوق و آزادیوں کے احترام کو مستحکم بنانا ہوگا۔ تعلیم سے تمام اقوام اور نسلی، مذہبی گروہوں کے درمیان افہام تفہیم، تحمل، رواداری اور بھائی چارے کے فروغ میں مدد ملے گی اور اقوام متحدہ کی

ان کوششوں کو بھی جو قیام امن کے لیے کر رہی ہیں۔

(iii) والدین کو بدرجۂ اولیٰ یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس نوعیت تعلیم کا خود انتخاب کریں جو وہ اپنے بچوں کو دلانا چاہتے ہیں۔

(۲۷) (i) ہر فرد کو معاشرے کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، علوم وفنون سے لطف اندوز ہونے اور سائنسی ترقی کے ثمرات سے متمتع ہونے کا حق ہے۔

(ii) ہر فرد کو اپنی سائنسی، ادبی یا فنی تخلیقات کے اخلاقی و مادی مفادات کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔

(۲۸) ہر فرد ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی ماحول میں زندگی بسر کرنے کا مستحق ہے جس میں منشور کے ان حقوق اور آزادیوں سے بہرہ ور ہونے کی ضمانت ہو۔

(۲۹) (i) ہر فرد پر اس معاشرہ کی طرف سے ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں جس میں رہ کر ہی اس کی شخصیت کی آزادانہ اور مکمل نشو ونما ممکن ہے۔

(ii) اپنے حقوق اور آزادیوں کے استقلال کے لیے ہر شخص صرف ان پابندیوں سے محدود رہے گا جو قانوناً عائد ہوتی ہیں۔ جن کا مقصد کلیتاً دوسروں کے حقوق کا تحفظ اور ان کی آزادیوں کے احترام کو یقینی بنانا اور ایک جمہوری معاشرہ میں اخلاقِ عام، نظم وضبط اور مجموعی فلاح کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔

(iii) ان حقوق اور آزادیوں کو کسی حال میں اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے منافی استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

(۳۰) اس منشور کے کسی بھی حصے کی ایسی تعبیر نہیں کی جا سکے گی جس کا مقصد کسی بھی ریاست، گروہ یا فرد کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے کا حق دلاتا ہے جس کے ذریعہ وہ ان متعین حقوق اور آزادیوں ہی کا صفایا کر دے جو منشور میں عطا کی گئی ہیں۔

ضمیمہ ۵ :۔

میکنا کارٹا

منشور اعظم، انگلستان

تعارف :

☆ میکنا کارٹا، برطانیہ میں بنیادی حقوق کی اہم ترین اور تاریخی دستاویز ہے۔عہد جدید میں انسانی حقوق اور آزادیوں کی بحث میں نقطۂ آغاز بالعموم اسی دستاویز کو قرار دیا جاتا ہے۔اس منشور کو تیرہویں صدی عیسوی میں انگلستان کے بادشاہ (ہنری دوم کے بیٹے اور رچرڈ شیردل کے بھائی) جان (۱۱۹۹ء تا ۱۲۱۶ء) نے جون ۱۲۱۵ء میں جاری کیا تھا (۱)۔

☆ میکنا کارٹا میں کل (۶۳) دفعات ہیں (۲)۔زیادہ تر دفعات اپنے زمانہ کی ضروریات اور حالات کی مطابقت میں لکھی گئی ہیں جن کے حوالے جابجا موجود ہیں۔البتہ بعض دفعات جو اصولی باتوں پر مشتمل ہیں اور جن میں انسانی حقوق اور آزادیوں کی جھلک موجود ہے۔ان کا مفہوم اور خلاصہ ذیل میں دیا جارہا ہے:۔

متن، خلاصہ، دفعات :

سرنامہ: ہرگاہ کہ اللہ کو حاضر و ناظر جان کر، اپنی، اپنے آباواجداد اور وارثوں کی روح کی بالیدگی کے لیے، احترامِ خداوندی کے اظہار، اور مقدس کلیسا کی عظمت و جلال کے لیے اور اپنی مملکت کے بہتر انتظام و انصرام کے لیے، اپنے مقدس مذہبی پیشواؤں اور اپنی اطاعت شعار رعایا کی ہدایت اور مشورے پر ہم نے اپنی طرف سے، اور اپنے وارثوں کی طرف سے وہ تمام

۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: Marsh, Henry. Documents of Liberty David and Charles. Newton Abbot. Englad. 1971 P. 35-40

۲۔ ایضاً

آزادیاں عطا کر دی ہیں جن کا ذیل میں ذکر کیا جارہا ہے:۔

(۱) انگریزی کلیسا آزاد رہے گا۔ اس کے حقوق کم نہیں کیے جائیں گے اور اس کی آزادیاں متاثر نہیں ہونگی (ملاحظہ ہو۔ دفعہ نمبر ۱)

(۲) عام نوعیت کے مقدمات کی سماعت عدالتِ شاہی میں نہیں ہوگی بلکہ کسی اور مقررہ جگہ پر کی جائے گی۔ (دفعہ ۱۷)

(۳) ضلعی عدالت کے انعقاد کے دن اگر مقدمات کی سماعت ممکن نہ ہو تو افسر مجاز (Knight) (نائٹ) آزاد شہریوں کی اتنی ہی تعداد کے سامنے (جو عدالت میں موجود یا باقی رہ گئی ہو) سماعت کریں گے، اور عدالت کی کاروائی کے لیے یہ کافی سمجھا جائے گا۔ (دفعہ ۱۹)

(۴) آئندہ کوئی سرکاری افسر کسی شخص پر، خود اپنے ایسے بیان کی رو سے، کوئی مقدمہ دائر نہ کر سکے گا، جس کا کوئی ثبوت نہ ہو اور جس کی صداقت پر کوئی معتبر شہادت بھی پیش نہ کی جا سکے۔ (دفعہ ۳۸)

(۵) کوئی آزاد شہری نہ گرفتار کیا جائے گا نہ قید، نہ اس کے حقوق سلب کیے جائیں گے نہ اسے اپنی ملکیت سے محروم کیا جائے گا، نہ اسے ملک بدر کیا جائے گا، یا اسے اس کی حیثیت سے محروم کیا جائے گا، نہ ہماری طرف سے اس کے خلاف طاقت استعمال کی جائے گی نہ دوسروں کو ایسا کرنے دیا جائے گا۔ الا یہ کہ کوئی قانونی فیصلہ یا اس کے ہم رتبہ افراد کا فیصلہ یا ملکی قانون کا تقاضہ ہو۔ (دفعہ ۳۹)

(۶) ہم نہ تو کسی کو حق یا انصاف فروخت کریں گے نہ اس سے محروم کریں گے اور نہ ہی اس میں تاخیر کی جائے گی۔ (دفعہ ۴۰)

(۷) مستقبل میں ہر شخص قانوناً مجاز ہوگا کہ وہ ہمارے ساتھ اپنی وفاداری قائم رکھتے ہوئے بلا ضرر، بلا ضرار خشکی یا پانی کے راستے، ہماری، سلطنت چھوڑ کر چلا جائے یا واپس آجائے۔ الا یہ کہ وہ جنگ کا زمانہ ہو۔ (دفعہ نمبر ۴۲)

(۸) یہ تمام مراعات اور آزادیاں جو ہم نے عطا کی ہیں، ہماری قلمرو میں، اس حد تک جس حد

تک ہمارے اپنے تعلقات اپنی رعایا کے ساتھ ہیں، جاری و ساری رہیں گی۔ ہماری سلطنت کے تمام افراد خواہ خواص ہوں یا عوام، وہ بھی ان مراعات اور آزادیوں کا، حسب مراتب پاس ولحاظ کریں۔ (دفعہ نمبر ۶۰)

ضمیمہ ۶ :۔

اعلانِ حقوقِ انسانی و باشندگان

فرانس ۱۷۸۹ء

تعارف :

☆ یہ اعلان ان تصورات کا نمایاں عکاس ہے جو انقلاب فرانس کے پس پشت کار فرما تھے۔(۱)

☆ دستوری حکومت اور قانون کی حکمرانی کے لیے قواعد وضوابط کا ایک مکمل مجموعہ (۲)۔

☆ اس اعلان کی توثیق حکومت فرانس کے دساتیر مجریہ ۱۹۴۶ء اور ۱۹۵۸ء کے دیباچوں میں موجود ہے(۳)۔

اعلان کا متن :

(۱) انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور انہیں آزاد ہی رہنا چاہیے۔ حقوق کے معاملہ میں سب برابر ہیں۔ البتہ معاشرتی امتیازات کا مدار صرف افادۂ عامہ پر ہو گا۔

(۲) تمام شہری انجمنوں کا مقصد انسانوں کے فطری اور لازوال حقوق کا تحفظ ہے۔ یعنی حقوقِ آزادی، حقوق ملکیت اور ظلم کے خلاف مزاحمت کا حق۔

(۳) قوم لازماً تمام تر اقتدار کا سرچشمہ ہے، اس کے علاوہ کوئی شخص یا مجموعہ اشخاص کسی اقتدار و اختیار کا حامل نہیں ہو سکتا۔ اِلّا یہ کہ اس کا اختیار واضح طور پر مقتدر اعلیٰ سے ہی ماخوذ و مستفاد ہو۔

۱۔ ملاحظہ ہو: Browlie, Ian, Basic Documents on Human rights، Clarendon Press. Oxford. 1971 .P 8 ۲۔ایضاً، ۳۔ایضاً

(۴) آزادی کی وسعت وانحصار اس حد تک ہے جہاں تک کہ وہ دوسرے کی آزادی کے لیے ضرر رساں نہ ہو۔ اس اصول کے مطابق ہر شخص اپنے بنیادی حقوق سے استفادہ کرنے میں آزاد ہو۔ اور ان حدود کا تعین صرف قانون سے ہی ہوسکتا ہے۔

(۵) قانون کی نظر میں صرف وہی باتیں معیوب وممنوع ہونی چاہئیں جو معاشرہ کے لیے ضرر رساں ہیں۔ جس کی ممانعت قانون میں نہ ہو، اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے۔ نہ ہی کسی شخص کو ایسی بات پر مجبور کیا جانا چاہئے جس کا مطالبہ قانون کی جانب سے نہ ہو۔

(۶) قانون لوگوں کی مشترکہ ومتفقہ مرضی کا اظہار ہوتا ہے۔ تمام شہریوں کو اس میں شرکت کا حق ہے۔ کوئی فرد اس کی تشکیل میں خواہ ذاتی طور پر شریک ہو یا نمائندگی کے ذریعہ۔ قانون سب کے لیے یکساں ہونا چاہئے۔ خواہ وہ تحفظ کے لیے ہو یا سزا کے لیے۔ اور سب اس کی نظر میں برابر ہیں اور جملہ اعزازات، مقامات اور مناصب کے لیے سب اپنی مختلف صلاحیتوں کے مطابق یکساں طور پر مستحق ہیں۔ ان کی اپنی خوبیوں اور طباعی وذہانت کے علاوہ کوئی دوسرا امر وجہ امتیاز نہیں ہونا چاہئے۔

(۷) سوائے ان صورتوں کے جو قانون متعین کرے اور ان طریقوں کے جن کا قانون نے حکم دیا ہے کسی شخص پر نہ کوئی جرم عائد کیا جائے گا نہ اس کو قید کیا جائے گا اور نہ جیل میں بند کیا جائے گا۔ تمام وہ لوگ جو من مانے احکام کا مشورہ دیں، حمایت کریں، ان کا نفاذ کریں یا نفاذ کرائیں ان کو سزا ملنی چاہئے۔ اور ہر شہری، جس کو قانون کی رو سے عدالت میں طلب کیا جائے یا حراست میں لیا جائے فوری طور پر اس کی تعمیل کرنی چاہئے اور اگر وہ مزاحمت کرے تو سزا کا مستوجب ہوگا۔

(۸) قانوناً جرمانہ یا تاوان صرف اسی طرح کا اور اسی قدر عائد کیا جانا چاہئے جو مطلقاً اور صراحتاً ضروری اور لازمی ہو اور کسی شخص کو بھی سزا نہیں دینی چاہئے الّا اس قانون کی رو سے جو جرم سرزد ہونے سے پہلے نافذ ہو اور جس کا قانوناً اطلاق ہوسکتا ہو۔

(۹) چونکہ ہر شخص معصوم ہے جب تک کہ وہ مجرم ثابت نہ ہو جائے۔ اس لیے جب کبھی اس کی گرفتاری ناگزیر ہو جائے تو قانوناً اسے ایسی مدد بہم پہنچائی جائے جو اس کی شخصیت کے تحفظ کے لیے ضروری ہے۔

(۱۰) کسی شخص کے معاملہ میں اس کے خیالات اور آراء کی بناء پر دخل اندازی نہیں کی جائے گی۔ نہ ہی اس کے مذہبی خیالات وعقائد کی بنا پر؛ جب تک کہ ان خیالات و عقائد کا اقرار واعلان سرکاری نظم وضبط کے انتشار کا باعث نہ بنے۔

(۱۱) خیالات وافکار کی بلا روک ترسیل واشاعت چونکہ انسان کا ایک انتہائی قیمتی بنیادی حق ہے اس لیے ہر شہری اپنی تقریر، تحریر اور اس کی طباعت واشاعت میں آزاد ہے بشرطیکہ وہ بے لگام آزادی کی خرابیوں کا خود ذمہ دار ہو۔ ان معاملات میں جن کا تعین قانون نے کر دیا ہے۔

(۱۲) انسانوں اور شہریوں کے حقوق کو تحفظ دینے کے لیے چونکہ ایک سرکاری قوت ضروری ہے اس لیے اس قوت کا قیام معاشرہ اور سماج کی بہتری کے لیے ہونا چاہئے نہ کہ اس مخصوص شخص کے فائدے کے لیے جس کو یہ تفویض کی گئی ہے۔

(۱۳) سرکاری قوت کو مدد بہم پہنچانے اور حکومت کے دوسرے اخراجات پورے کرنے کے لیے ایک مشترکہ رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ رقم معاشرہ کے جملہ ارکان پر ان کی حیثیت کے مطابق مساوی طور پر وصول کی جانی چاہئے۔

(۱۴) سرکاری عطیہ کی ضرورت وحاجت، اس کے جواز، مقدار، طریقۂ تشخیص اور مدت کے تعین کے سلسلہ میں ہر شہری بجائے خود یا اپنے نمائندے کے ذریعہ آواز اٹھانے کا حق رکھتا ہے۔

(۱۵) سماج کو اپنے تمام ارکان کے رویہ اور کردار کے احتساب کا حق حاصل ہے۔

(۱۶) ایک ایسے معاشرہ کے لیے دستور کی ضرورت ہے جہاں بنیادی انسانی حقوق کو تحفظ حاصل نہ ہو اور نہ تقسیم اختیارات موجود ہو۔

(۱۷) حق ملکیت و جائداد ناقابل انفساخ اور محفوظ ہے۔ لہٰذا کسی کو اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ سوائے اس کے کہ سرکاری ضرورت ناگزیر ہو یا قانوناً اس کا تقاضہ موجود ہو یا کسی سابقہ جائز تاوان کی ادائیگی ثابت ہو۔

ضمیمہ ۷ :۔

نوشتۂ حقوق امریکہ ۱۷۹۱ء

تعارف :

☆ اعلان استقلال امریکہ ۱۷۷۶ء میں ہوا

☆ وثیقۃ الحقوق (Bill of Rights) کا اجراء دسمبر ۱۷۹۱ء میں عمل میں آیا۔(۱)

☆ برطانوی وثیقۃ الحقوق کے طرز پر امریکہ کی ورجینا سمیت تمام ریاستیں اپنے اپنے وثیقہ جات رکھتی ہیں۔ تاہم فرانس کے اعلانِ حقوقِ انسانی کی طرح امریکی دستور، دس ترامیم کے ساتھ (جن پر وثیقۃ الحقوق مشتمل ہے) دستوریت اور قانونیت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔(۲)

متن دستاویز :

(۱) کانگریس مذہب کے قیام سے متعلق یا اس کے آزادی کے ساتھ نافذ کیے جانے کی ممانعت کرتے ہوئے یا آزادئ تقریر یا پریس کی آزادی کے حق سے کسی کو محروم کرنے یا لوگوں کو امن کے ساتھ کہیں مجتمع ہونے کے حق اور شکایات کی دادرسی کے لیے سرکار سے مرافعہ کرنے کے سلسلہ میں کوئی قانون وضع نہیں کرے گی۔

(۲) کسی آزاد ریاست کے تحفظ کے لیے ایک باقاعدہ رضا کار فوج (ملیشیا) کی ضرورت ہونے کی وجہ سے قوم کے اس حق کی تنسیخ نہیں کی جائے گی کہ وہ ہتھیار رکھے اور اپنے ساتھ لے کر چلے۔

(۳) امن یا جنگ کے زمانہ میں کسی سپاہی کو، مالک کی مرضی کے بغیر کسی مکان میں رہنے کی

۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: Dougles, william. A living Bill of Rights 1961 کا عربی ترجمہ۔ دار الکرنک للنشر والطبع والتوزیع۔ قاہرہ،

۲۔ Browlie. P 11

اجازت نہیں ہوگی۔ سوائے اس کے کہ وہ قیام کسی مقررہ طریقہ اور ضابطہ کے مطابق ہو۔

(۴) لوگوں کو اپنی ذات، مکانات، کاغذات اور ساز و سامان کی کسی معقول وجہ کے بغیر تلاشی یا اس پر قبضہ کے خلاف مدافعت کے حقوق کی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی۔ اور کسی امکانی سبب کے بغیر کوئی وارنٹ جاری نہیں کیا جائے گا۔ اس سبب کی تائید قسم یا تصدیق سے ہونی چاہیے۔ اور اس وارنٹ میں خصوصیت سے اس جگہ کا ذکر ہونا چاہیے جس کی تلاشی لی جائے گی یا ان اشخاص یا اشیاء کا جن کو قبضہ میں لیا جاتا ہے۔

(۵) کوئی شخص کسی سنگین یا پھر قابل نفرت جرم کے لیے اس وقت تک جواب دہ نہیں ہوگا۔ جب تک کہ ایک جیوری کلاں کا تحریری استغاثہ یا حلفیہ بیان نہ ہو۔ سوائے ان مقدمات کے جو برّی یا بحری فوجوں یا رضا کار فوج میں زمانۂ جنگ یا پبلک کے خطرہ کے وقت دورانِ ملازمت پیش آیا ہو۔ نہ ہی کسی فوجداری مقدمہ میں کسی کو اپنے ہی خلاف گواہ بننے پر مجبور کیا جائے گا۔ نہ ہی مناسب کاروائی کے بغیر زندگی، آزادی یا املاک سے محروم کیا جائے گا۔ نہ ہی نجی املاک کو عوامی استعمال کے لیے بغیر معقول معاوضہ دیئے لیا جائے گا۔

(۶) تمام فوجداری مقدمات میں مجرم کو یہ حق حاصل رہے گا کہ اس کے مقدمہ کی تحقیقات اور سماعت جلدی اور کھلی عدالت میں ہو۔ جو اس ریاست کے اور ضلع کی غیر جانبدار جیوری کرے۔ جہاں جرم کا ارتکاب ہوگا اور جرم کی نوعیت اور اس کے سبب سے متعلقہ شخص کو آگاہ کیا جائے گا اور اس کو ان گواہوں کے، جو اس کے مخالف ہیں، بالمقابل کر دیا جائے گا۔ اس کی حمایت میں گواہان لازمی طور پر فراہم کیے جائیں اور اس کے دفاع کے لیے مشیران قانون کی امداد حاصل ہونی چاہیے۔

(۷) عام قانونی مقدمات میں جہاں تنازعہ کی رقم کا تشخص بیس ڈالر سے تجاوز کر جائے، وہاں جیوری مقدمہ کی سماعت کا حق محفوظ کرلے گی اور جس واقعہ کی تحقیق جیوری کر چکی ہوگی اس کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی کوئی عدالت بھی سوائے عام قانونی

ضابطوں کسی اور طریقہ سے دوبارہ تحقیق نہیں کرے گی۔

(۸) زیادہ ضمانت طلب نہیں کی جائے گی نہ زیادہ جرمانے کیے جائیں گے، نہ ہی ظالمانہ اور غیر معمولی سزائیں دی جائیں گی۔

(۹) آئین میں بعض حقوق کے تعین کو، دوسرے قوانین کی، تردید یا تحقیر کی غرض سے بطور تعبیر کام میں نہیں لایا جائے گا۔ جو قوم نے قائم کیے ہیں۔

(۱۰) جو اختیارات آئین نے ریاست ہائے متحدہ کو تفویض نہیں کیے ہیں یا اس نے ریاستوں کو، ان سے روکا نہیں ہے وہ بالترتیب، ریاستوں یا عوام کے لیے محفوظ ہیں۔

(۱۱) غالباً حذف کر دی گئی

(۱۲) ایضاً

(۱۳) (ا) غلامی یا زبردستی کی خدمت سوائے بطور سزا ایسے جرم کے لیے جس میں فریق جائز طریقہ پر مجرم قرار دیا جا چکا ہوگا، ریاست ہائے متحدہ میں یا کسی ایسی جگہ پر جو ان کی عملداری میں ہوگی، باقی نہیں رہے گی۔

(ب) کانگریس کو اختیار ہوگا کہ وہ اس دفعہ کو موزوں آئین سازی کے ذریعہ نافذ کرے۔

(۱۴) (ا) وہ تمام اشخاص جو ریاست ہائے متحدہ میں پیدا ہوئے ہیں یا جنہوں نے وہاں کی شہریت حاصل کر لی ہے اور اس کی عملداری میں ہیں، ریاست ہائے متحدہ کے اور اس ریاست کے (باقاعدہ) شہری متصور ہوں گے، جہاں وہ مقیم ہیں۔

(ب) کوئی ریاست نہ ایسا قانون وضع کرے گی، نہ نافذ کرے گی جو ریاست ہائے متحدہ کے شہریوں کو ان کے حقوق یا ان کی آزادیوں سے محروم کر دے۔ نہ ہی کوئی ریاست کسی شخص کو اس کی زندگی آزادی یا املاک سے بغیر مناسب قانونی کاروائی کے، محروم کرے گی نہ کسی ایسے شخص کو جو اس کی عملداری میں ہوگا قانون کے مساوی

تحفظ دینے سے انکار کرے گی۔

(۱۵) (ا) ریاست ہائے متحدہ کے شہریوں کو ووٹ دینے کے حق سے نہیں روکا جائے گا۔ یا ریاست ہائے متحدہ یا کوئی ریاست، نسل، رنگ یا غلامی کی سابقہ شرط کی وجہ سے محروم نہیں کرے گی۔

(ب) کانگریس کو اختیار ہوگا کہ وہ اس دفعہ کو موزوں آئین سازی کے ذریعہ نافذ کرے۔

(بعد کی تمام ترامیم حذف کردی گئیں۔)

باب چہارم

خطبہ حجۃ الوداع

عالمی انسانی منشور

عربی متن خطبہ

حصہ الف ﴿دیباچہ﴾:

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونتوب اليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيآت اعمالنا، من يهد الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له، وأشهد ان لا اله الا الله وحدهٗ لاشريك لهٗ وأشهد أن محمداً عبده و رسولهٗ۔

(۱) أمّا بعد!

الف: أيها الناس!

اسمعوا منى قولى فاعقلوه، فانى لا ادرى لعلى لا القاكم بعد عامى هذا!۔ (۲) بهذا المؤقف أبداً۔ (۳)

ب: أيها الناس!

انى والله مادرى لعلى لا ألقاكم بمكانى هذا بعد يومكم هذا۔ (۴)

ج: أيها الناس!

أنصتوا! فانكم لعلكم لا ترونى بعد عامكم هذا۔ (۵)

د: اسمعوا منى، أُبين لكم فانى لا ادرى لعلى لا ألقاكم بعد عامى هذا۔ (۲)

ه: أيها الناس!

خذوا مناسككم فانی لا ادری لعلی لا احج بعد عامی هذا۔ (۷)

و: نضر اللہ امرأً سمع مقالتی فبلغها، فرب حامل فقه غیر فقیه و رب حامل فقه الی من هوا فقه منه۔ (۸)

ز أیها الناس!

لعلکم لا تلقونی علی مثل حالی هذا وعلیکم هذا۔ (۹)

حصہ ب ﴿اساسیات﴾

دفعہ ۱: أیها الناس!

۱۔ إن ربکم واحد، وان اباکم واحد، کلکم لآدم وآدم من ترابٍ (۱۰)

۲۔ اکرمکم عند الله اتقاکم (۱۱)۔ ان الله علیم خبیر۔ (۱۲)

۳۔ ألا! لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی، ولا أسود علی احمر ولا احمر علی اسود، الا بالتقویٰ۔ (۱۳)

دفعہ ۲: أوصیکم عباد الله بتقوی الله، و احثکم علی طاعته وأستفتح بالذی هو خیر (۱۴)

دفعہ ۳: ألا! کل شئ من أمر الجاهلیة تحت قدمی موضوع۔ (۱۵)

۱۔ ألا! وان کل شئٌ من اهل الجاهلیة موضوع تحت قدمی هاتین۔ (۱۶)

۲۔ ألا! ان کل دم ومال ومآثرة کانت فی الجاهلیة تحت قدمی هذه الی یوم القیامة۔ (۱۷)

۳۔ [(۱۸) ان مآثر الجاهلیة موضوعةٌ (غیر السدانة والسقایة والعمد قود وشبه العمد ماقتل بالعصا و الحجر وفیه مائة بعیر، فمن زاد فهو

من اهل الجاهيلة]۔(١٩)

٤۔وان كل ربا موضوع، ولكن رؤس اموالكم، لا تظلمون ولايظلمون۔قضى الله أنه لاربا۔(٢٠)

٥۔وربا الجاهلية موضوعة۔

[و اول رباً اضع ربانا ربا عباس بن عبدالمطلب، فانه موضوع كله]۔ (٢١)

٦۔وان كل دم فى الجاهلية موضوع، (٢٢)

[وان اول دمائكم أضع دم ابن ربيعة (٢٣) بن الحارث بن عبد المطلب، وكان مسترضعاً فى بنى ليث، فقتله هذيل، فهو أول مابدأبه من دماء الجاهلية]۔(٢٤)

٧۔أيها الناس!

(الف) ان النسئ زيادة فى الكفر، يضل به الذين كفروا يحلونه عاماً ويحرمونه عاماً ليواطئوا عدة ماحرم الله، فيحلوا ماحرم الله ويحرموا ما أحل الله۔(٢٥)

(ب) ألا! وان الزمان قداستدار كهيئته يوم خلق الله السماوات و الارض، وان علة الشهور عند الله اثنا عشر شهراً فى كتاب الله، منها اربعة حرم، ثلاثة متوالية، ذوالقعدة و ذوالحجة والمحرم، و رجب الذى يدعى شهر مضر، الذى بين جمادى الآخرة و شعبان، والشهر تسعة و عشرون يوماً و ثلاثون۔

[الا! هل بلغت؟ فقال الناس نعم، فقال اللهم اشهد !] (٢٦)

(ج) الا! وان الحج فى ذى الحجة الى يوم القيامة۔(٢٧)

دفعہ ۴: ایھا الناس! [ھل تدرون فی أی شھر انتم؟ فی أی یوم انتم؟ فی ای بلدانتم؟ قالوا فی یوم حرام، و بلدحرام و شھر حرام، قال]۔

فان دماء کم .... و

دفعہ ۵: أموالکم .... و

دفعہ ۶: اعراضکم......... و

دفعہ ۷: ابشار کم .... علیکم حرام

[کحرمة یومکم ھذا فی شھر کم ھذا فی بلدکم ھذا، الی یوم تلقونه] (۲۹)

دفعہ ۸: اسمعوا منی، تعیشوا!

ا۔ الا لاتظلموا،

۲۔الا الا تظلموا، ألا لا تظلموا، (۳۰)

۳۔فلا تظلموا انفسکم۔ (۳۱)

حصہ ج ﴿اجتماعیات﴾

دفعہ ۹: ایھا الناس! [اسمعوا قولی! واعقلوه!]

ان کل مسلم اخ المسلم! و ان المسلمین أخوة۔ (۳۲)

دفعہ ۱۰: ألا! کل مسلم مُحرم علی کل مسلم! (۳۳)

دفعہ ۱۱: والمؤمن علی المؤمن حرام۔ کحرمة ھذا الیوم!

ا ۔ لحمه علیه حرام۔

۲ ۔ ان یاکله بالغیب ویغتابه۔

۳۔ وعرضه علیه حرام ان یخرقه۔

۴ ۔ وجهه عليه حرام ان يلطمه۔

۵ ۔ واذاه عليه حرام أن يوذيه۔

۶ ۔ وعليه حرام ان يدفعه دفعاً يتعتعه۔ (۳۴)

۷ ۔ ولا يحل لأمرئ مسلم دم اخيه۔ (۳۵)

۸ ۔ ولا يحل مال مسلم الا ماأعطى عن طيب نفسٍ۔ (۳۶)

دفعه ۱۲: [وسأ خبركم من المسلم؟]

المسلم من سلم الناس من لسانه ويده۔ (۳۷)

دفعه ۱۳: والمومن من أمنه الناس على اموالهم وانفسهم۔ (۳۸)

دفعه ۱۴: والمهاجر من هجر الخطايا والذنوب۔ (۳۹)

دفعه ۱۵: والمجاهد من جاهد نفسه في طاعة الله۔ (۴۰)

دفعه ۱۶: ألا! ومن كانت عنده امانة فليؤدها الى من أتمنه عليها۔ (۴۱)

دفعه ۱۷: الدين مقضي۔ (۴۲)

دفعه ۱۸: والعارية مؤداة۔ (۴۳)

دفعه ۱۹: والمنحة مردودة۔ (۴۴)

دفعه ۲۰: والزعيم غارم۔ (۴۵)

دفعه ۲۱: الا! لايجني جان الا على نفسه۔ (۴۶)

دفعه ۲۲: الا! لايجني جان على والده ولا مولود على والده۔ (۴۷)

دفعه ۲۳: فاتقوا الله في النساء، فانكم اخذتموهن باماان الله، واستحللتم فروجهن بكلمة الله۔ (۴۸)

دفعه ۲۴: ألا! استوصوا بالنساء خيراً، فانماهن عوان عندكم، ليس تملكون منهن شيئاً غير ذلك۔ (۴۹)

دفعه ۲۵: ایها الناس!

ان للنسآء حقا وان لکم علیهن حقا۔ (۵۰)

[ألا! ان لکم علی نسائکم حقا، ونساء کم علیکم حقا] (۵۱) [فاما حقکم علی نسآئکم]۔ (۵۲)

۱۔ وعلیهن ان لایتین بفاحشة مبینة۔ (۵۳)

۲۔ ولکم علیهن ان لا یوطئن فرشکم احداً تکرهونه۔ (۵۴)

۳۔ ولایدخلن بیوتکم أحداً تکرهونه الا باذنکم۔ (۵۵)

۴۔ فان فعلن فان الله قد أذن لکم:

الف۔ ان تهجروهن فی المضاجع

ب۔ وان تضربوهن غیر مبرح۔ (۵۶)

[ألا! وحقهن علیکم]۔ (۵۷)

۵۔ ان تحسنوا الیهن فی کسوتهن وطعامهن۔ (۵۸)

[فان انتهین وطعنکم فلهن رزقهن وکسوتهن بالمعروف]۔ (۵۹)

۶۔ ولا یعصینکم فی معروف۔ (۶۰)

۷۔ فان فعلن ذلک فلیس لکم علهن سبیل۔ (۶۱)

۸۔ لا تنفق امرأة من بیتها الا باذن زوجها۔ (۶۲)

۹۔ ألا! وان الولد للفراش۔ (۶۳)

۱۰۔ وللعاهر حجر، وحسابهم علی الله۔ (۶۴)

۱۱۔ ألا! لایحل لامرأة ان تعطی من مال زوجها شیئاً الا باذنه۔ (۶۵)

۱۲۔ ألا! ومن ادعی الی غیر ابیه أوتولی غیر موالیه رغبة منهم، فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین، لایقبل منهم صرف ولا عدل۔

(۲۲)

دفعہ ۲۶: ۱۔أرقاء کم، أرقاء کم

الف: اطعموهم ممّا تاکلون

ب: واکسوهم مماتلبسون

ج: ان جاؤا بذنب لاترون أن تغفروه، فبیعوا عباد الله!

د: ولا تعذبوهم۔(۲۷)

۲۔فاوصیکم بمن ملکت ایمانکم

فاطعموهم مما تاکلون وألبسوهم ما تلبسون۔(۲۸)

حصہ د ﴿دینیات، عقائد، عبادت، معاملات، اخلاقیات﴾

دفعہ۲۷: أیها الناس!

وانما امرتُ أن اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰه الا الله۔

فاذا قالوها عصموا دمائهم واموالهم وحسابهم علی الله۔(۲۹)

دفعہ ۲۸: لاتشرکوا بالله شیئاً

دفعہ ۲۹: ولا تقتلوا النفس التی حرم الله الابالحق۔

دفعہ ۳۰: ولا تزنوا

دفعہ ۳۱: ولا تسرقوا۔(۴۰)

دفعہ ۳۲: أیها الناس! لا نبی بعدی ولا امة بعدکم۔(۴۱)

۱۔[خطب رسولُ الله ﷺ فذکر المسیح الدجال فاطنب فی ذکره

ثم قال (۴۲)......... ثم ذکر الدجال فقال]

۲ ۔ مابعث اللہ من نبي الا قد انذرہ امته ۔ (۷۳)

[اني لأنذر تموہ وما من نبي الا وقدانذرہ قومه] (۷۳)

۳ ۔ ان افضل دعائ و دعاء من كان قبلي من الانبياء: لا اله الا الله وحدہ لا شريك له، له الملك وله الحمد بيدہ الخير يحيي و يميت و هو علي كل شيءٍ قدير ۔ (۷۵)

دفعه ۳۳: اعبدوا ربكم، وصلوا خمسكم، وصوموا شهركم، وحجوا بيتكم وأدوا زكاتكم، طيبة بها انفسكم، تدخلوا جنة ربكم عزوجل ۔ (۷۶)

دفعه ۳۴: واتقوا الله! ولا تبخسوا الناس أشياء هم،ولا تعثوا في الارض مفسدين ۔ (۷۷)

دفعه ۳۵: واياكم والغلو! انما هلك من كان قبلكم بالغلو في الدين ۔ (۷۸)

دفعه ۳۶: أيها الناس!

فان الشيطان قديئس من أن يعبد بأرضكم هذہ ابدا، ولكنه ان يطع فيما سوي ذلك فقد رضي به مما تحقرون من أعمالكم فاحذروہ علي دينكم ۔ (۷۹)

دفعه ۳۷: ايها الناس!

۱ ۔ ان الله قسم لكل وارث نصيبه من الميراث ۔

۲ ۔ فلا تجوز لوارث وصية، ولا تجوز وصية في اكثر من الثلث ۔ (۸۰)

[قال وامرنا بالصدقة فقال]

دفعه ۳۸: تصدقوا! فاني لا أدري لعلكم لا تروني بعد يومي هذا ۔ (۸۱)

دفعہ ۳۹: لا تاتوا علی اللہ، فانہ من تاتی علی اللہ اکذبہ اللہ۔ (۸۲)

دفعہ ۴۰: ا ــ یا ایہا الناس! خذوا من العلم قبل ان یقبض العلم و قبل ان یرفع العلم

۲۔ الا! وان من ذھاب العلم ان یذھب حملتہ، ثلاث مرات۔ (۸۳)

دفعہ ۴۱: واعلموا!

ا، ان الصدور لا تغل علی ثلاث:

الف: اخلاص العمل للہ۔ و

ب: مناصحۃ اھل الامر۔ و

ج: لزوم جماعۃ المسلمین، فانی دعوتھم تحیط من ورائھم (۸۴)۔

۲، ما أنزل اللہ داءٍ الا أنزل لہ دواء الا الھرم۔ (۸۵)

دفعہ ۴۲: فاعقلوا أیھا الناس قولی! فانی قد بلغت!

ا ــ قد ترکت فیکم مالن تضلوا بعدہ ان اعتصم بہ کتاب اللہ تبارک و تعالیٰ۔ (۸۶)

۲ ــ وقد ترکت فیکم ما ان اعتصم بہ فلن تضلوا ابداً، أمراً بینا کتاب اللہ و سنۃ نبیہ۔ (۸۷)

دفعہ ۴۳: أیھا الناس! اسمعواو أطیعوا، وان أمر علیکم عبد حبشیٌ مجدع اقام فیکم کتاب اللہ۔ (۸۸)

دفعہ ۴۴: ألا!۔

ا، کل نبی قدمضت دعوتہ الادعوتی، فانی قد ذخرتھا عند ربی الی یوم القیامۃ۔ (۸۹)

۲، اما بعد! فان الانبیاء مکاثرون فلا تحزونی، فانی جالس لکم علی باب الحوض۔ (۹۰)

۳، الا! وانی فرطکم علی الحوض واکاثربکم الامم، فلاتسودوا وجھی۔ (۹۱) الا! مستنقذاناساً ومستنقذتنی اناس فاقول یا رب اصحابی! فیقول انك لا تدری ما احدثوا بعدك۔ (۹۲)

دفعہ ۴۵: الا! لاترجعوا بعدی کفاراً، یضرب بعضکم رقاب بعض۔ (۹۳) و

دفعہ ۴۶: ۱، انکم ستلقون ربکم فسئالکم عن أعمالکم۔ (۹۴)

۲، من کانت الآخرۃ همه جمع الله شمله وجعل غناه بین عینیه وأتته الدنیا وهی راغمة، ومن کانت الدنیا همه فرق الله شمله وجعل فقره بین عینیه، ولم یا ته من الدنیا الا ما کتب له۔ (۹۵)

دفعہ ۴۷: الا! وقد رأیتمونی و سمعتم منی و ستسألون عنی فمن کذب علی فلیتبوأ مقعده من النار۔ (۹۶)

دفعہ ۴۸: ألا!

۱، فلیبلغ الشاهد الغائب۔ (۹۷)

۲، فلعل بعض من یبلغه أن یکون أوعیٰ له من بعض من سمعه۔ (۹۸)

۳، الا! فلیبلغ ادناکم أقصاکم (۹۹)

حصہ ر ﴿اختتامیہ﴾

[ثم قال اللھم ھل بلغت؟ (۱۰۰) فقال الاھل بلغت؟ الاھل بلغت ألاھل بلغت؟ (۱۰۱) (قالوا نعم]

فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اللھم اشهد اللھم اشهد! اللھم اشهد !۔ (۱۰۲)

وانتـم تسـالـون عـنـى فماذا انتم قائلونٌ ـ (۱۰۳) [قالوا: نشهد انـك قـداديـت الامانة، وبلغت الرسالة، و نصـحـت] (۱۰۴) فقال رسـول الـلـه صـلـى الله عليه وسـلـم [بـاصـبـعة السـبـابة يـرفعها الى السماء ويـنـكتها الى الناس] (۱۰۵) الـلـهـم اشهد! اللهم اشـهد! اللهم اشـهد! (۱۰۶) والسـلام عليكم ورحمة الله وبركاته ـ (۱۰۷)

عربی متن کا اُردو ترجمہ

حصہ الف ﴿دیباچہ﴾

سب تعریف اللہ کے لیے، ہم اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور اسی سے مدد و مغفرت طلب کرتے ہیں، اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی کے دامن عفو میں اپنے نفس کی شرارتوں اور برے اعمال سے پناہ چاہتے ہیں، جس کو اللہ ہدایت عطا کرے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی سہیم و شریک نہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اما بعد!

۱ الف: لوگو!

میری بات اچھی طرح سن لو، سمجھ لو، کیا خبر، شاید اس سال کے بعد اس جگہ میری تمہاری ملاقات کبھی نہ ہو سکے۔

ب: بندگانِ خدا!

آج کے بعد واللہ مجھے نہیں معلوم، شاید میں تم سے اس مقام پر پھر کبھی نہ مل سکوں گا۔

ج: لوگو!

خاموش ہو جاؤ، تم لوگ اس سال کے بعد شاید مجھے نہ دیکھ سکو۔

د: لوگو!

سنو! میں تمہیں وضاحت کے ساتھ (سب کچھ) بتا دینا چاہتا ہوں، کیونکہ شاید اس سال کے بعد پھر کبھی تم سے نہ مل سکوں۔

ہ: لوگو! حج کے مسئلے مسائل مجھ سے سیکھ لو، میں نہیں جانتا شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے۔

و: اللہ اسے تر و تازہ و شاداب رکھے جس نے میری باتیں سنیں اور انہیں دوسروں تک پہنچایا، بعض اوقات سننے والا سمجھ دار نہیں ہوتا اور کبھی کبھی جس کو پہنچایا جائے، وہ اس سے زیادہ سمجھدار نکلتا ہے۔

ز: لوگو! تم لوگ شاید مجھ سے آیندہ اس حال میں نہ مل سکو جس حال میں تم اب مل رہے ہو۔

حصہ ب ﴿اساسیات﴾

دفعہ ۱: لوگو!

۱۔ تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے، تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔

۲۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک معزز وہ ہے جو زیادہ تقویٰ شعار ہے، بیشک اللہ علیم و خبیر ہے۔

۳۔ دیکھو!

کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، اور کسی کالے کو کسی سرخ پر اور کسی

سرخ کو کسی کالے، سیاہ پر کوئی فضیلت، لحاظ و امتیاز حاصل نہیں، مگر ہاں تقویٰ کے سبب۔

دفعہ ۲: بندگانِ خدا! میں تمہیں تقویٰ شعاری (اللہ سے ڈرنے) کی وصیت کرتا ہوں۔ اور تمہیں اس کی اطاعت کا حکم دیتا ہوں (کیونکہ تم اللہ کے سوا کسی اور کے بندے نہیں) اور اپنے خطبے کا آغاز نیک بات سے کرتا ہوں۔

دفعہ ۳: جان لو! جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں تلے (روندی گئی) ہے (اب تمام آثار جاہلیت کالعدم اور ساقط ہو گئے ہیں)۔

۱، خبردار! اہل جاہلیت کی ہر چیز میرے (ان دونوں) قدموں کے نیچے ہے۔

۲، سن لو! جاہلیت کا ہر خون (انتقام) مال (مغصوبہ) اور آثار جاہلیت (خاندانی، موروثی مفاخر) میرے قدموں تلے تا قیامت کالعدم ٹھہرائے جاتے ہیں۔

۳، اور جاہلیت کے تمام باعث فخر و غرور عہدے (مآثر و مفاخر) ختم کیے جاتے ہیں، صرف سدانہ (کعبہ کی نگرانی ونگہبانی) اور سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانے) کے عہدے باقی رہیں گے، قتل عمد کا قصاص (بدلہ) لیا جائے گا، قتل عمد کے مشابہ وہ (قتل) ہے جو لاٹھی یا پتھر سے وقوع میں آئے اور اس کی (دیت) سو اونٹ مقرر ہے، اس سے زیادہ جو طلب کرے گا وہ اہل جاہلیت میں شمار ہوگا۔

۴، اور ہر قسم کا سود آج سے ممنوع قرار پاتا ہے، البتہ تمہیں اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان ہے اور نہ تمہارا نقصان، اللہ نے یہ بات طے کر دی ہے کہ سود کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۵، اور زمانۂ جاہلیت کے تمام سود (سودی کاروبار) اب باطل ہیں۔ (اور جہاں تک کہ عباس بن عبدالمطلب کے سود کا تعلق ہے تو وہ تمام کا تمام ساقط ہے)۔

۶، اور زمانۂ جاہلیت کے تمام خون (کے بدلے، انتقام) اب کالعدم ہیں۔

(اور اپنے خاندان میں سے پہلا انتقام جسے میں معاف کرتا ہوں ربیعۃ (بن الحارث بن عبدالمطلب) کے بچے کا ہے جس کی رضاعت بنی لیث میں ہو رہی تھی کہ بنو ہذیل نے اسے قتل کر دیا تھا، پس میں پہل کرتے ہوئے انتقام ہائے جاہلیت میں سے خون کا بدلہ معاف کر رہا ہوں)

۷۔لوگو!

الف ۔ بے شک نسئی (مہینوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دینا) از دیادِ کفر کا ہی باعث ہے اس سے کافر گمراہی میں پڑ جاتے ہیں کہ ایک سال تو (اپنی نفسانی غرض سے) اسے حلال ٹھہراتے ہیں پھر دوسرے سال (جب کوئی ذاتی غرض نہ ہو) اس کو حرام کر دیتے ہیں، تاکہ اللہ نے جو گنتی (حرام مہینوں کی) مقرر کر رکھی ہے اسے پورا کر لیں، اس طرح وہ اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینے کو حلال اور اس کے حلال کیے ہوئے کو حرام کر لیتے ہیں۔

ب ۔ دیکھو!

اور اب زمانہ گھوم پھر کر اُسی جگہ آ گیا ہے جہاں سے کائنات کی پیدائش کے دن شروع ہوا تھا، مہینوں کی گنتی (تعداد) اللہ کے نزدیک سال میں بارہ ہے، ان میں سے چار محترم، حرام ہیں کہ تین (ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم) تو متواتر ہیں اور ایک الگ آتا ہے یعنی رجب جو شہر مضر کہلاتا ہے اور جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ ہے اور مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے، تیس کا بھی۔

(کہو! میں نے اپنی بات تم تک پہنچا دی ہے نا؟ تو مجمع نے کہا بیشک، آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ گواہ رہنا!)

ج ۔ سن لو! حج قیامت تک اب ذی الحجہ کے مہینے کے ساتھ مخصوص رہے گا۔

دفعہ ۴: لوگو! (تمہیں معلوم ہے کہ تم پر کون سا مہینہ سایہ فگن ہے؟ تم کس دن میں یہاں جمع

ہو؟ کس شہر میں موجود ہو؟ سب نے کہا۔محترم دن،محترم شہراور محترم مہینے میں!

تب آپ ﷺ نے فرمایا)

بیشک تمہارا خون (ایک دوسرے پر حرام ہے)

دفعہ ۵: اور تمہارا مال (وملکیت)

دفعہ ٦: تمہاری عزت وآبرو

دفعہ ۷: تمہاری کھال (جلد،جسم، بدن) بھی (ایک دوسرے کے لیے) معزز ومحترم ہے۔

(جس طرح حرمت تمہارے اس دن کی تمہارے اس مہینے کو،تمہارے اس شہر کو

(حاصل ہے) یہاں تک کہ تم اللہ سے جاملو)

دفعہ ۸: میری بات سنو! زندگی پاجاؤ گے۔ (مگراس شرط کے ساتھ کہ)

ا۔خبردار! (ایک دوسرے پر) ظلم نہ کرنا۔

۲۔دیکھو! ظلم (وزیادتی) نہ کرنا۔

۳۔خوب سمجھ لو! ایک دوسرے پر باہم ظلم وستم نہ کرنا۔

حصہ ج ﴿اجتماعیات﴾

دفعہ ۹: اللہ کے بندو! میری بات سنو اور سمجھو!

بلاشبہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان بھائی بھائی۔

دفعہ ۱۰: خبردار! ہر مسلمان دوسرے مسلمان پر حرام ومحترم ہے۔

دفعہ ۱۱: اور ہر مومن دوسرے مومن پر حرام ومحترم ہے، جس طرح آج کے دن کی

حرمت:۔

۱،اس کا گوشت اس پر حرام ہے۔

۲،کہ اسے کھائے،اس کی عدم موجودگی میں غیبت کرکے۔

۳۔اور اس کی عزت و آبرو اس پر حرام ہے کہ (اس کی چادر عزت) پھاڑ دے۔

۴۔اس کا چہرہ اس پر حرام ہے کہ اس پر طمانچے لگائے جائیں۔

۵۔اور تکلیف دہی بھی حرام کہ اسے تکلیف پہنچائی جائے۔

۶۔اور یہ بھی حرام کہ تکلیف رسانی کے لیے اسے دھکا دیا جائے۔

۷۔اور کسی مسلمان کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان بھائی کا خون حلال سمجھے۔

۸۔مالِ مسلم بھی حلال و جائز نہیں سوائے اس کے کہ جو وہ اپنی خوشی سے دے۔

(اور میں تمہیں بتاؤں کہ مسلمان درحقیقت ہے کون؟)

دفعہ ۱۲: مسلمان وہی ہے جو اپنی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگوں کو محفوظ رکھے۔

دفعہ ۱۳: اور مومن درحقیقت وہ ہے جس سے دوسرے لوگوں کا جان و مال امن و عافیت میں رہے۔

دفعہ ۱۴: اور مہاجر درحقیقت وہ ہے جو اپنے گناہوں اور خطاؤں سے کنارہ کشی کر لے۔

دفعہ ۱۵: اور مجاہد تو دراصل وہ ہے جو اطاعت الٰہی کی خاطر اپنے نفس کا مقابلہ کرے۔

دفعہ ۱۶: خبردار! اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت واپس لوٹا دے۔

دفعہ ۱۷: قرض واپس ادائیگی کا متقاضی ہے۔

دفعہ ۱۸: ادھار لی ہوئی چیز کو واپس کیا جانا چاہیے۔

دفعہ ۱۹: عطیہ لوٹایا جائے۔

دفعہ ۲۰: ضامن ضمانت (تاوان) کا ذمہ دار ہے۔

دفعہ ۲۱: دیکھو! اب ایک مجرم اپنے جرم کا خود ہی ذمہ دار ہوگا۔

دفعہ ۲۲: جان لو! اب نہ باپ کے جرم کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا اور نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا

جائے گا۔

دفعہ ۲۳: عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمات (احکام) کے تحت ان کے ستر تمہارے کے لیے حلال ہوئے۔

دفعہ ۲۴: خبردار! تمہارے لیے عورتوں سے نیک سلوک کی وصیت ہے کیونکہ وہ تمہاری پابند ہیں، اور اس کے سوا تم کسی معاملے میں حق ملکیت نہیں رکھتے۔

دفعہ ۲۵: لوگو! جس طرح عورتوں کے کچھ حقوق تمہارے ذمہ ہیں اسی طرح ان پر بھی تمہارے کچھ حقوق واجب ہیں (سنو! تمہاری عورتوں پر جس طرح کچھ حقوق تمہارے واجب ہیں اسی طرح تمہاری عورتوں کا بھی تم پر کچھ حق ہے)۔

(جہاں تک تمہارے ان حقوق کا تعلق ہے جو تمہاری عورتوں پر واجب ہیں) تو وہ یہ ہیں:-

۱۔ وہ کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں۔

۲۔ وہ تمہارا بستر کسی ایسے شخص سے پامال نہ کرائیں جسے تم پسند نہیں کرتے۔

۳۔ وہ تمہارے گھر میں کسی ایسے شخص کو داخل نہ ہونے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو مگر یہ کہ تمہاری اجازت سے۔

۴۔ اگر وہ عورتیں (ان باتوں) کی خلاف ورزی کریں تو تمہارے لیے اجازت ہے کہ:

الف: تم انہیں بستروں پر اکیلا، تنہا چھوڑ دو۔

ب: (ان پر سختی کرو) مگر شدید تکلیف والی چوٹ نہ مارو (اگر مارنا ہی چاہو)

دیکھو! کچھ حقوق ان کے بھی تمہارے اوپر عائد ہوتے ہیں مثلاً:

۵۔ یہ کہ کھانے پینے، پہنے اوڑھنے، (خوراک ولباس) کے بارے میں ان سے

اچھا سلوک کرو) (اگر وہ تمہاری نافرمانی سے باز آجائیں اور کہا مانیں تو (حسب حیثیت) ان کا کھانا کپڑا (خوراک لباس، نان نفقہ) تمہارے ذمے ہے)

(اور عورتوں پر یہ بھی واجب ہے کہ)

۶۔ عورتیں معروفات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں۔

۷۔ اور اگر وہ فرمانبرداری کریں تو اُن پر (کسی قسم کی) زیادتی کا تمہیں کوئی حق نہیں۔

۸۔ کوئی عورت اپنے گھر میں اخراجات نہ کرے، مگر ہاں اپنے شوہر کی اجازت سے۔

۹۔ جان لو! لڑکا (اولاد) اس کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا۔ (بچہ شوہر کی اولاد متصور ہوگا)

اور جس پر حرام کاری ثابت ہو اس کی سزا سنگساری ہے۔ (زناکار کے لیے پتھر) اور ان کا حساب اللہ کے ذمے۔

۱۰۔ دیکھو! کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر کسی کو دے۔

۱۱۔ خبردار! جس نے خود کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے منسوب کیا، یا کسی غلام نے (جان بوجھ کر) اپنے آقا کے سوا کسی اور آقا سے نسبت قائم کی تو اس پر اللہ کی اس کے فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی اور قیامت کے دن اس سے کوئی بدلہ یا معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ ۲۶: ۱۔ اور ہاں غلام تمہارے غلام! (ان سے حسن سلوک کرو)

الف: جو تم کھاتے ہو اس میں سے ان کو بھی کھلاؤ۔

ب: جو تم پہنتے ہو اس میں سے ان کو بھی پہناؤ۔

ج: اگر وہ کوئی ایسی خطا کریں جسے تم دیکھو کہ معاف نہیں کر سکتے تو اللہ کے بندو انہیں فروخت کردو (مگر)

د: انہیں بھیانک سزا (عذاب) تو نہ دو

۲۔ اور ان کے بارے میں بھی تمہیں (حسن سلوک کی) وصیت کرتا ہوں، جو لونڈیاں (تمہارے زیر تصرف) ہیں، پس ان کو وہ کھلاؤ اور پہناؤ جو تم کھاتے پہنتے ہو۔

حصہ د ﴿دینیات، عقائد، عبادت، معاملات، اخلاقیات﴾

دفعہ ۲۷: لوگو! بیشک مجھے حکم دیا گیا تھا کہ لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں، اور جب وہ اس کلمے کا اقرار کرلیں تو گویا انہوں نے اپنی اپنی جانوں اور مالوں کو بچالیا اور باقی حساب اللہ کے ذمے ہے۔

دفعہ ۲۸: اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

دفعہ ۲۹: اور نہ کسی کی ناحق جان لو (نہ قتل کرو)۔

دفعہ ۳۰: نہ بدکاری (زنا) کرو۔

دفعہ ۳۱: اور نہ ہی چوری (سرقہ) کرو۔

دفعہ ۳۲: لوگو! (اچھی طرح سمجھ لو!) میرے بعد نہ کوئی پیغمبر (آنے والا) ہے اور نہ تمہارے بعد کوئی امت (ہوگی)

۱۔ اپنے خطاب کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح الدجال کا ذکر فرمایا پھر ذکر میں کافی طول پکڑا، پھر دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

۲۔ کوئی نبی ایسا نہیں گذرا کہ جس نے اپنی امت کو دجال سے نہ ڈرایا ہو (پس میں

بھی) (میں بلاشبہ تمہیں اُس سے ڈراتا ہوں اور کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے اپنی قوم کو اس سے نہ ڈرایا ہو)

۳۔ بیشک میری سب سے افضل دعا بلکہ تمام انبیائے ماقبل کی یہی ہے:

لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد بیدہ الخیر، یحیی و یمیت و ھو علی کل شیءٍ قدیر۔

دفعہ ۳۳: خوب سن لو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو، نماز پنجگانہ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اپنے (رب کے) گھر (خانہ کعبہ) کا حج کرو، اپنی زکوٰۃ خوشی خوشی دیا کرو، اپنے حکام کی اطاعت کرو (اور اس طرح ان امور کی انجام دہی کے بعد بطور اجر) اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔

دفعہ ۳۴: اللہ سے ڈرو! (ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو) اور لوگوں کو اُن کی چیزیں (ناپ تول میں) کم نہ دیا کرو۔ اور ملک میں فساد کرتے نہ پھرو۔

دفعہ ۳۵: خبردار! دین میں غلو (مبالغہ آمیزی، انتہا پسندی) سے بچو، اس لیے کہ تم سے پہلے جو (قومیں) تھیں وہ دین میں غلو کی وجہ سے ہلاک کر دی گئیں۔

دفعہ ۳۶: لوگو!

دیکھو، شیطان اس بات سے تو بے شک بالکل مایوس ہو چکا ہے، کہ تمہاری اس سرزمین پر کبھی اس کی پرستش کی جائے گی، مگر چوکنا رہو! وہ اس بات پر بھی راضی ہوگا کہ اس (پرستش) کے سوا چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کے اشاروں کی تعمیل کی جائے، پس اپنے دین و ایمان کی (حفاظت کی) خاطر اس سے بچے رہنا۔

دفعہ ۳۷: لوگو!

۱۔ اللہ نے میراث (ترکہ) میں ہر وارث کا (جداگانہ) حصہ مقرر کر دیا ہے۔

۲۔اس لیے وارث کے لیے (تمام مال میں) وصیت کرنا جائز نہیں (چنانچہ) کسی کو ایک تہائی سے زائد (مال) کی وصیت کا حق نہیں ہے۔

(بقول راوی پھر حضور ﷺ نے ہمیں صدقے کا حکم دیا اور فرمایا:)

دفعہ ۳۸: صدقہ دیا کرو! اس لیے میں نہیں جانتا مگر شاید تم آج کے بعد مجھے پھر نہ دیکھ سکو۔

دفعہ ۳۹: اللہ کے نام پر (جھوٹی) قسمیں نہ کھایا کرو، کیونکہ جو اللہ کے نام پر (جھوٹی) قسم کھائے گا اللہ اس کا جھوٹ ظاہر کر دے گا۔

دفعہ ۴۰: لوگو! ا۔علم (تعلیم، معلومات) میں سے جو کچھ حاصل کر سکتے ہو، لے لو اس سے پہلے کہ وہ سمیٹ لیا جائے اور قبل اس کے کہ علم کو اٹھا لیا جائے۔

۲۔خبردار! علم کے اٹھائے جانے (ختم ہو جانے) کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اس کے جاننے والے ختم ہو جائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔

دفعہ ۴۱: دیکھو!

ا۔تین باتیں ایسی ہیں جن میں (مومن کا) دل (دھوکہ فریب) کینے کا شکار نہیں ہوتا یعنی:

الف: عمل میں اخلاص کہ صرف اللہ کے لیے۔

ب: (مسلمان) حاکموں کی خیر خواہی میں۔

ج: عام مسلمانوں (کی جماعت) سے وابستگی میں کیونکہ ان (مسلمانوں) کی دعائیں انہیں گھیرے رہتی ہیں (اس پر سایہ فگن رہتی ہیں)

۲۔اللہ نے ایسی کوئی بیماری (دکھ، تکلیف) پیدا نہیں کی جس کی دوا بھی نہ اتاری ہو سوائے بڑھاپے کے۔

دفعہ ۴۲: لوگو! میری بات سمجھو! کیونکہ میں نے سب کچھ تم تک پہنچا دیا ہے:

۱، میں نے تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑ دی ہے کہ تم کبھی گمراہ نہ ہوگے اگر اسے مضبوطی سے تھامے رہے اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔

۲، اور میں نے تمہارے درمیان ایسی چیزیں چھوڑ دی ہیں کہ اگر ان کو تھامے (پکڑے) رہے تو پھر کبھی بھی گمراہ نہ ہوگے۔ صاف و روشن اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت۔

دفعہ ۴۳: لوگو! سنو اور اطاعت کرو اگر چہ تمہارے اوپر کوئی نک کٹا حبشی غلام امیر بنا دیا جائے جو تمہارے درمیان کتاب اللہ (کے احکام) کو قائم (نافذ) کرے۔

دفعہ ۴۴: جان لو!

۱، ہر نبی (پیغمبر) کی دعوت گذر چکی ہے سوائے میری دعوت (دین و شریعت) کے، کہ (وہ ہمیشہ کے لیے ہے) میں نے اس کو اپنے پروردگار کے پاس قیامت تک کے لیے ذخیرہ (جمع) کر دیا ہے۔

۲، امابعد! انبیاء علیہم السلام (قیامت کے دن) کثرت تعداد پر فخر کریں گے، پس تم مجھے (اپنی بداعمالیوں کے سبب) رسوا نہ کر دینا، میں حوضِ کوثر پر (تمہارے انتظار میں) رہوں گا۔

۳، خبردار! میں حوض کوثر پر تم سے پہلے پہنچوں گا، اور دوسری امتوں پر تمہاری کثرت کے سبب فخر کروں گا، تو کہیں میری رسوائی کا باعث نہ بن جانا۔

۴، سنو!

میں بعض لوگوں کو (شفاعت کر کے) چھڑا لوں گا مگر بعض لوگ مجھ سے چھڑا لیے جائیں گے، پھر میں کہوں گا اے میرے رب! یہ تو میرے اصحاب (امتی) ہیں نا؟ اللہ فرمائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں کر ڈالی تھیں۔

دفعہ ۴۵: خبردار! میرے بعد کہیں کافر نہ بن جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

دفعہ ۴۶: اور ہاں سنو!

۱۔ تم اپنے رب سے ملو گے تو اللہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں (ضرور) باز پرس کرے گا۔

۲۔ پس جو (دنیا میں رہتے ہوئے ہمہ وقت) آخرت کو ہی اپنے پیش نظر رکھے گا تو اللہ اسے دل جمعی عطا کرے گا، اور اسے اس کی آنکھوں کے سامنے (دنیا میں ہی) بے نیازی و تونگری عطا کرے گا اور دنیا اس کے (قدموں میں) سرنگوں ہو کر خود آئے گی، لیکن جو دنیا کو ہی اپنا محبوب و مقصود قرار دے گا تو اللہ اس کے معاملات کو منتشر و متفرق کر دے گا اور وہ (آدمی دنیا میں ہی) اپنی آنکھوں کے سامنے افلاس و تنگ دستی دیکھ لے گا اور دنیا میں (سے تو) اسے اتنا ہی حصہ ملے گا جتنا کہ اس کے لیے (مقدر میں) لکھا جا چکا ہے۔

دفعہ ۴۷: دیکھو! اب تم نے مجھے (جی بھر کر) دیکھ بھی لیا ہے اور مجھ سے ان تمام باتوں کو سن بھی لیا ہے، تم سے عنقریب میرے بارے میں پوچھا جائے گا (تو سچ سچ بتانا) پس جس نے بھی مجھ پر جھوٹ باندھا تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے (گا)۔

دفعہ ۴۸: دیکھو!

۱۔ جو یہاں موجود ہے وہ غیر حاضر تک (میری) یہ سب باتیں (ضرور) پہنچا دے۔

۲۔ شاید کہ بعض ایسے کہ جن تک (یہ باتیں) پہنچیں (گی)، یہاں موجود بعض سننے والوں سے زیادہ سمجھ دار ثابت ہوں۔

۳۔ سن لو! تم میں سے جو یہاں قریب ہیں (ان کے لیے لازم ہے کہ) اپنے دور والوں (بعد میں آنے والے لوگوں) تک یہ (تمام) باتیں پہنچا دیں۔

حصہ ر ﴿ اختتامیہ ﴾

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

اے اللہ! (دیکھ لے) میں نے (تیرا پیغام بھرپور طور پر) پہنچا دیا ہے یا نہیں؟

(پھر لوگوں سے فرمایا)

کیا میں نے اللہ کا پیغام تم تک اچھی طرح نہیں پہنچا دیا۔

سنو! کیا میں نے حق تبلیغ ادا نہیں کر دیا؟

دیکھو! کیا میں نے تعلیم وتلقینِ دین کی انتہا نہیں کر دی؟

(تو سب حاضرین، سامعین، مجمع والے بیک آواز اقرار واعتراف کرنے لگے) بے شک! بے شک! (تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا، اے اللہ گواہ رہنا! (تیرے بندے کیسا صاف اقرار کر رہے ہیں)، اے اللہ گواہ رہنا (یہاں موجود لوگ کیا کہہ رہے ہیں)، اے اللہ گواہ رہنا! (پھر آپ ﷺ نے فرمایا) اور تم لوگوں سے (آخرت، قیامت میں اللہ کی طرف سے) میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم لوگ کیا کہو گے؟

تو سب نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ نے امانت الٰہی ہم تک پہنچا دی اور حق رسالت ادا کر دیا، اور (امت کو) نصیحت کرنے کی انتہا فرما دی۔

(پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھایا اور پھر اسے لوگوں کی طرف جھکایا اور) فرمایا۔ اے اللہ گواہ رہنا اے اللہ گواہ رہنا! اے اللہ گواہ رہنا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اسناد، حوالے، حواشی

۱۔ الجاحظ، ابی عثمان عمرو بن بحر، البیان والتبیین ۔ (تحقیق و شرح: عبد السلام محمد ہارون) مکتبۃ الخانجی بمصر، القاہرہ، ۱۹۶۰ء (الطبعہ الثانیہ) / ج ۲، ص ۳۱۔

خصائل و شمائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نمایاں وصف یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ جب بھی خطبہ ارشاد فرماتے اُس کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے کرتے، چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر بھی آپ ﷺ نے جو عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا اس کا آغاز بھی اللہ کی حمد و ثنا سے ہی فرمایا۔ بقول ابن اسحاق: فحمد الله وأثنیٰ علیه، (ابن ہشام / ج ۴، ص ۲۵۰) اللہ کی حمد و ثنا کے لیے الفاظ کا انتخاب ہر موقع پر ظاہر ہے یکساں نہ تھا۔ تاہم زیر نظر الفاظ مقبول ترین خطبۂ مسنونہ میں شمار ہوتے ہیں اور خطبۂ حجۃ الوداع کے سرآغاز کے طور پر بعض مآخذ میں انہیں نقل کیا گیا۔ مثلاً دیکھئے: ابن عبد ربہ (العقد / ج ۲، ص ۱۵۷)

۲۔ واقدی / کتاب المغازی (مرتبہ مارسدن جونس) آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، لندن، ۱۹۶۶ء / ج ۳، ص ۱۱۱۱

۳۔ ابن ہشام / ج ۴، ص ۲۵

۴۔ واقدی / ج ۳، ص ۱۱۰۳

۵۔ الہیثمی / ج ۳، ص ۲۷۱

۶۔ ایضاً / ص ۲۷۳ کم و بیش یہی الفاظ ابن عبد ربہ نے بھی نقل کیے ہیں لیکن آغاز أیها الناس سے کیا ہے۔ (دیکھئے / ج ۲، ص ۱۵۷)

۷۔ سنن النسائی/ ج ۵،ص ۲۷۰،الہیثمی کے ہاں الفاظ روایت میں معمولی سا فرق ہے (یعنی لعلی غیر حاج بعد عامی ھذا / ج ۳،ص ۲۶۹) مسند احمد میں بھی الفاظ کا معمولی فرق ہے(لتاخذوا مناسککم فانی لا أدری لعلی لا أحج بعد حجتی ھذہ) ملاحظہ ہو: المسند (الامام احمد بن حنبل، بشرح وتحقیق احمد محمد شاکر، دارالمعارف، مصر،طبع ثانی)

۸۔ سنن ابن ماجہ (ج ۲،ص ۲۴۸ عن جبیر بن مطعم) واقدی کے ہاں روایت کے الفاظ دوسرے ہیں (رحم اللہ أمرأ سمع مقالتی فوعا ھا فرب حامل فقہ لافقہ لہ و رب حامل فقہ الی من ھو أفقہ منہ) ملاحظہ ہو(واقدی/ ج ۳،ص ۱۱۰۳) یعقوبی نے بھی مختلف روایت نقل کی ہے۔(نضر اللہ وجہ عبد سمع مقالتی فوعاھا و حفظھا ثم بلغھا من لم یسمعھا فرب حامل فقہ غیر فقیہ، ورب حامل فقہ الی من ھو أفقہ منہ) دیکھئے تاریخ الیعقوبی (ج ۲،ص ۱۰۹) مولانا محمد یوسف اکاندھلوی نے نقل کیا ہے:واخرج ابن النجار عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال: خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسجد الخیف بمنی فقال: نضر اللہ عبداً سمع مقالتی فعمد بھا یحدث بھا اخاہ (ملاحظہ ہو: حیاۃ الصحابۃؓ(حققہ و ضبط أحادیثہ وعلق علیہ الاستاذ علی شیری) داراحیاءالتراث العربی،الطباعۃ والنشر، بیروت، الجزءالرابع/ص ۱۶۰)

۹۔ یعقوبی/ ج ۲،ص ۱۱۰۔

۱۰۔ الجاحظ/ ج ۲،ص ۳۳۔یعقوبی نے دوسرے تمام مآخذ سے مختلف یہ الفاظ نقل کیے ہیں(الناس فی الاسلام سوآءٌ الناس طفہ الصاع لآدم، لا فضل عربی علی عجمی ولا عجمی علی عربی الا بالتقوی) ملاحظہ ہو/ ج ۲،ص ۱۱۰)

۱۱۔ الجاحظ/ ج ۲،ص ۳۳

۱۲۔ القرآن۔سورۃ الحجرات،آیت ۱۳

۱۳۔ الہیثمی/ ج ۳، ص ۲۶۶۔ دفعہ :۱، مع ذیلی دفعات ۱، ۲ اور ۳ کا مضمون، سورۂ حجرات، آیت ۱۳ سے ہم آہنگ ہے

۱۴۔ الجاحظ/ ج ۲، ص ۳۱۔

۱۵۔ الصحیح المسلم/ نور محمد اصح المطابع، دہلی ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء، طبع اول/ ج ۱، ص ۳۹۷

۱۶۔ صحیح ابن خزیمہ/ کتاب المناسک باب ذکر البیان ان النبی ﷺ انما خطب بعرفۃ/ ج ۴، ص ۲۵۱۔

۱۷۔ ابن کثیر۔ البدایۃ والنہایۃ (فی التاریخ)/ مطبعۃ السعادۃ، مصر ۱۳۵۱، ۱۹۳۲ء/ ج ۵، ص ۲۰۱۔ الفاظ کے بہت معمولی فرق کے ساتھ یہی مضمون ابن ہشام نے آنحضرت ﷺ کے خطبۂ فتح مکہ کے تحت بیان کیا ہے اور اس میں اگلی ذیلی شق (۳) کا مضمون بھی بڑی حد تک شامل ہے۔ (الا! کل مآثرۃ أو مال یدعی فھو تحت قدمي ھا تین الاسدانۃ البیت و سقایۃ الحاج، الا وقتیل الخطاء شبہ العمد بالسوط والعصاء ففیہ الدیۃ مغلظۃ مئۃ من الابل) / ج ۴، ص ۵۴۔ تقریباً یہی الفاظ اور مضمون یعقوبی کے ہاں بھی/ ج ۲، ص ۶۰/ خطبۂ فتح مکہ کے تحت منقول ہے۔

۱۸۔ اس شق کے الفاظ اور مضامین کا توارد اگرچہ فتح مکہ کے موقع پر خطبۂ نبوی ﷺ میں بھی پایا جاتا ہے تاہم اس شق کو اکثر و بیشتر مآخذ میں خطبۂ حجۃ الوداع کے تحت ہی ذکر کیا گیا ہے، البتہ مضمون کے خاص حوالے کے سبب اس شق کو قوسین میں رکھا گیا ہے، اور مجموعی طور پر دفعہ کا مرکزی عنوان اپنی ذیلی دفعات پر بہرحال حاوی ہے۔

۱۹۔ الجاحظ/ ج ۲، ص ۳۱، ۳۲۔

۲۰۔ ابن ہشام/ ج ۴، ص ۲۵۱۔ یہ مضمون احادیث، تاریخ و سیر کے تقریباً تمام مآخذ میں پایا جاتا ہے۔ (مثلاً صحیح المسلم/ ج ۱، ص ۳۹۷۔ سنن ابی داؤد مع شرح عون المعبود/ ج ۳، ص ۲۴۹۔ واقدی/ ج ۳، ص ۱۱۱۱۔ ابن کثیر/ البدایۃ والنہایۃ/ ج ۵، ص ۲۰۱ وغیرہ وغیرہ، لیکن ابن ہشام کی روایت میں عمومیت الفاظ کے ساتھ جو ہمہ گیریت و آفاقیت پائی

جاتی ہے اس کے سبب ہمارے نزدیک وہ قابل ترجیح ہے، دفعہ: ۳ کی ذیلی دفعہ ۴ اور ۵ سے اندازہ ہوتا ہے کہ سود کی حرمت متحقق ہو جانے کے باوجود اس کی باقیات اس وقت تک پائی جاتی تھیں جن کا ختم کرنا ضروری تھا اور اس کا عملی نمونہ حضور رسالت مآب ﷺ نے خود پیش فرمایا۔

۲۱۔ الصحیح المسلم / ج ۱، ص ۳۹۷۔

۲۲۔ ابن ہشام / ج ۴، ص ۲۵۱

۲۳۔ اس بارے میں سخت اختلاف ہے کہ ''ابن ربیعہ'' کا مصداق کون ہے، ابن ہشام نے ابن ربیعۃ بن الحارث لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔ مسلم میں بھی ابن ربیعہ کی روایت ہے / ج ۱، ص ۳۹۷۔ واقدی نے ایاس بن ربیعہ لکھا ہے / ج ۳، ص ۱۱۰۳، ۱۱۱۱۔ یعقوبی کے نزدیک آدم بن ربیعہ مراد ہے۔ (یعقوبی / ج ۲، ص ۱۱۰)۔ الجاحظ کے ہاں عامر بن ربیعۃ منقول ہے / ج ۲، ص ۳۱۔ یہی نام ابن عبد ربّہٖ کے ہاں بھی مذکور ہے / ج ۱، ص ۱۵۸۔ جبکہ السہیلی یوں رقم طراز ہیں: **اسم ابن ربیعة المسترضع فی هذیل وان اسمہ آدم و قیل تمام**........ (الروض الانف۔ شرح السیرۃ النبویۃ ابن ہشام) مطبعۃ الجمالیۃ، مصر ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء / ج ۲، ص ۵۲۔ ۳۵۱) اور صاحب عیون الاثر لکھتے ہیں: **و کان اسمہ آدم فأصابہ حجر عائر او سھم غرب من یدرجل من بنی ھذیل فمات**۔ (ملاحظہ ہو۔ ابن سید الناس / عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، مکتبہ القدسی، قاہرہ ۱۳۵۶ھ / ج ۲، ص ۲۷۵) تعجب ہے کہ ابن ربیعہ الحارث کے بجائے ابوداؤد کی روایت میں ''دم الحارث بن عبدالمطلب'' / ج ۳، ص ۲۴۹) مذکور ہے اور باقلانی نے ''دم ربیعہ بن الحارث'' لکھا ہے (الباقلانی) (اعجاز القرآن / ص ۱۱۱) الشیخ حبیب الرحمٰن الاعظمی نے (جزء خطبات النبی میں) امام احمد کے حوالے سے صفحہ ۳ پر اور البزار کے حوالے سے صفحہ ۵ پر ''دم ربیعۃ بن الحارث'' نقل کیا ہے، بہرحال ''ابن ربیعۃ'' کے علاوہ خود ربیعۃ یا حارث کا ذکر یقیناً سہواور خلاف حقیقت ہے۔

۲۴۔ ابن ہشام/ ج ۴، ص ۲۵۱

۲۵۔ ایضاً۔ علامہ ابن کثیر نے جو روایات اپنی تفسیر میں نقل کی ہیں انہیں بھی مضمون یہی ہے البتہ الفاظ کا معمولی فرق پایا جاتا ہے۔ مثلاً حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا تھا: وانما النسئی من الشیطان زیادۃ فی الکفر یضل بہ الذین کفروا یحلونہ عاماً و یحرمونہ عاما ...... الخ۔ (ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۔ دار الاندلس بیروت، / ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۶ء/ ج ۳، ص ۴۰۰) نسئی کے ادارے کو ختم کرنے کا اعلان جاہلیت عرب کی تاریخ اور ساکنانِ عرب کی مذہبی، معاشرتی اقدار کے حوالے سے یقیناً ایک انقلابی اعلان (اصولی قدم/ دستوری ترمیم کے مراوف) تھا۔ نسئی کی روایت عربوں میں قدیم زمانہ سے مروج تھی، اس کے تحت انھوں نے خود ساختہ قاعدہ یہ بنا رکھا تھا کہ ہر تیسرے سال ایک (۱۳ ویں) مہینہ کا اضافہ کر دیتے تھے۔ (جو ذوالحجہ اور محرم کے درمیان ہوتا تھا) جو ان کے اعلان کے مطابق حرام نہ ہوتا تھا۔ اس طرح نہ صرف یہ تین حرام مہینوں (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، اورمحرم) کا تسلسل ٹوٹ جاتا تھا، بلکہ حرام مہینوں کی تعداد پوری کرنے کے لیے وہ اگلے مہینے (صفر) کو حرام قرار دیتے تھے جو عام حالات میں حرام مہینہ نہ ہوتا تھا۔ (قرآن نے بھی ان کی اس کافرانہ ظالمانہ بلا جواز کارروائی کو ضلالت و گمراہی قرار دیا۔ (سورۃ توبہ، آیت ۳۶، ۳۷) علامہ ابن کثیر نے ان دونوں آیات کے تحت جو تفصیلات تحریر کی ہیں انہیں عہد جاہلیت میں نسئی کی صورت حال، القلمس اور بنو کنانہ کا کردار، تقویم جاہلی میں ردو بدل وغیرہ کی وضاحت کی ہے۔ (تفسیر/ ج ۲، ص ۳۹۳ تا ۴۰۰) اس لیے حجۃ الوداع کے موقع پر جب کہ کفر و ضلالت اور جاہلیت و ظلم کا ہر نشان مٹایا جا رہا تھا، نسئی کے قاعدہ (قمری مہینوں کو کبیسہ کر کے شمسی بنانا) کو ختم کر کے سالانہ تقویم (کلینڈر) کی اصلاح کر کے خالص قمری تقویم کا اجرا پیغمبر انسانیت ﷺ کا ایسا کارنامہ تھا۔ جس کے اثرات بعد کی تاریخ پر بہت گہرے مرتب ہوئے اور ظرف زمان و مکان بدل گیا۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب۔ نقوش، رسول نمبر/ ج ۲، ص ۵۹۳، پیراگراف ۱۸۰)

۲۶: واقدی/ ج ۳، ص ۱۱۱۲۔ اس ذیلی دفعہ کی شق الف اور ب کا مضمون متعدد مآخذ میں الفاظ کے معمولی تغیر وتبدل کے ساتھ پایا جاتا ہے/ مثلاً دیکھئے بخاری/ ج ۵، ص ۲۲۴۔ ابوداؤد/ ج ۲، ص ۱۴۰۔ الہیثمی نے کتاب الحج میں باب الخطب فی الحج کے تحت متعدد ہدایات کو جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ زیر بحث مضمون حضرت ابوحرۃ الرقاشی، ابن عمر، اور ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ (ملاحظہ ہو: الہیثمی / ج ۳، ص ۲۶۸۔ ۲۶۶) یہ امر باعث دلچسپی ہے کہ مسعودی نے اپنی تاریخ میں خطبۃ الوداع کا صرف یہی ایک جملہ (الا! ان الزمان قد استدار..... الخ) نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: المسعودی، ابی الحسن علی بن حسین بن علی۔ مروج الذہب و معادن الجوہر۔ المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر ۱۹۴۸ء/ ج ۲، ص ۲۹۷)

۲۷۔ مسند الامام الربیع بن حبیب/ ص ۲۳۰) حجۃ الوداع میں خطبۂ نبوی ﷺ کا یہ فقرہ اگرچہ صحاح ستہ اور متداول کتب احادیث میں مروی نہیں تاہم مسند الامام الربیع بن حبیب میں منقول ہے۔ مسند الربیع کو صحاح ستہ پر تقدم زمانی بہرحال حاصل ہے۔ یہ ارشاد نبوی ﷺ نہ صرف یہ کہ مثبت طور پر ''حج'' کو (ارکان و) ''شعار اسلام'' کی حیثیت سے محقق کر رہا ہے بلکہ ماقبل دفعہ کی ذیلی شق ۷ سے مربوط اور سلسلۂ وار معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جب تمام آثارِ ضلالت اور نشانات جاہلیت کو محو کیا جا رہا تھا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ عرب جاہلیت کی رسوماتِ حج کی اصلاح نہ کی جاتی۔ اور جب نسیؔ کو باطل قرار دے کر نئی (قمری) تقویم کا اجرا کیا جا رہا تھا، اور رسوماتِ حج (شعائر اللہ) کی تعلیم وتلقین کا یہ تاکید اہتمام ہو رہا تھا تو حج بیت اللہ کے ہر رکن کو مستحکم کرنے اور زمانہ کی چال کو پھر سے درست حالات میں رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ حج کی ادائیگی کو ذی الحجہ سے مختص کر دیا جاتا، یہ معمولی بات نہ تھی۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عرب جاہلیت میں انعقاد حج کے لیے ماہِ ذالحجہ کی قید نہ تھی، چنانچہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ اہل عرب تمام سال کے کسی مہینہ کو بھی محل حج اور ظرف حج قرار دے لیتے تھے۔ (فکانت

الجاھلیة یحجون فی کل شھر من شھور السنة ۔ابن سعد/ ج ۲،ص ۱۸۶) بلکہ (کہا جاتا ہے کہ) ۹ھ میں جب حج فرض ہوا اور آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں حضرت ابو بکرؓ کی امارت میں مسلمانوں نے جو حج ادا کیا وہ (بھی دراصل) ماہ ذوالقعدہ میں ہوا تھا۔البتہ حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۰ھ میں حج ٹھیک ذوالحجہ میں ادا ہوا۔ابن کثیر نے آیت ان الزمان قد استدار ..... الخ کے تحت لکھا ہے:انہ اتفق ان حج رسول اللہ فی تلک السنة فی ذی الحجة وان العرب قد کانت نسأت النسئی یحجون فی کثیر من السنن بل اکثر ھما فی غیر ذی الحجة۔ (ابن کثیر،تفسیر/ ج ۳،ص ۹۵۔۳۹۴)

۲۸۔ اگلی دفعات (۵ تا ۷) کا مضمون الفاظ کے معمولی ردوبدل یا تقدیم وتاخیر لیکن تقریباً تواتر معنوی کے ساتھ احادیث وسیر کے تمام قابل ذکر مآخذ میں موجود ہے۔مثلاً: بخاری/ ج ۱،ص ۲۶، ۳۷، ۳۸۔ ج ۵،ص ۲۴۔ ۲۲۳۔ ج ۸،ص ۱۹۸۔ ج ۹،ص ۶۴۔ ۶۳۔ مسلم/ ج ۱،ص ۳۹۷۔ ابوداؤد/ ج ۲،ص ۱۲۷۔ صحیح ابن خزیمہ/ ج ۴،ص ۵۱۔ ۲۵۰۔ واقدی/ ج ۳،ص ۱۱۰۳۔ ابن ہشام/ ج ۴،ص ۵۲۔ ۲۵۰۔ بیہقی/ ج ۵،ص ۱۳۹۔ سنن الدارمی/ص ۲۳۵۔ وغیرہ وغیرہ۔

۲۹۔ الہیثمی/ ج ۳،ص ۲۶۵/عن ابی حرۃ الرقاشی۔

۳۰۔ الہیثمی/ ج ۳،ص ۲۶۵۔ باقلانی کے ہاں یہ الفاظ منقول ہیں:(اسمعوا منی تعیشوا الا لا تظالموا (ثلاثا) ملاحظہ ہو: اعجاز القرآن/ص ۱۱۱) لیکن ابن کثیر نے ہیثمی کے مطابق لکھا ہے۔(السیرۃ النبویہ/ ج ۴،ص ۴۰۱)

۳۱۔ واقدی/ ۱۱۱۷۔ اسی کے متابعت اگرچہ طبری (تاریخ/ ج ۲،ص ۴۰۳) اور المقریزی (تقی الدین احمد بن علی، امتاع الاسماع بما للرسول من الانباء والاموال والحفدۃ والمتاع/ مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر قاہرہ، ۱۹۴۱ء/ ج ۱،ص ۵۳۲) نے بھی کی ہے۔لیکن ابن ہشام کے یہاں الفاظ فلا تظلمن انفسکم (ج ۴،ص ۲۵۲) مذکور ہیں۔

۳۲۔ ابن ہشام/ ج ۴، ص ۲۵۲۔ ۲۵۱۔ واقدی کے یہاں الفاظ یہ ہیں کل مسلم اخوا المسلم، وانما المسلمون اخوۃ (ص ۱۱۱۳) اور مولانا کاندھلوی نے حیاۃ الصحابۃ (ج ۴، ص ۳ ۵۰ : بحوالہ حاکم ج ۱، ص ۹۳) حضرت ابن عباس کی روایت سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: ان کل مسلم اخ المسلم، المسلمون اخوۃ، ولا یحل لامری من مال اخیہ الا........ مااعطاہ عن طیب نفس۔

۳۳۔ واقدی/ ص ۱۱۱۱

۳۴۔ الہیثمی / ج ۳، ص ۲۶۸۔ یعقوبی کی روایت کے مطابق: ان المسلم اخوا المسلم، لا یغشہ ولا یخونہ ولا یغتابہ ولا یحل لہ دمہ، ولاشیء من مالہ الا بطیبۃ نفسہ (ج ۲، ص ۱۱۱)

۳۵۔ الہیثمی / ج ۳، ص ۲۶۵۔

۳۶۔ ایضاً۔ ابن ہشام کے یہاں الفاظ یہ ہیں: فلا یحل لأمری من أخیہ الا مااعطاہ عن طیب نفس (ج ۴، ص ۲۵۲)

۳۷۔ الہیثمی / ج ۳، ص ۲۶۸۔ طبرانی میں ابی مالک الاشعری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: واحد کم من المسلم؟ من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ (الاعظمی / ص ۸۔۶)

۳۸۔ الہیثمی / ج ۳، ص ۲۶۸

۳۹۔ ایضاً

۴۰۔ الاعظمی/ ص ۶ بحوالہ البزار وطبرانی

۴۱۔ الجاحظ/ ج ۲، ص ۳۱۔

۴۲۔ ابن کثیر/ السیرۃ / ج ۴، ص ۳۹۶

۴۳۔ ایضاً

۴۴۔ ایضاً

۴۵۔ ایضاً

۴۶۔ ترمذی/ ج ۲، ص ۳۸۔ نیز ابن ماجہ/ ج ۲، ص ۲۴۷۔

۴۷۔ ترمذی/ ج ۲، ص ۳۸

۴۸۔ مسلم/ ج ۱، ص ۳۹۷۔ واقدی/ ج ۳، ص ۱۱۰۳، اور صحیح ابن خزیمہ/ ج ۴، ص ۲۵۱۔ کے یہاں بھی مضمون یہی ہے البتہ الفاظ میں معمولی سا فرق پایا جاتا ہے۔

۴۹۔ ترمذی/ ج ۱، ص ۱۳۹۔عن سلیمان بن عمرو بن الاحوص۔ ابن ہشام کے یہاں بھی الفاظ کے معمولی فرق سے مضمون یہی ہے۔ (ج ۴، ص ۲۵۱)۔ یعقوبی کے یہاں ابتدائی الفاظ ہیں۔ اوصیکم بالنسآء خیرا (ج ۲، ص ۱۱۱)

۵۰۔ واقدی/ ج ۳، ص ۱۱۱۲

۵۱۔ ترمذی/ ابواب الرضاع/ ج ۱، ص ۱۳۹

۵۲۔ ایضاً

۵۳۔ ابن ہشام/ ج ۴، ص ۲۵۱۔

۵۴۔ مسلم/ ج ۱، ص ۳۹۷۔ باقلانی کے ہاں روایت کے الفاظ یہ ہیں: الا یوطئن فرشکم أحدا غیرکم فان خفتم نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن (ص ۱۱۲) ترمذی کے الفاظ ہیں: فلا یوطئن فرشکم من تکرھون (ج ۱، ص ۱۳۹)

۵۵۔ واقدی (ج ۳، ص ۱۳۔۱۱۱۲) ترمذی کے الفاظ یہ ہیں: و لا یاذن فی بیوتکم لمن تکرھون (ج ۱، ص ۱۳۹)

۵۶۔ واقدی/ ج ۳، ص ۱۳۔۱۱۱۲۔

۵۷۔ ترمذی/ ج ۱، ص ۱۳۹

۵۸۔ ایضاً/ ہذا حدیث حسن صحیح

۵۹۔ واقدی/ ج ۳، ص ۱۳۔۱۱۱۲۔

۶۰۔ الاعظمی/ص ۵

۶۱۔ ایضاً

۶۲۔ ابن کثیر/البدایہ/ج ۵،ص ۱۹۸

۶۳۔ الطیالسی/ج ۵،ص ۱۵۴

۶۴۔ ایضاً

۶۵۔ ایضاً

۶۶۔ ابن ہشام/ج ۴،ص ۲۵۳

۶۷۔ ابن سعد/ج ۲،ص ۱۸۵۔ نیز دیکھئے مسند احمد عن عبدالرحمٰن بن زید عن ابیہ/ج ۴،ص ۳۶

۶۸۔ یعقوبی/ج ۲،ص ۱۱۱

۶۹۔ واقدی/ج ۳،ص ۱۱۱۳

۷۰۔ ابن کثیر/البدایہ/ج ۵،ص ۱۹۷۔ بحوالہ احمد عن سلمة بن قیس الاشجعی۔ اپنی کتاب السیرۃ میں ابن کثیر نے اسی روایت کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فی حجة الوداع، انما هن أربع: لاتشرکوا بالله شیئاً ولا تقتلوا النفس التی حرم الله الا بالحق ولا تزنوا ولا تسرقوا (السیرۃ/ج ۴،ص ۳۹۲)

۷۱۔ الہیثمی/ج ۳،ص ۲۷۴

۷۲۔ مسند احمد/ج ۹،ص ۴۴، ۴۵

۷۳۔ بخاری/باب حجۃ الوداع/ج ۵،ص ۲۲۳۔

۷۴۔ ایضاً/ج ۹،ص ۷۵۔ النووی کے یہاں الفاظ روایت یہ ہیں: قال، مابعث الله من نبی الا انذره امته، انذره نوح والنبیون من بعده وانه یخرج فیکم فماخفی علیکم من شانه فلیس یخفی علیکم .... الخ / ملاحظہ ہو: النووی، ابی زکریا محی الدین یحیٰی، ریاض الصالحین من کلام سید المرسلین۔ دار الرشاد بیروت، ۱۹۶۸ء/ص ۷۶، رقم ۲۰۵

۷۵۔ واقدی/ ج ۲، ص ۱۱۰

۷۶۔ احمد/ المسند/ ج ۶، ص ۲۶۲۔ طبرانی/ مسند الشامیین/ بیروت، موسسۃ الرسالۃ، ۱۹۸۴ء/ ج ۲، ص ۴۰۱، رقم ۱۵۸۱۔ خطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ)/ تاریخ بغداد/ بیروت، دار الکتب العلمیہ/ ج ۶، ص ۱۹۱۔ تاریخ بغداد کی روایت میں الفاظ کی ترتیب میں فرق ہے اس میں حج کا ذکر پہلے ہے۔

۷۷۔ یعقوبی/ ج ۲، ص ۱۱۰۔

۷۸۔ ابن سعد/ ج ۲، ص ۱۸۱

۷۹۔ ابن ہشام/ ج ۴، ص ۲۵۱۔ الفاظ کے معمولی ردو بدل کے ساتھ یہی مضمون ترمذی/ ج ۲، ص ۱۸۔ ابن ماجہ/ ج ۲، ص ۲۴۷، اور واقدی/ ج ۳، ص ۱۱۱۱ کے یہاں بھی منقول ہے۔ البتہ المسند (بھامشہ کنز مسند جابر) میں الفاظ بالکل مختلف ہیں: ان الشیطان قد ایس ان یعبدہ المصلون ولکن فی التحریش بینھم (ج ۵، ص ۳۱۳) جبکہ صاحب حیاۃ الصحابۃ کے مطابق (اخرج الحاکم/ ج ۱، ص ۹۳) عن ابن عباس..... قد یئس الشیطان بان یعبد بأرضکم ولکنہ رضی أن یطاع فیما سوی ذلک مما تحاقرون من اعمالکم فاحذروا (ج ۴، ص ۱۵۹) اور یہی الفاظ باقلانی (ص ۱۱۱) نے بھی نقل کیے ہیں۔

۸۰۔ الجاحظ/ ج ۲، ص ۳۳۔ ابن کثیر نے امام احمد کے حوالے سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: قال الامام احمد ان اللہ قد اعطیٰ کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث۔ دیکھیے۔ البدایۃ/ ج ۵، ص ۱۹۸۔ السیرۃ/ ج ۴، ص ۳۹۵۔ حیاۃ الصحابۃ میں منقول روایت بھی یہی ہے: ان اللہ قدا عطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث۔ (حیاۃ الصحابۃ/ ص ۱۲۷)

۸۱۔ الہیثمی/ ج ۳، ص ۲۶۹

۸۲۔ ایضاً/ ص ۲۷۱

۸۳۔ مسند احمد/ ج ۵، ص ۲۶۶

۸۴۔ واقدی/ ج ۳، ص ۱۱۰۳۔ ابن ماجہ کی روایت میں الفاظ کا معمولی فرق ہے۔ ثلاث لا یغل علیھن یعنی قلب المومن اخلاص العمل للہ، والنصیحة لولاة المسلمین ولزومھم جماعتھم فان دعوتھم تحیط من ورآئھم / ج ۲، ص ۲۴۸۔ البتہ یعقوبی کے ہاں جزو (ب) اور (ج) کے الفاظ مختلف ہیں یعنی (ب) والنصیحة لأئمة الحق (ج) واللزوم لجماعة المومنین / ج ۲، ص ۱۰۹۔ جبکہ حیاۃ الصحابہ میں ایک روایت یہ درج ہے۔ (واخرج ابن النجار عن ابن عمر ثلاثة لا یغل علیھن قلب مسلم: اخلاص العمل للہ ومناصحة ولاة الأمر ولزوم جماعة المسلمین فان دعوتھم تحیط من ورائھم، کذا فی الکنز (ج ۸، ص ۲۲۸)۔ دیکھئے حیاۃ الصحابہ/ ص ۱۶۰

۸۵۔ ابن کثیر/ السیرۃ/ ج ۴، ص ۳۹۳

۸۶۔ واقدی/ ج ۳، ص ۱۱۰۳۔ ۱۱۱۳۔ تقریباً یہی الفاظ مسلم کے یہاں/ (ج ۱، ص ۳۹۷) پائے جاتے ہیں، البتہ البیہقی نے کتاب اللہ کے بعد فاعملوا بہ (ج ۳، ص ۲۶۷) کا اضافہ کیا ہے۔ مولانا کاندھلوی کے مطابق بخاری نے احادیث عکرمہ سے اور مسلم نے ابی اویس سے احتجاج کیا ہے اور تمام روایات اس پر متفق ہیں کہ خطبۂ نبوی ﷺ کے الفاظ یہ تھے۔ یا ایھا الناس انی قد ترکت فیکم مالن تضلوا بعدہ اِن اعتصمتم بہ کتاب اللہ۔ نیز حاکم میں بروایت ابن عباسؓ الفاظ یہ ہیں: یا ایھا الناس! انی قد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم بہ فلن تضلوا أبداً کتاب اللہ وسنة نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم (ملاحظہ ہو حیاۃ الصحابہ/ ج ۴، ص ۱۵۹) تاہم جامع ترمذی، یعقوبی، اور ابن عبد ربہ کے یہاں کتاب اللہ کے علاوہ عترتی، اہل بیتی کا اضافہ ہے۔ دیکھئے۔ ترمذی/ ج ۲، ص ۲۱۹۔ یعقوبی/ ج ۲، ص ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ العقد الفرید/ ج ۲، ص ۱۵۸۔ لیکن حجۃ الوداع کے موقع پر چونکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا تخاطب عام تھا اور ایھا الناس کی پورے خطبے میں کثرت تکرار ہے، نیز اس وقت کے موقع ومحل سے بھی اندازہ یہ ہوتا ہے کہ عترتی و اھل بیتی کے الفاظ پورے خطبے کی ساخت سے ''لگا نہیں کھاتے،

اور اس حقیقت اور امر واقعی کے ساتھ کہ عترت واہل بیت دونوں کو فخر معیتِ رسول حاصل تھا نیز قــد تر کت فیکم میں فیکم کی ضمیر میں اہل بیت وعترت کا بہر حال شمار تھا۔ چنانچہ اگر اُن کا شمول تسلیم کیا جائے تو تخاطب میں اہل بیتی وعترتی کا مضمون بے محل نظر آئے گا۔ اس لیے یہ ٹکڑا بہت ممکن ہے کہ غدیر خم کے خطبہ کا حصہ ہو جو خطبۂ حجۃ الوداع کے چند دنوں بعد ہی ارشاد فرمایا گیا تھا اور جس کا مضمون بھی زیر بحث الفاظ ومندرجات اور موقع ومحل سے کلی مطابق رکھتا ہے۔

۸۷۔ طبرانی/ مسند الشامین/ بیروت، موسسۃ الرسالۃ، ۱۹۸۴ء۔ خطیب البغدادی (م ۴۶۳ ھ)/ تاریخ بغداد/ بیروت، دار الکتب العلمیہ/ ج ۶، ص ۱۹۱

۸۷۔ ابن ہشام/ ج ۴، ص ۲۵۱۔

۸۸۔ ابن سعد (ج ۲، ص ۱۸۵) چند الفاظ کی تقدیم وتاخیر کے ساتھ صحیح مسلم کے ہاں بھی یہی مروی ہے۔"ان امر علیکم عبد مجدع اسود یقود کم بکتاب الله فاسمعوا له واطیعوا۔ دیکھئے مسلم باب حجۃ النبی ﷺ۔ مسلم کی یہ روایت ابن کثیر نے بھی چند الفاظ کے فرق سے نقل کی ہے۔ان امر علیکم عبد مجدع، حسبتها قالت أسود یقو دکم بکتاب الله فاسمعوا له واطیعوا۔ ملاحظہ ہو: ابن کثیر/ السیرۃ/ ج ۴، ص ۳۹۱۔ نیز البدایہ/ ج ۵، ص ۱۹۶۔ مولانا کاندھلوی کے مطابق وأخرجه النسائي ایضاً نحوه کما فی الکنز/ ج ۳، ص ۶۲۔ دیکھئے: حیاۃ الصحابۃ/ ج ۴، ص ۱۶۱۔

۸۹۔ الہیثمی/ ج ۳، ص ۲۷۱۔ کنز العمال/ ج ۵، ص ۳۹۰

۹۰۔ الہیثمی/ ج ۳، ص ۲۷۱

۹۱۔ ابن ماجہ/ ج ۲، ص ۲۴۸۔

۹۲۔ ایضاً

۹۳۔ بخاری/ ج ۱، ص ۴۱۔ ج ۵، ص ۲۲۳، ۲۲۴۔ نیز ج ۹، ص ۶۳-۶۳۔ بخاری کی کتاب الفتن میں ابن عباس کی روایت میں الفاظ: لاترتدوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب

بعض / ج ۹،ص ۶۳،منقول ہیں۔الفاظ کا معمولی فرق/ ج ۵،ص۲۲۴ بروایت ابی بکرہ میں بھی پایا جاتا ہے۔الفاظ وروایات کا یہی فرق کتب سیر ومغازی میں سے بالترتیب مثلاً واقدی/ ج ۳،ص۱۱۱۳۔اورابن کثیر/ البدایہ/ ج ۵،ص ۱۹۵۔میں بھی موجود ہے۔

۹۴۔ ابن ہشام/ ج ۴،ص ۲۵۰۔ بخاری کی روایت میں بھی تقریباً یہی الفاظ ہیں۔وستلقون ربکم فیسألکم عن اعمالکم / ج ۵،ص۲۲۴۔

۹۵۔ حیاۃ الصحابۃ/ ج ۴،۱۵۹۔بحوالہ اخرج الطبرانی و ابوبکر الخفاف فی معجمه و ابن النجار عن ابن عباس قال خطبنا رسول الله صلی الله علیه وسلم فی مسجد الخیف. کذافی الکنز۔ ج ۸/ص۲۰۲۔

۹۶۔ مسند احمد/ ج ۵،ص ۴۱۲

۹۷۔ مسند احمد/ ج ۳،ص ۳۲۷۔بتحقیق احمد محمد شاکر۔

۹۸۔ ابن سعد/ ج ۲،ص ۱۸۶۔ بخاری کے متعدد ابواب میں الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ یہ قول مروی ہے۔مثلاً دیکھیے باب قول النبی ﷺ رب مبلغ اوعیٰ من سامع / ج ۱،ص ۲۶۔ نیز قصۃ دوس والطفیل/ ج ۵،ص۲۲۴۔کتاب الفتن/ ج ۹،ص ۶۳۔ الہیثمی کے یہاں الفاظ قدرے مختلف ہیں۔فانه رب مبلغ اسعد من سامع۔ دیکھیے/ ج ۳،ص ۲۶۶۔

۹۹۔ البیہقی/ السنن الکبریٰ/ ج ۵،ص ۱۵۲۔عن سراء بنت نبهان۔

۱۰۰۔ الحمیدی/مسند/ ج ۵،ص ۱۶۸

۱۰۱۔ ابن ہشام/ ج ۴،ص ۲۵۲

۱۰۲۔ ایضاً

۱۰۳۔ایضاً۔واقدی کے ہاں روایت کے الفاظ یہ ہیں وانتم مسؤلون عنی فما انتم قائلون/ ج ۳،ص۱۱۰۳۔

۱۰۴۔ بروایت واقدی/قالوا نشهد ان قدبلغت و ادیت و نصحت / ج ۳،ص ۱۰۳ادلائل

بیہقی / ج ۵، ص ۴۳۶ کے مطابق بروایت جابر خطبہ کے اختتامی اختتام پر حاضرین نے شہادت ان الفاظ میں ثبت کی۔ نشهد ان قد بلغت و اديت و نصحت ۔ (دیکھئے حیاۃ الصحابہ/ ج ۴، ص ۱۵۹۔

۱۰۵۔ واقدی کے یہاں ہے ثم قال باصبعه السبابة الى السماء یر فعها ویکبّها ثلاثاً/ ج ۳، ص ۱۱۰۳۔

۱۰۶۔ مسلم/ باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم/ ج ۱، ص ۳۹۷۔

۱۰۷۔ الجاحظ/ ج ۲، ص ۳۰۔ اسی کی متابعت ابن عبدربہ نے کی ہے۔ دیکھئے/ ج ۲، ص ۱۵۸۔

باب پنجم

توضیحات

شانِ خطبہ و خطیب عالم

یہ مکرر عرض ہے کہ حجۃ الوداع (حجۃ البلاغ، حجۃ التمام، حجۃ الاسلام) کا واقعہ نہ صرف پوری اسلامی تاریخ میں انتہائی عظیم الشان حیثیت رکھتا ہے بلکہ سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے یہ حیاتِ مقدسہ کا وہ ناقابلِ فراموش واقعہ ہے، جو متعدد پہلوؤں سے گوناگوں حیثیت اور عظمت و اہمیت رکھتا ہے، جریدۂ عالم پر یہ نقشِ دوام بن کر ابھرا اور تاریخ پر گہرا اثر ڈالا۔

اس واقعے کا اگرچہ ہر جزو اہم اور ہر پہلو قابل لحاظ ہے تاہم اس واقعۂ بے مثال کا جزوِ اعظم، اور وجہ افتخار وہ خطبۂ جلیلہ ہے جو فخر انبیاء، سید الرسل، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار برس پہلے جمعہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ / ۷ مارچ ۶۳۲ء کو میدانِ عرفات میں اپنی زبان وحی ترجمان سے ارشاد فرمایا تھا۔ وہ بہت عظیم خطبہ تھا۔ (خطبۃ عظیمۃ، ابن کثیر) وہ بہت طویل خطبہ تھا (قولاً کثیرا، ابن کثیر) وہ خطبہ اپنے صدور کے اعتبار سے تو خطبہ تھا مگر اپنے وقوع کے اعتبار سے فرمان اور اپنے شیوع کے اعتبار سے منشور تھا۔ عالمگیر منشورِ انسانی!

خطبے کا عالمی انسانی منشور کی حیثیت سے جو متن گذشتہ صفحات میں پیش کیا گیا، اس کی ترتیب و تدوین میں ایک دیباچہ ہے اور ایک اختتامیہ (اس کے مندرجات بھی متن خطبہ سے ماخوذ ہیں) دیباچہ اور اختتامیہ کے درمیان مواد اور متن خطبہ اڑتالیس (۴۸) مرکزی دفعات پر مشتمل ہے ذیلی دفعات اس کے علاوہ ہیں جو اکہتر (۷۱) ہیں، اور کل سطریں ایک سو

ستاسی ہیں، اس تجزیے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ ایک بڑی دستاویز ہے جس کی کل دفعات ۴۷ + ۷۱ = ۱۱۸ ہیں اور جو دنیا میں پائے جانے والے تمام نوشتہ ہائے حقوق انسانی سے زیادہ ہیں۔ (مثلاً برطانیہ کے میگنا کارٹا مجریہ ۱۲۱۵ء میں کل ۶۳ دفعات ہیں، جن میں اصولی باتوں اور انسانی حقوق اور آزادیوں کی جھلک محض چند دفعات میں پائی جاتی ہے۔ اعلانِ حقوقِ انسانی و باشندگان فرانس مجریہ ۱۷۸۹ء میں بھی کل تعداد اس سے کم اور حقوق آزادی وغیرہ سے متعلق دفعات محض ۱۷ ہیں، نوشتہ حقوق امریکہ مجریہ ۱۷۹۱ء میں بھی متعلقہ دفعات بمشکل ۱۵ ہیں، اور اقوام متحدہ کا منشورِ حقوق انسانی مجریہ ۱۹۴۸ء کل ۳۰ دفعات پر مشتمل ہے جو تمام تر تجاویز اور سفارش ہیں جن کی کوئی قانونی اطلاقی حیثیت نہیں ہے (خطبۂ حجۃ الوداع کے عالمی انسانی منشور) میں صرف حقوقِ انسانی کا ہی بیان نہیں بلکہ حقوق اسلامی اور نظام زندگی کے دوسرے شعبوں کی تفصیل بھی موجود ہے۔

اس خطبۂ مبارکہ کی نوعیت و ماہیت کو ہم بہ اعتبار خطاب باب سوم میں زیر بحث لا چکے ہیں تاہم بہ اعتبار خطیب بھی اس کی شان دیکھ لیجئے کہ اس خطبہ کا خطیب کون ہے؟ اور وہ مخاطبین سے کب کہاں اور کس ظرفِ زمان و مکان میں گہر افشانی کر رہا ہے، وہ جلیل القدر ہستی، خطیب اعظم، پیغمبرِ کائنات ﷺ کی ہے، وہ ہادیٔ جن وانس، رہبرِ حق، نجات دہندہ انسانیت ﷺ ہے، ختم الرسل، امام الانبیاء، سرورِ عالم، جانِ دو عالم ﷺ ہے، وہ مبلغ اعظم ہے جو اس وقت ابلاغ حق کو نقطۂ کمال تک پہنچا رہا تھا (حجۃ البلاغ) صادق و امین امانت ربانی بندگانِ الٰہی کے سپرد کر رہا تھا۔ متمم دین، اپنی مساعی جمیلہ کو اس مژدۂ الٰہی سے ہم آہنگ کر رہا تھا: **اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً** (نزلت وهو واقف بعرفة، ابن سعد/ ج ۲، ص ۱۸۸) معلم انسانیت تعلیم اسلام کا جزو وکل پیش کر رہا تھا، اس کا مشن ان کے سامنے کامیابی و کامرانی سے ہم کنار ہو رہا تھا، لاکھوں کا مجمع تھا، مگر ہر ایک گوش بر آواز تھا، (ففتحت اسماعنا حتی کنا نسمع

مایقول ونحن فی منازلنا، ابن کثیر/ ج ا،ص ۳۹۶) اس خطیب کامل کی ہر بات قولِ فیصل، تقدس مآب، معیارِ دین وایمان اور باعث اجر وثواب تھی، وہ جو اپنے دہن مبارک سے ادا کر رہا تھا اس پر خود بھی عمل پیرا تھا اس لیے اس کا ہر لفظ حدیث اور ہر عمل سنت تھا، لہٰذا پورا خطبۂ مطہرہ بجائے خود صحیفۂ حدیث وسنت بن کر قرطاس دل پر منتقل ہو رہا تھا، اور پوری انسانیت کے لیے واجب الاذعان قرار پا رہا تھا، اس خطبہ کا ہر لفظ متن کا ہر حرف اور منشور کی ہر دفعہ کسی اور ہستی کسی اور مجلس کسی اور قوتِ نافذہ کی منظوری سے مشروط نہ تھی وہ اپنے صدور کے ساتھ ہی فی الفور سمع وطاعت کا حصہ بن گئی، تاہم یہ کمالِ خطیبانہ نہیں، بلکہ منتہائے پیغمبری ہے۔

وہ خطیب زمان تاجدارِ مدینہ، سربراہِ مملکت، فرمانروائے ریاست اور حاکم وقت بھی تھا، جو انتظام حکومت عملاً دس برس سے مسلسل چلا رہا تھا یہاں تک کہ مدینہ کی محدود شہری مملکت اس وقت تک ترقی کی منازل طے کرتی ہوئی دس لاکھ مربع میل کے علاقے پر یعنی پورے عرب کی وسعتوں پر چھا گئی تھی اور اس کی حدود میں رہنے والے باشندے بلا امتیاز ہر قسم کے سیاسی معاشی اور معاشرتی ومذہبی استحصال سے پاک معاشرے میں دین ودنیا کی برکتوں سے متمتع ہو رہے تھے اب جب کہ وہ بحیثیت حکمراں باشندگان ریاست کی ضروریات کا ادراک، ادنیٰ واعلیٰ کے حقوق کا خیال، عام وخاص کی جبلتوں سے آگہی حاصل کر کے تمام انسانوں کے مفادات کا محافظ و نگراں بن کر حاضر وغائب تمام نفوس کو تکریم آدمیت اور تعظیم انسانیت کی جو دولت بصورت فرمان امروز عطا کر رہا تھا اور تحفظ معیشت ومعاشرت کے لیے جو منشور جاری فرما رہا تھا، وہ فی الفور نافذ ہو گیا اور دنیا کو اسلام کی بنیادی تعلیمات کا خلاصہ، اخلاق و معاشرت اور اصول شریعت کا جامع ضابطہ اور حقوق انسانی واسلامی کی دائمی ضمانت مہیا کر گیا، مختصر یہ کہ اس عطائے فراواں کی کل سوغات خطبۂ حجۃ الوداع کی صورت میں نصیب ہو رہی تھی۔

عالم انسانیت کے لیے فلاح کی راہ

تمام انبیاء و رسل کی دعوت کا محور و مرکز توحید رہا ہے۔ (۱) اور سب کے سب بلا اشتنا انسانوں کو ایک اللہ کی طرف بلاتے رہے۔ (۲) حضور ختمی مرتبت، علیہ الصلوٰۃ والتحیہ کی دعوت و تبلیغ کا بھی اصل الاصول توحید تھا۔ (۳) دین کا مدار دعوت نبوی کا خلاصہ، مساعی رسالت کا منتہا اعلائے توحید الٰہی تھا، اور اسلامی نظام حیات کی بنیاد تمام تر توحید پر ہی قائم ہوئی، چونکہ اس عقیدہ کا لازمی تقاضہ اور مدعا یہ ہے کہ آدمی آدمی کے آگے سرنگوں نہ ہو، انسان پر انسان کی حاکمیت اعلیٰ قائم نہ ہو، بندہ بندے کا غلام نہ بنے، بلکہ صرف اللہ رب العالمین مالک الملک کے لیے ہی اس کی اطاعت و بندگی وقف ہو۔ اس کے فکر و عمل کا ہر گوشہ اسی عقیدے سے مستفاد ہو، کارزار حیات میں بس حکم الٰہی کا سکہ رواں ہو، اور مختصر یہ کہ انسان اپنے ظاہر و باطن میں اللہ ہی کے مقرر کیے ہوئے راستے (صراط مستقیم، سواء السبیل) (۴) پر گامزن رہے کہ یہی راستہ امن کا نجات کا واحد راستہ ہے، اور اسی طرح وہ دین و دنیا کے خسران و نقصان سے بچ سکتا ہے، اور اسی کے سبب انسان ہر ظلم و جہل سے، مطلق العنانیت سے، فرعونیت و نمرودیت سے اور وحشت و بربریت سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

فوز و فلاح انسانیت کا یہ راستہ محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو اس وقت دکھایا تھا اور معراجِ انسانیت کی بنائے مستحکم اس عقیدے پر اس وقت رکھی تھی جب کہ دنیا معرفت توحید سے یکسر خالی تھی، عرب، عجم، یونان، روم چین، ہندوستان، یعنی اس وقت کی معلوم دنیا

میں ہر سمت، ہر جگہ آدمی آدمی کا غلام تھا، حاکمیت ربانی کے بجائے طاغوت کی حکمرانی کا سکہ رواں تھا (۵) اور کفر و شرک کے اندھیروں نے زندگی گذارنے کا اصل راستہ مفقود کر دیا تھا، اس ماحول اور اس دنیا میں پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری چاردانگ عالم کے لیے نوید آزادی ثابت ہوئی، ہادیٔ برحق، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صورِ توحید پھونکا، اور توحید کی جامعیت کبریٰ سے زندگی کے نظام فکر و عمل کو یوں آراستہ فرمایا کہ ایک نیا عالم وجود میں آگیا اور پھر اِنِ الحکم الا للہ (۶) کے پرچم تلے اونٹوں کے چرانے والے، شاہراہ حیات پر قائد بن کر چلنے لگے، اور اب جب کہ ۱۰ھ میں توحید کی برکتیں سب کے سامنے آچکی تھیں، اور دنیائے انسانیت بچشم سر فلاح و سعادت سے ہم کنار ہونے والوں کو دیکھ رہی تھی۔ (۷) محسنِ اعظم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید الٰہی اور حاکمیت خداوندی کے سبق کو پھر سے یاد کرا، اور ضروری سمجھا کہ عروج آدمیت کے لیے اور فلاحِ انسانیت کی خاطر ''اساسیات دین'' کی پیروی لازم ہو۔

چنانچہ روایات کے مطابق اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں ہادی عالم ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ ہر پہلو سے جلوہ گر توحید ہے اور اُس کے لفظ لفظ سے حاکمیت خداوندی کا اظہار ہے۔ مثلاً اس خطبۂ جلیلہ کا سرآغاز یہ ہے۔

> سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔ ہم اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور اس سے مدد و مغفرت چاہتے ہیں، اُسی کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں، اس کے دامن میں اپنے نفس کی خرابیوں اور برے اعمال سے پناہ چاہتے ہیں، جس کو اللہ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو وہ بھٹکا دے اسے کوئی راہ یاب نہیں کرسکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اور اس کا کوئی سہیم و شریک نہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔ (۸)

پھر فرمایا:

لوگو! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ سے تقوی شعاری اختیار کرو اور میں تمہیں اللہ ہی کی اطاعت کا حکم دیتا ہو۔ (۹) لوگو! جان لو کہ تمہارا رب ایک ہے۔ (۱۰)

اسی موقع پر ارشادِ رسالت ہوا:

لوگو! شیطان اس بات سے تو مایوس ہو چکا کہ تمہاری اس زمین پر کبھی اس کی عبادت و پرستش کی جائے گی، مگر وہ آگے بڑھ کر اس بات پر راضی ہے کہ ان اعمال کے باب میں تم اس کے اشاروں کی تعمیل کرلو، جنہیں تم (بظاہر بہت) حقیر سمجھتے ہو۔ پس اپنے دین کے معاملے میں شیطان کے حملوں سے بچاؤ کا بندوبست کرلو۔ (۱۱)

یہ بھی فرمانِ نبوی ﷺ تھا:

اور سنو! غلو سے بچے رہنا، کیوں کہ دین میں غلو کرنے والے، تم سے پہلے بھی ہلاک کر دیے گئے۔ (۱۲)

اور فرمایا:

لوگو! میری بات اچھی طرح سمجھ لو! کہ میں بلاشبہ حق تبلیغ ادا کر چکا ہوں، اور تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو کبھی (ہرگز) گمراہ نہ ہوگے۔ ایک وہ جسے اللہ کی کتاب نے واضح کر دیا ہے، اور دوسرے اللہ کے نبی کی سنت۔ (۱۳)

ان ارشاداتِ نبوی ﷺ میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ بڑی بنیادی اور اصولی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ ہی کو اپنا خالق و مالک ماننا، اسی کو معبودِ حقیقی، اس کو ملجا و ماوی تسلیم کرنا، اسی کی بندگی و اطاعت کا اعتراف، پھر زندگی بھر تقوی شعاری اور اسی سبوح و قدوس کی رضا کا

حصول، ہر آن شیطانی حربوں سے بچتے رہنا اور غلو فی الدین سے احتراز، نہ صرف یہ کہ دین حق کے سنگ ہائے میل ہیں، بلکہ دین کی حفاظت کی دلیل ہیں۔ اور انسانی حقوق اور آزادیوں نیز مقاصد تشریع کے حوالے سے یہ باتیں تحفظ دستور کے ارکان ہیں، کیوں کہ اگر دین ہی محفوظ نہ رہے، اور دستور ہی دست وبردِ زمانہ سے نہ بچ سکے، تو دین کے عطا کردہ تحفظات اور دستور کی فراہم کردہ آزادیوں اور حقوق کا اجراء کس طرح ہوگا، اور احترام آدمیت وتکریم انسانیت کی ضمانت کون دے گا، ان ہی تمدنی ومعاشرتی ضرورتوں کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضور سید عالم، صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبۂ جلیلہ میں ان ارشادات گرامی کو گویا مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ کہ باقی باتیں اسی کا اجمال ہیں یا تفصیل، ان ہی کے نور سے مستنیر ہیں اور ان ہی ماخذ سے مستفاد ہیں۔

اجتماعی زندگی کی انسانی بنیادیں

تاریخ اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ بعثت نبوی کے وقت انسانی تمدن و معاشرت کا حلیہ ہر جگہ بالکل بگڑ چکا تھا، اور زندگی کا ہر دائرہ، تمدن کا ہر گوشہ اور معاشرت کا ہر جلوہ کیفیت و کمیت ہر لحاظ سے ظلم و جبر کی تصویر تھا، اور قرآن کے بیان سے صاف متبادر ہوتا ہے کہ ''خشکی و تری ہر جگہ فساد ہی فساد'' (۱۴) برپا تھا۔ اور قرآن کا یہ تبصرہ بھی برمحل معلوم ہوتا ہے کہ:

> اور تم آگ سے بھرے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے۔ پس اس نے
> تمہیں اس سے بچالیا۔ (۱۵)

تمدن و معاشرت کی پہلی اکائی خاندان ہے جس کا آغاز ایک مرد اور عورت کے اشتراک و تعاون سے ہوتا ہے، ایک مرد اور عورت کے تعاون سے پیدا ہونے والا دائرہ آہستہ آہستہ بڑھتا چلا جاتا ہے، اور تعلقات میں تنوع پیدا ہوتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ قوم قبیلے اور ملت تک جا پہنچتا ہے، اس اکائی کا استحکام، تمدن و معاشرت کے استحکام کی ضمانت ہے، اور اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ اکائی کے دونوں ارکان میں حقوق و فرائض کا توازن ہو، ساتویں صدی عیسوی میں یہی ادارہ ظلم و استحصال کا سب سے زیادہ شکار تھا، عورت اپنی نوع جنس میں ذلیل ترین مخلوق کا درجہ رکھتی تھی، دنیا کے کسی معاشرے میں اس وقت عورت کو عزت و وقار حاصل نہ تھا، اس کا استحصال ہر جگہ یکساں تھا، اور اس کے حقوق ہر جگہ پامال ہو رہے تھے۔ (۱۶) اس کا نتیجہ صاف ظاہر تھا، عورتوں کے ساتھ بے رحمانہ سلوک اور وحشیانہ

رویوں نے خاندانوں اور معاشروں کا امن وسکون تباہ کر رکھا تھا، اور اس کا مطلب یہ تھا کہ تمدن و معاشرت تباہی کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے، ایسے عالم میں انسانیت کا اور انسانی تمدن و معاشرت کا نجات دہندہ، محمد الرسول کے سوا کون ہوسکتا تھا، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاندانوں، میں تمدن و معاشرت کو تباہ ہونے سے بچایا اور ارکانِ خاندان، ارکان معاشرہ کے حقوق و فرائض کا تعین کر کے ایسا میزان عطا کر دیا کہ اگر ان کی دیانت داری کے ساتھ تعمیل کی جائے تو نہ صرف ایک گھر اور اس کا ماحول بلکہ پورا معاشرہ عدل وتوازن سے ہم آہنگ ہوسکتا ہے، اس بات کا اندازہ آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے علاوہ ان ارشادات سے بخوبی ہوسکتا ہے، جو خطبۂ حجۃ الوداع کے روشن الفاظ سے ظاہر ہے، اس موقع پر مرسل داور، خاص پیغمبر ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے۔ فرمایا:

> لوگو! تمہارے اوپر جس طرح تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں اسی طرح ان پر تمہارے کچھ حقوق واجب ہیں۔ (۱۷)

اس کے بعد ان حقوق کی تفصیل ارشاد فرمائی مثلاً کہ:

> عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ سلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے۔ (۱۸) اور تمہارے گھروں میں کسی ایسے کو نہ آنے دیں جنہیں تم نہیں چاہتے۔ (۱۹) اور یہ کہ معروفات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو تمہیں ان پر (زیادتی کرنے کی) کوئی راہ نہیں۔ (۲۰)

یہ بھی فرمایا:

> پس عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ (۲۱) اور عورتوں کے متعلق میں تم کو خیر کی تلقین کرتا ہوں۔ (۲۲)

ان ارشاداتِ رسالت پر غور فرمایئے اور آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے کی اس دنیا

کو دیکھئے جہاں ہر معاشرے، ہر سماج میں تمدن و معاشرت کی تباہ کاریاں اپنے شباب پر تھیں، اور جس کا صاف اظہار عورتوں کی خستہ حالی سے ہو رہا تھا، ایسے وقت ایسے ماحول میں، حقوقِ نسواں کے تحفظ کی جو ضمانت حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے خطبۂ جلیلہ میں دی گئی تھی اور اشتراکِ حقوق وسلوک کی جو تاکید فرما دی گئی تھی، اب صدیاں گزرنے کے بعد بھی دنیا کے کسی دستور، کسی منشور میں ایسا تحفظ نہیں پایا جاتا، (۲۳) اس لیے وہ دن بقول علامہ شبلی پہلا دن تھا جبکہ، یہ گروہ مظلوم، یہ صنف لطیف، یہ جوہر نازک قدردانی کا تاج پہن رہا تھا۔ (۲۴) اور دنیائے انسانیت کو یہ درس دے رہا تھا کہ افراط و تفریط کی پرپیچ راہوں سے الگ شاہ راہ اعتدال پر کس طرح چلا جاتا ہے۔

عورتوں کے علاوہ سماجی ناہمواری اور معاشرتی ظلم و فساد کا ایک اور نمائندہ گروہ، غلاموں کا تھا، غلاموں کا طبقہ اس وقت کے نام نہاد مہذب و متمدن ممالک میں بھی پست ترین حالات کا شکار تھا۔ یہ بات تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں لونڈی غلام مال واسباب کی طرح خریدے اور بیچے جاتے تھے، مقام و مرتبے کے اعتبار سے وہ کسی گنتی شمار میں نہ تھے اور انہیں آزادی اور حقوق کے نام کی کوئی چیز حاصل نہ تھی، بلکہ وہ پالتو جانوروں سے زیادہ گئے گزرے تھے۔ اس پر مستزاد وہ ظلم وستم، زیادتیاں، سختیاں اور ناروا سلوک تھا جو ظالم آقاؤں، جابر سرمایہ داروں اور حق وانصاف کا خون کرنے والے دولت مندوں کی انسانیت سوز حرکات کا نتیجہ تھا۔

اس پرمنظر میں اُسوۂ رحمۃ للعالمین کو ملاحظہ کیجئے، حضور سید المرسلین کی بعثت مطہرہ کا مقصد کلی یہ تھا کہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلائی جائے، اور تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ غلامی کا ادارہ بتدریج ختم کرنے کے لیے عہد رسالت میں اور اس کے بعد بھی برابر اقدامات کیے جاتے رہے، یہ سرور کائنات کی تعلیم اور عمل پیہم کا ہی نتیجہ تھا کہ غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کے حقوق کا تحفظ اس عہد، اس معاشرے میں یوں کیا گیا کہ خود

غلاموں کی غلامی باعث فخر بن گئی۔ (۲۵)

حجۃ الوداع کے معرکۃ الآراء خطبے میں طبقہ غلاماں کے محسنِ اعظم نہ صرف ایک جملہ میں ہی غلاموں کے حقوق وسلوک کا فیصلہ یوں کر دیا،

اور ہاں! تمہارے غلام تمہارے غلام! (ان کا خیال رکھنا) جو خود کھاؤ، وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو، وہی ان کو پہناؤ، اور اگر وہ کوئی ایسی خطا کریں جسے تم معاف نہ کرنا چاہو تو اللہ کے بندو، انہیں فروخت کر دو، انہیں نشانہ ستم نہ بناؤ۔ (۲۶) یہ فرمایا، خبردار! جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا کوئی غلام اپنے آقا کے سوا کسی دوسرے کے ساتھ اپنی نسبت قائم کرے گا، اس پر اللہ کی لعنت، اس کے فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی، اور قیامت کے دن اس سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ (۲۷)

تکمیل دینِ انسانیت

پیغمبر انسانیت، حضور سید کونین ﷺ ۶۱۰ء (یعنی ۱۳ ق ن) میں جس دین حق دین فطرت، دین انسانیت کی تبلیغ و تعلیم پر مامور کیے گئے تھے۔ اب ۲۳ سال گذرنے پر ۶۳۲ء (ذی الحجہ ۱۰ھ) میں وہ دین وہ مشن اُسی جگہ اسی سرزمین اور اُسی شہر (مکہ المکرمہ) اور اس کی وادیوں میں پایہ تکمیل کو پہنچ رہا تھا، جہاں سے شروع ہوا تھا۔ (۲۸) دین اسلام کے قیام و استحکام اور اس کے غلبہ و اظہار نے اتمام و اکمال کی وہ منزل حاصل کر لی تھی جسے خود مشیت بنظر استحسان دیکھ رہی تھی۔ (۲۹) عرفات و منیٰ کے میدانوں میں مکہ کے دشت و جبل میں، نہیں بلکہ مطلع آفاق پر اطاعت و بندگی رب کا وہ سب سے بڑا مظاہرہ ہو رہا تھا جس کے لیے جن وانس کی تخلیق ہوئی (۳۰) اور جس کے لیے گردش ایام نے سینکڑوں کروٹیں بدلیں، اور یہ کہنے کا وقت آگیا کہ

> ایھا الناس! ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السماوات والارض۔ (۳۱)
>
> لوگو! زمانہ گھوم پھر کر اُسی جگہ آگیا ہے، جہاں سے کائنات (ارض و سماوات) کی پیدائش کے دن شروع ہوا تھا۔

اس وقت تک نظام اسلامی، نظامِ ربانی قائم ہو گیا تھا، اور جاہلیت کے تمام آثار و ادارات مٹ گئے تھے، اور یہ انقلاب حالات دیکھنے والوں نے اپنے آنکھوں سے دیکھ لیا تھا،

اور یہ سب ایسی حقیقتیں تھیں جو عملاً تو پردۂ تاریخ پر ثبت ہو ہی چکی تھیں لیکن اب اگر کسی آخری سرکاری رسمی اعلان کی ضرورت باقی تھی تو وہ اس وقت پوری ہوگی، جبکہ ہادی کل، فخر الرسل ﷺ نے اسی خطبۂ حجۃ الوداع میں اپنی زبان وحی ترجمان سے یہ اعلان فرمادیا کہ۔

> آگاہ ہو جاؤ! کہ جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روندی جاچکی ہے، (۴۲) اور جان لو کہ زمانہ جاہلیت کے سارے خون (اور سلسلہ ہائے انتقام) مال واموال (باطلہ) اور آثار و علامات قیامت تک کے لیے کالعدم ہیں۔ (۴۳)

آثار و مفاخر جاہلیت کے تمام بادل چھٹ گئے اور دین مبین کا آفتاب گویا نصف النہار پر چمکنے لگا، بشیر و نذیر سراج و منیر نے حق رسالت ادا کیا، اب اس دین کی حفاظت امت کا کام تھا، اس لیے صاف صاف فرمادیا کہ:

> لوگو! میرے بعد کوئی اور پیغمبر آنے والا نہیں، اور نہ تمہارے بعد کوئی اور امت برپا ہوگی۔ (۴۴)

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جس دینِ فطرت کو پیش فرمایا، وہ چند سادہ اصولوں اور گنے چنے فرائض و واجبات پر مشتمل ہے، اس دین میں نہ حد سے زیادہ مبالغہ ہے نہ حد سے زیادہ کمی، نہ خود ساختہ وظائف و اعمال نہ غیر ضروری مشقت نہ خلاف فطرت ضابطے اور قاعدے، البتہ چند بنیادی ارکان کی ادائیگی، اور کچھ متعین احکام کی بجا آوری اور دین و دنیا کی مجموعی اسکیم سے ہم آہنگ طرز عمل کی نمائندگی سے دین کا تعارف مکمل ہو جاتا ہے، حجۃ الوداع کے عظیم الشان موقع پر دین کا خلاصہ خاتم النبیین ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا:

> خوب سن لو! کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو، اور پنجگانہ نماز ادا کرو، سال بھر میں ایک مہینہ رمضان کے روزے رکھو، مالوں کی زکوٰۃ نہایت دلی خوشی کے ساتھ دیا کرو۔ خانہ خدا کا حج بجالاؤ اور اپنے

اولیائے امور و حکام کی اطاعت کرو جس کی جزا یہ ہے کہ تم پروردگار

کے فردوسِ بریں میں داخل ہو جاؤ گے۔(۳۵)

ایک روایت کے مطابق یہ بھی ارشاد ہوا کہ

اللہ کے ساتھ کسی طرح کا شرک نہ کرنا، کسی کی جان جسے اللہ نے حرام

ٹھہرا دیا ہے ناحق نہ لینا، اور زنا نہ کرنا اور چوری نہ کرنا۔(۳۶)

اور فرمایا کہ میں تمہیں بتادوں کہ مسلم کون ہے؟ مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں (۳۷) اور مومن وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگوں کے جان و مال کو خطرہ لاحق نہ ہو (۳۸) اور اصل میں مہاجر وہ ہے جو غلطیوں اور گناہوں سے کنارہ کشی کرے، (۳۹) اور مجاہد وہ ہے جو اطاعت الٰہی کی راہ میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔(۴۰)

یہی ارشادات نبوی، یہی باتیں پورے دین کا خلاصہ اور اس کی اساس ہیں، ان اساسیات کو بیان فرما کر گویا حضور نے پورے دین کا خلاصہ پیش فرما دیا، اور یہ بتا دیا کہ دین کی ان مستقل اقدار میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، البتہ جزئیات و تفصیلات، وقت زمانہ اور حالات کے تحت مرتب ہوتی رہیں گی کہ یہی پہلو اس دین کو آنے والے ہر زمانے میں قابل عمل بنانے کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

اساسیات دین اسلامی

خطبۂ حجۃ الوداع کے جامعیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اس خطبۂ عظیم میں پورے دین کی اساسیات اور اس کی مذہبی، معاشرتی، معاشی، اخلاقی و اعتقادی بنیادیں بیک نظر سامنے آ جاتی ہیں، مختصراً ان کا جائزہ ہم نکات ذیل کی صورت میں لے سکتے ہیں:

۱۔ **مذہبی و اعتقادی**

تقویٰ شعاری کی ہدایت

اطاعت خداوندی اور توحید ربانی کی تلقین

امور جاہلیت سے اجتناب

نماز پنجگانہ، ادائے زکوٰۃ، صوم رمضان اور اطاعت اولی الامر کی تاکید

شرک سے پرہیز

شیطان کے حربوں سے خبردار

اعتصام کتاب وسنت کا حکم

غلو فی الدین سے بچنے کی وصیت

۲۔ **انسانی و معاشرتی**

وحدت آدم، تمام انسان برابر، اصل ونسل ایک

زبان، وطن، رنگ اور دوسرے امتیازات باطل

مساوات انسانی

انسانی، سماجی، اجتماعی اداروں کا تحفظ

تحفظ حقوق: (الف) انسان، (ب) مسلمان، (ج) مرد و زن، (د) غلام

انسانی، سماجی اداروں کی اصلاح

اخوت انسانی، اخلاقیات انسان

معاشرتی ظلم کی ہر نوع ناپسندیدہ،

بنیادی انسانی حقوق اور ذمہ داریاں، آزادیاں

۳۔ **معاشی**

معاشی ظلم کی ہر شکل ممنوع (سود، ربا، اصل)

تحفظ مال کی ضمانتیں

ظلم و غصب مال سے اجتناب

ازدواجی رشتوں میں مال کا تحفظ

ادائے امانت کا حکم

قرض ادھار قابل ادائیگی ہے۔

ورثا اور وارث کے حقوق

عاریۃً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے۔

تحفہ کا بدلہ دینا چاہیے۔

ضامن کو تاوان ادا کرنے کی ہدایت

عورتوں اور غلاموں کے حقوق میں لباس و غذا کی اہمیت۔

۴۔ **قانونی و تشریعی**

امور جاہلیت کالعدم متصور ہوں گے۔

اشہر حرم چار متعین ہیں (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم)

ہر ایک کی جان مال، عزت وآبرو معزز ومحترم ہے۔

عورتوں کے حقوق مردوں پر اور مردوں کے عورتوں پر واجب ہیں۔

زیادہ قسمیں کھانے سے پرہیز کیا جائے۔

امانت، اس کے سپرد کی جائے جو اس کا اہل اور حقدار ہے۔

اللہ نے ہر حقدار کو (از روئے وراثت) اس کا حق دے دیا ہے، اب کسی کو وارث کے حق میں وصیت ایک حد سے زیادہ جائز نہیں۔

ہاں مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے،

ہاں! باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب وہ باپ نہیں۔

۵۔ **تبلیغی و تحریکی**

انبیائے ماسبق کی تعلیمات معدوم ہو چکیں،

ختم الرسل کا لایا ہوا پیغام (اسلام) اب ہمیشہ کے لیے پوری انسانیت کے لئے، آخری حیات بخش پیغام ہے۔

اسلام قیامت تک قائم ونافذ ہونے کے لیے آیا ہے۔

مسلسل تبلیغ دعوت اور اشاعت پیغام کی ضرورت

دعوت ونصیحت کو حاضر غائب تک اور سننے والا مجلس میں حاضر نہ ہونے والوں تک پہنچا دے کہ ممکن ہے، جسے بات پہنچائی جارہی ہے، وہ سننے والے سے زیادہ عاقل ومحافظ ثابت ہو۔

دعوت کا تسلسل ہر زمانے میں جاری رہے گا۔

عدلِ اجتماعی کے محرکات

ساتویں صدی عیسوی میں ظلم و جبر کے وسیع تناظر کو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں ظلم و جبر کی مختلف سطحیں تھیں، تاہم ظالمانہ اور جابرانہ نظام کا اثر سب سے زیادہ معاشی سطح پر تھا۔ اور اس معاملے میں ایران و روم، چین و ہندوستان، عرب و عجم کی تخصیص نہ تھی، کیوں کہ ظلم و جبر، دراصل مسرفانہ زندگی کی ضرورت اور عیش پرستانہ طرزِ حیات اور اجارہ دارانہ و سرمایہ دارانہ ذہنیت کی پیداوار ہوتا ہے۔ اور اس زندگی کے نمایندے اور نمونے متمدن و غیر متمدن تمام معاشروں میں پائے جاتے تھے، بہر حال معاشی سطح پر جو ادارے اُس وقت انسانیت کا لہو چوس رہے تھے، ان میں سرفہرست سود تھا جو نہ صرف یہ کہ معاشی ظلم کی ایک مؤثر صورت ہے بلکہ تحفظ مال کی نفی اور عدلِ اجتماعی کی راہ کا سب سے بڑا پتھر ہے۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تحفظ مال و ملکیت کے لیے جو مختلف احکام نافذ فرمائے اور جنہیں عدل اجتماعی کے نفاذ کے لیے محرک بنایا، ان کا خلاصہ حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے خطبۂ جلیلہ میں بھی ارشاد فرمایا۔ اسی سلسلے میں فرمانِ رسالت یہ تھا کہ:

> جان لو! کہ جاہلیت کا تمام سودی کاروبار، اب باطل ہے، البتہ اپنی اصل رقم لینے کا تمہیں حق ہے، کہ جس میں نہ اوروں پر ظلم ہو تو تم پر ظلم (نقصان) اور اللہ نے یہ بات طے کر دی ہے کہ سود (کی کوئی گنجائش نہیں) (۴۱)

اسی خطبہ میں ارشاد فرمایا:

دیکھو میں نے حق پہنچا دیا ہے، پس اگر کسی کے پاس امانت ہو تو وہ اس بات کا پابند ہے، کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچا دے۔ (۴۲)

یہ بھی فرمایا:

لوگو! اللہ نے میراث میں سے ہر وارث کا جداگانہ حصہ مقرر کر دیا ہے، اس لیے اب وارث کے حق میں (ایک تہائی سے زائد میں) کوئی وصیت جائز نہیں۔ (۴۳)

پھر کہا:

قرض قابل ادائیگی ہے، (۴۴) عارتیاً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے۔ (۴۵)

یہ بھی ارشاد رسالت مآب ﷺ تھا:

لوگو! میری بات سن لو اور سمجھ لو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی اور تمام مسلمان باہم رشتۂ اخوت میں منسلک ہیں۔ (۴۶) پس کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کا مال لے مگر یہ کہ وہ برضا و رغبت دینا پسند کرے۔ (۴۷)

حقوقِ انسانی کا عالمی منشور

سید الاولین والآخرین کے کارہائے نمایاں میں سے یہ کارنامہ یقیناً عظیم ترین متصور ہوگا کہ اُن ہی کے یمنِ قدم سے انسان، معراجِ انسانیت پر فائز ہوا، آپ ہی کے سبب انسانی فضیلت واحترام اور تکریم وشرفِ آدمیت کی قندیل روشن ہوئی اور آپ ہی کے فیضِ کرم سے دنیا کو حقوقِ انسانی کی سوغات ملی، اور تاریخ میں پہلی مرتبہ انسان کے وقار واحترام کی حقیقی ضمانت دی گئی۔ انسان کے بحیثیت انسان حقوق وفرائض متعین ہوئے اور تمام انسانوں کو ایک ہی رشتۂ مودّت ومحبت میں یوں پیوست کردیا گیا کہ تقویٰ کے سوا، رنگ و نسل، زبان ووطن، اونچ نیچ، ذات پات، اعلیٰ وادنیٰ کا ہر امتیاز بے وقعت ٹھہرا اور خون و خاندان، دولت وسامان عہدہ ومنصب، قومیت وقبائلیت کا ہر فرق بے معنی قرار پایا اور یہ طے کردیا گیا کہ سب کے سب انسان بحیثیت انسان برابر ہیں، ایک ہیں، کہ سب کے سب آدم کی اولاد ہیں اور اُن میں سے ہر ایک برابر کی عزت ووقعت اور اعزاز واحترام کا سزاوار ہے۔

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ آپ ﷺ کے عہد زریں میں انسان درجۂ تذلل کی انتہائی پستیوں سے نکل کر آبرومندانہ زندگی گزارنے کے قابل بنا، اور اسے اس مثالی معاشرہ وریاست میں وہ تمام سیاسی وسماجی اور قانونی وثقافتی حقوق عملاً حاصل ہوئے۔ جن کا اس دور، اُس زمانہ میں تصور بھی محال تھا، آپ ﷺ کے عہد

مبارک میں پاکیزہ الہامی تعلیمات کے ذریعے ذہن وفکر کے سانچے بدلے گئے اور ایسے انتظامات کیے گئے کہ قتل و غارت گری، خونریزی وسفاکی اور عداوت وشقاوت کا ہر دروازہ بند ہو جائے اور معاشرہ کا ہر فرد دوسرے فرد کی جان و مال، عزت وآبرو اور نجی وشخصی زندگی کا محافظ بن جائے۔

یہ نبوی ﷺ کارنامہ، اپنے خاص تاریخی پس منظر کے سبب اور زیادہ وقیع اس لیے نظر آتا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی کی معلوم دنیا میں انسان ہر شرف سے محروم، پستی و ذلت کی آخری انتہا پہ کھڑا تھا، دنیا کے جو علاقے تہذیب وتمدن سے عاری مشہور ہیں، ان کی تو بات ہی کیا، وہ علاقے بھی جہاں پر تہذیب وتمدن کی ضوفشانیوں کا چرچا ہے، اس وقت انسانیت و آدمیت کے لیے موجب ننگ وعار تھے، انسانی اخوت بر بنائے انسانیت اور مساوات بر بنائے وحدت آدمیت کا چلن اس عہد میں نہ تھا، دنیا میں ہر جگہ، ہر خطۂ ہر علاقے میں انسان طبقوں میں بٹا ہوا تھا، سماجی تقسیم کہاں نہیں تھی، اونچ نیچ ذات پات، اشراف و غلام، ادنیٰ واعلیٰ کے پیمانے الگ، ان کی حیثیت ومرتبہ جدا ان سے سلوک مختلف، سب جگہ تھا، روم، ہندوستان، ایران وعرب، ہر ملک ہر خطہ میں اخوت ومساوات بے معنی الفاظ تھے، اور اقتدار واختیار، دولت وثروت کے آگے ہر شرف ہیچ تھا، خودغرضی وعیاشی، بغض وانتقام اور انانیت و شیطانیت کے عفریت، انسانیت کو ہر سمت سے ڈس رہے تھے، ایسی کرب ناک ذلتوں سے آدمی کو نکالنے والے آقا، اور حیات نو کا پیغام سنانے والے، مزمل ومدثر نے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا تھا۔

لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ (۴۸) تم میں سے اللہ کے نزدیک معزز ومحترم وہ ہے جو زیادہ تقویٰ شعار ہے۔ پس کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی برتری حاصل نہیں اور کسی کالے کو کسی سرخ پر اور کسی سرخ کو کسی کالے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، ہاں مگر تقویٰ کے سبب۔ (۴۹)

پیغمبرِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی موقع پر اعلان فرمایا:

لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزت و آبرو، آپس میں ایک دوسرے پر حرام و محترم ہے (جس طرح یہ دن محترم ہے، یہ مہینہ محترم ہے) قیامت تک کے لئے۔ (۵۰)

پھر کہا:

دیکھو! میرے بعد کہیں گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس ہی میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ (۵۱)

اور پھر فرمایا،

لوگو! میری بات سنو اور سمجھ لو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اور ایک مومن دوسرے مومن کے لیے (آج کے دن کی طرح حرام و محترم ہے) کہ اس کا گوشت دوسرے (مومن) پر حرام ہے کہ اسے کھائے، پیٹھ پیچھے، اس کی غیبت کرے، اور اس کی آبرو بھی دوسرے (مومن) پر حرام ہے کہ اس پر ہاتھ ڈالے (اور اس کی قبائے عزت کو پھاڑ ڈالے) اور اس کا چہرہ بھی حرام ہے کہ اس پر مارے، اور اُسے اذیت پہنچانا بھی حرام ہے اور یہ بھی (حرام ہے) کہ اسے دھتکارے اور ذلیل وخوار کرے۔ (۵۲)

آپ کا ارشادِ گرامی تھا۔

مجھ سے سن لو! تم زندگی گذارو (رہو، سہو، مگر اس طرح) کہ ظلم نہ کرنا، خبردار، ظلم نہ کرنا سنو، ظلم نہ کرنا۔ (۵۳)

یہ بھی کہا، پس آپس میں ایک دوسرے کی جانوں پر ظلم نہ کرنا۔ (۵۴)

فرمانِ رسالت تھا۔

ہاں مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے۔ (۵۵) ہاں باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں، اور بیٹے کے جرم کا ذمہ دار باپ نہیں، اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں۔ (۵۶)

یہ بھی فرمایا:

لوگو! سنو اور اطاعت کرو! اگر چہ تم پر کوئی ایسا نک کٹا حبشی غلام ہی کیوں نہ امیر بنا دیا جائے۔ جو تم میں کتاب اللہ کو قائم کرے۔ (۵۶)

آخر میں فرمایا:

اور تم سب، عنقریب رب ذوالجلال کے پاس جاؤ گے۔ پس وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس فرمائے گا۔ (۵۷)

ان ارشاداتِ ختم المرسلین پر غور کیجئے اور ایک مرتبہ پھر اس وقت، اُس زمانہ کا تصور کر لیجئے، جب کہ حقوق و مساواتِ انسانی کا یہ سبق، احترامِ آدمیت کا یہ فرمان اور تکریم انسانیت کا یہ اعلان یا مختصر الفاظ میں یہ منشور انسانیت سرور عالم کی طرف سے جاری کیا جا رہا تھا، اور اسے تمدن و معاشرت انسانی کا لازمہ قرار دیا جا رہا تھا، تاریخ بتاتی ہے کہ اس "منشور انسانیت کا اجراء آج سے کوئی ڈیڑھ ہزار برس پہلے اس وقت روبہ عمل آ رہا تھا، جب کہ دنیا میں کہیں حقوق انسانی کا کوئی یقین کوئی تصور موجود نہ تھا۔ (۵۸) انسانی مساوات کے الفاظ لغت اقوام میں سراسر اجنبی تھے۔ (۵۹) اور تمدن و معاشرت باہمی کے لیے احترام آدمیت اور حقوق انسانی کی اہمیت سے یونان و روم، عجم و عرب سے سب ہی ناواقف تھے۔

علاوہ ازیں ان حقوق انسانی کا اجراء جس ذاتِ بابرکت کے ہاتھوں ہو رہا تھا، وہ نہ صرف یہ کہ اوجِ رسالت پر فائز اور صفات و کمالاتِ نبوت سے آراستہ تھی بلکہ وہی ہستی امر واقع میں جزیرہ نمائے عرب کی مسند اقتدار پر جلوہ افروز تھی، اور ان حقوق و فرامین کے اجراء کی سند اسے مقتدر اعلیٰ کی طرف سے ملی تھی اور ان کی آخری منظوری احکم الحاکمین کے

ایوانِ اختیار سے جاری کی جا چکی تھی۔ گویا سیاسی لغت کے حوالے سے یہ منشور انسانیت ایک وسیع الاختیار مملکت اور کثیر الوسائل ریاست کی طرف سے عطا کیا جا رہا تھا، اور دینی، اخلاقی حوالے سے یہ رب الناس اور ملک الناس کی عطائے خاص تھی جو حاضر و غائب تمام انسانوں تک بالواسطہ پہنچائی جا رہی تھی۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ارشادات سید لولاک میں انسانیت کو جن حقوق و تحفظات سے سرفراز کیا جا رہا تھا، اور احترام آدمیت و انسانیت کے جو اصول زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر جاری ہوئے، آنے والے زمانوں میں اُن ہی کی روشنی و تابانی سے افق تا افق اجالا ہوا۔ اور دنیا میں جہاں کہیں بھی بیداری کی لہر پیدا ہوئی اور انسانی معاشرے میں جہاں کہیں بھی آزادی، مساوات اور حقوق کی آواز بلند ہوئی، اس کے پیچھے یہی آواز تھی جو اس وقت وادی فاران کے دشت وجبل میں گونج رہی تھی۔

پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس خطبۂ جلیلہ میں جن بنیادی انسانی حقوق اور تحفظات کو معاشرے و مساوات انسانی کے لیے لازم ٹھہرایا (اور جن میں سرفہرست، تحفظ جان، تحفظ مال و ملکیت، تحفظ عزت و آبرو، حق انصاف و مساوات، اور فرق و امتیاز کے بغیر انسانوں کے ساتھ یکساں سلوک اور دیگر معاشرتی حقوق مسائل ہیں۔ (۲۰) ان کی نوعیت یہ ہے کہ) وہ تمام تر ایجابی (POSITIVE) اور واقعی (REAL) حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کو عوام کی طفل تسلی کے لیے خطابت کے زور پر، کاغذی پیرہن میں، وقتی حل کے طور پر پیش نہیں کیا گیا۔ نہ وہ ترحم خسراونہ کا عکس تھے، نہ داد و بیداد زمانہ کا نتیجہ، بلکہ ان کے پیچھے اسلام کی مستقل تعلیمات، قرآن کی ابدی آفاقی ہدایات اور ریاست نبوی ﷺ کی تابندہ روایات جلوہ گر تھیں، اُن حقوق کو عملاً برت کر دکھایا جا چکا تھا اور ایسے تحفظات، اُس ریاست، اس معاشرے میں فراہم کیے جا چکے تھے جو اجرائے حقوق انسانی اور تشریف و تکریم آدمیت کی بجائے خود ضمانت تھے۔

حواشی

عالم انسانیت کے لیے فلاح کی راہ:

۱۔ نحل (۳۶) نیز دیکھیے، ندوی سید سلیمان/ سیرۃ النبی/ مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۵۱ء/ ج ۴، ص ۲۰۱

۲۔ سورۃ المؤمنین، آیت ۳۲۔ سورۃ بقرہ، آیت ۲۱۔ سورۃ الانبیاء، آیت ۲۵

۳۔ سورۃ زمر، آیت ۱۱۔ سورۃ الرعد، آیت ۳۶

۴۔ سورۃ آل عمران، آیت ۵۱، ۱۰۱۔ سورۃ المائدہ، آیت ۱۲، ۲۰، ۷۷۔ سورۃ انعام، آیت ۱۵۳، ۱۶۱۔ سورۃ مریم، آیت ۳۶۔ سورۃ الشوریٰ ۵۲، ۵۳

۵۔ ان امور کی تفصیل کے لیے دیکھیے: ندوی سید سلیمان/ سیرت النبی/ ج ۴، ص ۲۱۰ تا ۲۹۹۔ نیز ملاحظہ ہو۔ ندوی، مولانا سید ابوالحسن علی/ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر/ مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۷۴ء/ ص ۲۷ تا ۹۹

۶۔ سورۃ انعام، آیت ۵۷۔ سورۃ یوسف، آیت ۴۰، ۶۷

۷۔ قاضی محمد سلیمان صاحب، منصور پوری نے حجۃ الوداع کے لیے سفر نبوی ﷺ اور دخول مکہ کے ذکر میں جو حاشیہ درج کیا ہے، قابل ذکر معلوم ہوتا ہے، وہ حاشیہ میں (ج ۱، ص ۲۸۹ تا ۲۹۹) میں لکھتے ہیں۔ اس موقع کے متعلق یسعیاہ نبی کتاب میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو مخاطب کر کے کہا ہے۔ اٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا، دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی قوموں پر لیکن خدا تجھ پر طالع ہوگا اور اس کا

جلال تجھ پر نمودار ہوگا، اور قومیں تیری روشنی میں اور شاہاں تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے۔ درے سب کے سب اکٹھے ہوتے ہیں درے تجھ پاس آتے ہیں، تیرے بیٹے دور سے آویں گے اور تیری بیٹیاں گود میں اٹھائی جاویں گی، ۵۔ تب تو دیکھے گی اور روشن ہوگی، ہاں تیرا دل اچھلے گا اور کشادہ ہوگا، کیوں کہ سمندر کی فراوانی تیری طرف پھرے گی اور قوموں کی دولت تیرے پاس فراہم ہوگی، اونٹ کثرت سے آ کے تجھ چھالیں گے مدیان اور عیفہ کے جوان اونٹ دے، سب جو سبا کے ہیں لا دیں گے، اور خداوند کی تعریفوں کی بشارتیں سنا دیں گے، قاضی صاحب نے حوالہ درج نہیں کیا ہے، تاہم آج کل کتاب مقدس کا اردو ترجمہ دستیاب ہے، اس میں مذکورہ اقتباس (باب ۶۰، آیت ۱ تا ۷) موجود ہے۔ (ملاحظہ ہو، کتاب مقدس مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، ۱۹۵۹ء/ص ۷۰۸) البتہ الفاظ کا معمولی فرق پایا جاتا ہے۔

۸۔ صفوت/ احمد زکی/ جمہرۃ خطب العرب/ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۹۳۳ء/ ج۱، ص ۵۷

۹۔ ایضاً

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ ابن ہشام/ السیرۃ النبویۃ/ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۹۳۶ء/ ج ۴، ص ۱۵۲۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ایها الناس، ان الشیطان ألیس ان یعبد ببلادکم آخر الزمان وقد رضی منکم بمحقرات الاعمال، فاحذروه علی دینکم محقرات الاعمال (الاعظمی، الشیخ حبیب الرحمان، جزء خطبات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ملحق کتاب حجۃ الوداع/ عمرات النبی) المجلس العلمی، کراچی۔ (طبع الاول) ص ۵ بحوالہ البزار عن ابن عمر، نیز دیکھئے ایضاً/ ص ۳، بروایت ابی حرۃ الرقاشی۔ الفاظ ہیں (الا ان الشیطان قدائیس ان یعبدہ المصلون ولکنه فی التحریش بینکم) مزید دیکھئے۔ ابن کثیر/ البدایۃ والنہایۃ (فی التاریخ) مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۹۳۳/ ج ۵، ص ۲۰۲

۱۲۔ ابن سعد/ ج ۲، ص ۱۸۱

۱۳۔ ابن ہشام/ ج ۴، ص ۲۵۱۔ صحیح مسلم میں الفاظ یہ ہیں، وقد ترکت فیکم مالن تضلوا بعدہٗ (مسلم/ ج ۱، ص ۳۹۷) اور ابن عمرؓ کی روایت کے مطابق الفاظ ہیں: ایھا الناس! انی ترکت فیکم ان تمسکتم بہ لن تضلوا، کتاب اللہ فاعملوا بہ۔ دیکھئے: الاعظمی/ ص ۵، بحوالہ البزار عن ابن عمرؓ۔ نیز ملاحظہ ہو: صلوٰت/ ج ۱، ص ۵۹ اور دیکھئے: ابوداؤد/ السنن/ کراچی ۱۳۶۹ھ/ کتاب المناسک/ ص ۲۵۳۔ یعقوبی نے سب سے مختلف یہ روایت لکھی ہے۔ انی قد ترکت فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا کتاب اللہ و عترتی، اھل بیتی۔ (الیعقوبی، احمد بن ابی یعقوب/ تاریخ یعقوبی/ دار صادر، بیروت، ۱۹۶۰ء/ ج ۲، ص ۱۱۲، ۱۱۱) اور الطبرانی نے المعجم الصغیر میں ابوسعید خدریؓ سے روایت نقل کی ہے (قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی تارك فیکم الثقلین احدھما اکبر من الآخر کتاب اللہ عزوجل محدود من السماء الی الارض وعترتی اھل بیتی) ملاحظہ ہو۔ الطبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب اللخمی/ المعجم الصغیر/ المطبع الانصاری، دہلی ہند/ ص ۷۳۔ العقد الفرید کے مطابق الفاظ یہ ہیں: فانی قد ترکت فیکم، ان اخذتم بہ لم تضلوا کتاب اللہ واھلی بیتی۔ دیکھئے ابن عبدربہ، شہاب الدین احمد/ العقد الفرید/ المطبعۃ العامرہ مصر، ۱۲۹۳ء/ ج ۲، ص ۱۵۸

اجتماعی زندگی کی انسانی بنیادیں:

۱۴۔ سورۂ الروم، آیت ۲۱

۱۵۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۰۳

۱۶۔ زمانہ قدیم سے عہد جاہلیت تک، یونان، روم، ایران، چین، ہندوستان، عرب اور دنیا کے مختلف معاشروں میں عورتوں کی اخلاقی قانونی، اور معاشرتی حیثیت، مطالعہ و تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، مودودی، مولانا سید ابوالاعلیٰ/ پردہ، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۶۳ء/ ص ۹ تا ۲۱۔ انصر عمری، مولانا سید جلال الدین/ عورت اسلامی معاشرہ میں/ اسلامی پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور ۱۹۶۲ء/ ص ۳ تا ۱۶ نیز دیکھئے۔ ظفیر الدین، مولانا محمد/ اسلام کا نظام عفت و

عصمت/ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۶۲ء

۱۷۔ ابن ہشام/ ج ۴، ص ۲۵۱۔ استاذ احمد زکی صفوت نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: ایھا الناس ان لنائکم علیکم حقا ولکم علیھن حق۔ (جمہرہ/ ج ۱، ص ۵۸)

۱۸۔ ابن ہشام/ ج ۴، ص ۲۵۱۔ ایک جگہ الفاظ یہ ہیں، لکم علیھن الایوطن فرشکم غیرکم۔ دیکھئے صفوت/ ج ۱، ص ۵۸ اور ابی حرۃ الرقاشی کی روایت میں ہے ان لایوطن فرشکم احداً غیر کم۔ (الاعظمی/ص ۴/ بحوالہ الامام احمد)

۱۹۔ الاعظمی/ص ۴/ بحوالہ الامام احمد بحوالہ ابی حرۃ الرقاشی) صاحب جمہرہ نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔ ولایدخلن احداً تکرھونہ بیوتکم الا باذنکم۔ (صفوت/ ج ۱، ص ۵۸)

۲۰۔ الاعظمی ص ۵ بحوالہ البزار عن عمرؓ

۲۱۔ مسلم/ باب حجۃ النبی/ ج ۱، ص ۳۹۴۔ نیز ابن کثیر/ ج ۵، ص ۲۰۲

۲۲۔ ابن ہشام/ ج ۴، ص ۱۵۱۔ نیز دیکھئے، الاعظمی/ص ۱۴/ بحوالہ الامام احمد عن ابی حرۃ

۲۳۔ مثلاً انگریزی منشور اعظم (Magna Corta) مجریہ ۱۲۱۵ء میں حقوق وفرائض نسواں کے بارے میں کوئی وضاحت موجود نہیں ہے۔ امعان نظر سے دیکھنے پر پتہ چلتا ہے کہ اس کی کل ۶۳ دفعات میں۔ سے زیادہ سے زیادہ پانچ دفعات ایسی ہیں جنھیں عورتوں کے متعلق کچھ نہ کچھ ذکر ہے، چنانچہ دفعہ ۶ کے تحت ورثاء باہم شادی بیاہ کر سکتے ہیں لیکن ان کی شادی کسی نچلے سماجی رتبہ والے سے نہیں ہو سکتی۔ (ملاحظہ ہو۔ Marsh, Henry Kovuments of libertym, Darid and charles Newton allit England 1971 P.42d) دفعہ ۷ میں مذکور ہے کہ شوہر کی وفات پر بیوہ کو حق ازدواج اور وراثت کی ادائیگی بغیر قباحت، فی الفور کر دی جائے گی، ایضاً/ص ۴۲) دفعہ ۸ کے مطابق بیوہ کو اس کی مرضی کے خلاف شادی پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ (ایضاً)۔ دفعہ ۱۱ کے تحت اگر کوئی شخص مر جائے، جب کہ اس نے یہودیوں سے قرض لے رکھا ہو تو، بیوہ حق مہر لینے کی مجاز ہوگی اور اس میں سے قرض کی ادائیگی نہیں کرے گی۔ (ایضاً) اور دفعہ ۵۴ میں ہے۔ کسی عورت کی درخواست

پر نہ تو کسی شخص کو گرفتار کیا جائے گا نہ قید، نہ اسے سزائے موت دی جائے گی اِلّا یہ کہ وہ اس کا شوہر ہو۔ (ایضاً/ص ۴۸) فرانس کا اعلانِ حقوق انسان و باشندگان مجریہ ۱۷۸۹ء، حقوق نسواں کے باب میں بالکل خاموش ہے۔ (دیکھئے۔ Browlie, Ian (Ed) Basic Rights. clarendon press oxford)Documents of human 1971. P8-10)امریکی نوشتہ حقوق (Bie of Rights) مجریہ ۱۷۹۱ء کی ۱۵ دفعات میں بھی ان مسائل سے کوئی بحث نہیں (ایضاً/ص ۱۱ تا ۱۳) عصر جدید میں عالمی منشور حقوق انسانی مجریہ ۱۹۴۸ء کی دستاویز میں دفعہ ۱۶ میں صرف یہ لکھا ہے، کہ ہر بالغ مرد و عورت کو بلا امتیاز نسل، شہریت و مذہب شادی کرنے گھر بسانے کے مجاز ہیں (ایضاً/ص ۱۰۹) اور دفعہ ۲۵ کی ذیلی دفعہ ا کے تحت امویت یا مادریت (Mother hood) اور شیر خوارگی (Child hood) خصوصی توجہ اور امداد کی مستحق ہے اور تمام بچوں کو خواہ وہ جائز ہوں یا ناجائز یکساں سماجی تحفظ حاصل ہوگا (ایضاً/ص ۱۱۱) روسی دستور (U.S.S.R Constitution) مجریہ ۱۹۳۶ء میں (خاص نظریہ کے مطابق) دفعہ ۱۲۲ کے تحت (مملکت میں) عورتوں کو مردوں کے برابر، معاشی، حکومتی، ثقافتی، سیاسی اور عوامی دائروں میں حقوق حاصل ہوں گے۔ (ایضاً/ص ۲۵ تا ۲۸) وفاقی جمہوریت جرمنی کے بنیادی دستور مجریہ ۱۹۴۹ء کی کل ۱۹ دفعات میں سے دفعہ ۳ میں صرف اتنا ذکر ہے کہ مرد و عورت کے حقوق یکساں ہوں گے۔ (ایضاً/ص ۱۸ تا ۲۴) علاوہ بریں اقوام متحدہ کے کمیشن برائے انسانی حقوق کے تحت عورتوں کے سیاسی حقوق پر کنونشن منعقدہ ۱۹۵۶ء، (ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا/ ج ۸، ص ۱۸۸) شکاگو ۱۹۷۵ء۔

۲۴۔ شبلی/ ج ۲، ص ۱۵۷

۲۵۔ ان امور کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ سعید احمد، اکبر آبادی/ الرقاقی الاسلام/ یعنی اسلام میں غلامی کی حقیقت/ ندوۃ المصنفین، دہلی طبع دوم ۱۹۴۴ء/ (خصوصاً دیکھئے/ص ۳۰ تا ۳۸) نیز ملاحظہ ہو، صلاح الدین، محمد/ بنیادی حقوق/ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور ۱۸۷۷ء/ص

۳۹ تا ۴۱

۲۶۔ ابن سعد/ ج ۲، ص ۱۸۵۔ تاریخ یعقوبی کے مطابق آپ نے فرمایا تھا۔ فاوصیکم بمن ملکت ایمانکم فاطعم وھن مما تاکلون واکسوھم مماتلبسون / ج ۲، ص ۱۱)

۲۷۔ ابن سعد/ ج ۲، ص ۱۸۳۔ نیز صفوت/ ج ۱، ص ۱۵۹

تکمیلِ دینِ انسانیت:

۲۸۔ حجۃ الوداع کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو بقول شبلی کعبہ نظر پڑا تو فرمایا کہ ''اے خدا! اس گھر کو اور زیادہ عزت اور مشرف دے۔ پھر کعبہ کا طواف کیا، طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم پر دوگانہ ادا کیا۔ پھر صفا پر پہنچے۔ (ج ۲، ص ۱۵۲) یہ وہی مقام وہی جگہ ہے جہاں سے پیغام نبوت پہلے پہل نشر ہوا تھا۔ اسی کی چوٹی پر کعبہ کی جانب رخ کر کے کلمات توحید و تکبیر بلند کرنا اور لا الٰـــہ الا الـلّٰـــہ وحدہٗ انجز وعدہ ونصر عبدہ وہزم الاحزاب وحدہ کا ترانہ پڑھنا بقول قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری قابل ذکر ہے۔ وہ حاشیہ میں لکھتے ہیں، ''ان کلمات قدسی میں اللہ تعالیٰ کی تحمید و تقدیس بھی ہے اور مادہ پرست لوگوں کو نصرت الٰہی بھی بہ شکل مصور دکھائی گی ہے۔ چند سال ہوئے یہی محمد ﷺ (ج ۱، ص ۲۹۹) اسی مکہ میں اکیلا تھا، اب وہ محمد ﷺ ہے وہی مکہ ہے وہی عرب ہے، کہ پہاڑوں کو چوٹیوں پر سے توحید کے نعرے لگائے جاتے اور فتح و نصرت ربانی کے ترانے سنائے جاتے ہیں، شخص واحد کا ایسی عداوتوں مخاصمتوں، جنگوں اور تزدیروں کے بعد ایسی لا ثانی کامیابی حاصل کرنا انجز وعدہ ونصر عبدہ ہی سے تفسیر ہو سکتا ہے، سیعیا ہ یہی ہے۔ سلع (مدینہ) کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے۔ (۴۲/۱۰) ملاحظہ ہو۔ (ایضاً/ ص ۲۰۰)

۲۹۔ سورۃ مائدہ، آیت ۳ کا نزول عرفات میں ہی ہوا، جس میں اللہ نے شریعت اسلامی کی تکمیل اور اپنی پسندیدگی و خوشنودگی کا اعلان فرمایا۔

۳۰۔ سورۃ الذاریات، آیت ۵۶

۳۱۔ متعدد مآخذ میں یہی مضمون ہے۔ مثلاً ابن ہشام/ ج ۴، ص ۲۵۱۔ الاعظمی/ ص ۵، بحوالہ بزار عن ابن عمرؓ۔ ابن کثیر/ ج ۵، ص ۱۹۵، ۲۰۱۔ صفوت/ ج ۱، ص ۵۸ وغیرہ المسعودی نے خطبہ الوداع کا صرف یہی ایک جملہ نقل کیا ہے۔ (الا ان الزمان .... الخ) دیکھئے۔ المسعودی مروجہ الذہب ومعاون الجوہر، المکتبہ/ التجاریہ الکبری/ مصر ۱۹۴۸ء/ ج ۲، ص ۲۹۷

۳۲۔ مسلم، نور محمد اصح/ المطابع کراچی ۱۹۵۶ء/ کتاب الحج/ باب حجۃ النبی/ ج ۱، ص ۳۹۴

۳۳۔ ابن کثیر/ البدایہ/ ج ۵، ص ۲۰۱

۳۴۔ الاعظمی/ ص ۵/ بحوالہ البزار عن ابن عمر/ نیز دیکھئے، منصور پوری/ ج ۲، ص ۳۰۲ بحوالہ معدن الاعمال۔

۳۵۔ منصور پوری/ ج ۲، ص ۳۰۳/ بحوالہ معدن الاعمال حدیث/ ۹، ۸، ۱۱/ عن ابی امامہ رواہ ابن جریر وعساکر ایک دوسری روایت میں ان تمام فرائض وامور کا ذکر ہے۔ حج کا حکم شامل نہیں ہے۔ (دیکھئے الاعظمی/ ص ۸/ بحوالہ طبرانی عن ابی قبیلہ)

۳۶۔ یہ قول صرف ابن کثیر نے اپنی کتاب البدایہ میں نقل کیا ہے، ج ۵، ص ۱۹۷/ بحوالہ احمد عن سلمہ بن قیس الاشجعی۔

۳۷۔ الاعظمی/ ص ۸/ بحوالہ البزار والطبرانی عن فضالۃ بن عبید الانصاری

۳۸۔ ایضاً/ ص ۶/ بحوالہ طبرانی عن ابی مالک الاشعری

۳۹۔ ایضاً/ بحوالہ البزار والطبرانی فی عن فصالہ

۴۰۔ ایضاً۔

عدلِ اجتماعی کے محرکات:

۴۱۔ یہ روایت کا خلاصہ ہے، روایت میں عباس بن عبد المطلب کے سود کا ابطال بھی مذکور ہے۔ دیکھئے الاعظمی/ ص ۳، بحوالہ الامام احمد عن ابی حرۃ الرقاشی، الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ یہ ارشاد نبوی ﷺ تاریخ وسیر اور احادیث کی متعدد کتابوں میں موجود ہے (مثلاً صحیح مسلم باب حجۃ النبی/ ج ۱، ص ۳۹۴/ مشارق الانوار (صنعانی، ترجم اردو/ اصح المطابع کراچی،

۱۹۷۵ء/ص ۲۳۲)۔ابن ہشام/ ج ۴،ص ۲۵۱۔ابن کثیر/ البدایہ/ ج ۵،ص ۳۰۱وغیرہ

۴۲۔ الاعظمی/ص ۵/ بحوالہ البزار عن ابن عمر۔ایک روایت کے الفاظ ہیں۔فمن کانت عندة امانة فلیؤدھا الی من ائتمنه علیھا۔صفوت/ ج ۱،ص ۵۷۔

۴۳۔ صفوۃ/ ج ۱،ص ۵۹۔اس میں اس فقرے کا اضافہ بھی ہے ولا یجوز وصیة فی اکثر من الثلث۔ابن کثیر نے یہ الفاظ لکھے ہیں۔ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقه فلاوصیة/ لوارث/ ج ۵،ص ۱۹۸

۴۴۔ ابن کثیر/ ج ۵،ص ۱۹۸/ رواہ اہل السنن الاربعہ۔نیز شبلی/ ج ۲،ص ۱۵۸۔

۴۵۔ ایضاً

۴۶۔ ابن ہشام/ ج ۴،ص ۲۵۱،۲۵۲

۴۷۔ ایضاً/ص ۲۵۲۔ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں۔لایحل لامری من مال اخیه، الا ما طابت به نفسه۔

دیکھئے الاعظمی ص ۵ بحوالہ البزار عن ابن عمر

حقوقِ انسانی کا عالمی منشور:

۴۸۔ ابن ہشام/ ج ۴،ص ۲۵۰۔نیز دیکھئے صفوت/ ج ۱،ص ۵۹

۴۹۔ الاعظمی/ص ۷،۸/ بحوالہ طبرانی عن العداء بن خالد نیز/ص ۴/ بحوالہ الامام احمد عن ابی نضرۃ

۵۰۔ یہ نفس مضمون تقریباً تواتر کے ساتھ (محض الفاظ کی معمولی تقدیم و تاخیر راردو بدل کے ساتھ) احادیث وسیر کے ان تمام مآخذ میں موجود ہے جن میں خطبۂ حجۃ الوداع اور اس کے متعلقات سے بحث کی گئی ہے۔(مثلاً ملاحظہ، البخاری/ الصحیح/ اصح المطابع، دہلی ۱۹۳۸ء/ ج ۱، ص ۲۳۴، ۲۳۵۔مسلم/ ج ۱، ص ۳۹۷۔ابو داؤد/ سنن/ کراچی ۱۳۶۹ء/ کتاب المناسک/ ص ۲۶۳۔حاکم نیشا پوری/ المستدرک علی الصحیحین فی الحدیث/ دائرۃ المعارف، دکن ۱۳۳۴ء/ ج ۱، ص ۴۷۴۔الاعظمی/ص ۳ بحوالہ الامام احمد عن ابی حرۃ الرقاشی/ ایضاً/ص ۴/ بحوالہ الامام احمد عن ابی نضرۃ/ص ۴،۵/ بحوالہ البزار عن ابی عمر۔نیز

دیکھئے ابن ہشام/ ج ۴، ص ۲۵۰۔ ابن سعد/ ج ۲، ص ۱۸۴۔ ابن امیر/ ج ۲، ص ۱۴۶۔ ابن کثیر/ ج ۵، ص ۱۹۴، ۱۹۵۔ ابن قیم الجوزیہ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، دار احیاء التراث العربی، مصر/ ج ۱، ص ۲۸۶ وغیرہ۔

۵۱۔ بخاری/ ج ۱، ص ۳۵، ۲۳۴۔ ابن کثیر کے ہاں الفاظ یہ ہیں: الا! لا ترجعوا بعدی ضلالا یضرب بعضکم رقاب بعض/ ج ۵، ص ۱۹۵۔ نیز دیکھئے۔ احمد الامام/ المسند، ترتیب/ احمد محمد شاکر/ دار المعارف، مصر ۱۹۵۰ء/ ج ۶، ص ۲۰۳، عن ابن عباس۔ نیز دیکھئے۔ ایضاً/ ج ۴، ص ۵۵۷۸ عن ابی عمرؓ

۵۲۔ الاعظمی/ ص بحوالہ الہیثمی/ رواہ الطبرانی عن کعب بن عاصم الاشعری۔ تاریخ یعقوبی کے مطابق روایت یہ ہے۔ ان المسلم اخو المسلم لا یغشہ، ولا یخونہ ولا یعتابہ ولا تحل لہ دمہ ولا شئی من مالہ الا بطیبۃ۔

۵۳۔ الاعظمی/ ص ۳ بحوالہ الامام احمد عن ابی حرۃ الرقاشی/ نیز ابن کثیر/ ج ۵، ص ۲۰۱

۵۴۔ ابن ہشام/ ج ۴، ص ۲۵۲

۵۵۔ ابن کثیر/ ج ۵، ص ۱۹۸۔ شبلی/ ج ۲، ص ۱۹۴/ بحوالہ ابن ماجہ و ترمذی

۵۶۔ ایضاً

۵۷۔ ابن سعد/ ج ۲، ص ۱۸۵

۵۸۔ ابن ہشام/ ج ۴، ص ۲۵۰

۵۹۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کے بقول ''سترہویں صدی سے پہلے اہل مغرب میں حقوق انسانی اور حقوق شہریت کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ سترہویں صدی کے بعد بھی ایک مدت دراز تک فلسفیوں اور قانونی افکار پیش کرنے والے لوگوں نے تو ضرور اس خیال کو پیش کیا تھا لیکن عملاً اس تصور کا ثبوت اٹھارویں صدی کے آخر میں امریکہ اور فرانس کے دستوری اعلانات ہی میں ملتا ہے۔ اس کے بعد مختلف ملکوں کے دستوروں میں بنیادی حقوق کا ذکر ضرور کیا گیا ہے مگر اکثر و بیشتر حالات میں یہی صورت پائی گئی ہے کہ جو حقوق کاغذ پر دیئے

گئے ہیں وہ زمین پر نہیں دیئے گئے''۔ دیکھئے مودودی/ اسلام میں انسانی حقوق/ اردو ڈائجسٹ، لاہور، حقوق نمبر، ج ۱۵، شمارہ ۱۲، دسمبر ۱۹۷۵/ ص ۳۳۔ نیز دیکھئے صلاح الدین/ص ۳۷ تا ۴۶/ بنیادی حقوق کی تاریخ۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی تصریح کے مطابق، انسانی حقوق سے مراد وہ حقوق ہیں جو ۱۸ویں صدی عیسوی کے آخری عشرے کے بعد پیدا ہوئے/ ج ص ۱۱۸۳۔

۶۰۔ یونان کے فلسفیوں نے بلاشبہ قانون کی حکمرانی اور عدل وانصاف پر بہت زور دیا ہے اور اس کی ضرورت واہمیت پر بڑی فاضلانہ کتابیں تصنیف کی ہیں لیکن ان کے ہاں انسانی مساوات کا کوئی تصور ہمیں نہیں ملتا۔ وہ ہندوستان کے برہمن (حکمران اور مذہبی پیشوا) چھتری (فوجی خدمت انجام دینے والے) دیش (تجارت اور زراعت پیشہ لوگ) اور شودر (بقیہ تین ذاتوں کے خدمت گار اور غلام) طبقوں کی طرح انسانوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کرتے ہیں۔ (صلاح الدین/ص ۲۸) یہی مصنف آگے لکھتے ہیں ''اب افلاطون کا تصور انصاف ملاحظہ فرمائے۔''میں اعلان کرتا ہوں کہ انصاف طاقتوں کے مفاد کے سوا کچھ نہیں دیتا۔ ہر جگہ انصاف کا بس ایک ہی اصول ہے اور وہ ہے طاقتور کا مفاد (ایضاً ۳۸) افلاطون عدل کے معاملے میں مساوات کا قائل نہیں، وہ ہر طبقہ کے لیے علیحدہ قانون کا حامی ہے۔ (ایضاً ص ۳۹) افلاطون کی طرح اس کا شاگرد ارسطو بھی طبقاتی معاشرہ کا علمبردار ہے۔ اسے بھی مساوات کے تصور سے بڑی وحشت ہوتی ہے۔ (ایضاً)

✵ واضح رہے کہ ہم نے خطبۂ حجۃ الوداع کے پورے متن کو معرض بحث نہیں بنایا ہے بلکہ صرف انسانی آفاقی پہلوؤں کے حوالے سے منتخب ارشادات کو مدار بحث بنایا ہے۔

حاصل مطالعہ

خطبہ حجۃ الوداع، اس کے انسانی اور آفاقی پہلوؤں اور متعلقات کا مطالعہ کرنے کے بعد اب ہم اس منزل تک آ پہنچے ہیں کہ جہاں سے اُس منارۂ نور کا نظارہ صاف نظر آتا ہے، اور ہم بحیثیت مجموعی یہ کہہ سکتے ہیں کہ محسن انسانیت، رہبر آدمیت، رسول الثقلین، حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبۂ حجۃ الوداع الفاظ کے پیراہن میں کتنے ہی چمن زارِ معانی رکھتا ہے، جس کی نکہتوں نے پورے عالم کو معطر کر دیا تھا، اور چمن انسانیت میں جس کی خوشبو آج تک پھیلی ہوئی ہے۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اس خطبۂ جلیلہ کے بہت سے روشن پہلوؤں میں سے روشن تر پہلو اور نمایاں ترین وصف اس کا انسانی پہلو اور اُس کی ہمہ گیریت و آفاقیت ہے، اس بات کا اندازہ نہ صرف یہ کہ خطبۂ کے الفاظ، اس کے مضمون اور اس کے محل وقوع سے ہو جاتا ہے، بلکہ اس کا صاف قرینہ یہ بھی ہے کہ چوں کہ پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ تمام عالم کے لیے، تمام زمینوں کے اور تمام زمانوں کے لیے ہوئی، نیز آپ پر ایک عالمی آفاقی کتاب ہدایت کا نزول ہوا، اور آپ کی دعوت وتبلیغ کا منتہیٰ، آپ کا لایا ہوا پیغام اور آپ ﷺ کا مشن بھی عالمی انسانی آفاقی نوعیت کا تھا اس لیے لیے ایسے ہمہ صفت، ہمہ جہت رسول ﷺ کی رسالت کا اظہار، اور ہادیٔ عالم کی عالمگیر نبوت کا متقضا بھی دراصل، ایسے خطاب جامع کی صورت میں ہی موزوں ہو سکتا تھا، جس کے آئینہ میں ہر زمانہ اپنی تصویر

دیکھ لے اور جان لے کہ اس دائمی منشور انسانیت کی رو سے، وہ شرف آدمیت و انسانیت کی کون سے منزل میں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبۂ عظیمہ کے انسانی اور آفاقی پہلوؤں کی معنونیت و اہمیت کا جائزہ اپنے زمانے اور تاریخی پس منظر کے حوالے سے ہم پچھلے صفات میں لے چکے ہیں، لیکن یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس خطبہ کی اہمیت اپنے پیش منظر کے حوالے سے فزوں تر ہو جاتی ہے، جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عہد رسالت کے بعد بھی عرصۂ دراز تک یہی انسانی اور آفاقی اقدار اسلامی معاشرہ کی روح رواں بنی رہیں جن کی ترجمانی اس منشور انسانیت میں کی گئی تھی، بلکہ شاید یہ کہنا بھی مبالغہ متصور نہ کیا جائے گا کہ آزادی و حقوق انسانی کا جو پروانہ سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عطا کیا گیا تھا، اس نے خاکی انسانوں میں جرأت و ہمت، اور آزادی و بے باکی کے ایسے شرارے بھر دیئے تھے کہ جس کے سبب ان کی گردن کٹ تو سکتی تھی مگر جھک نہیں سکتی تھی، پھر جب اسلامی اقتدار حدود عرب سے نکل کر شمال میں آگے بڑھا اور مشرق و مغرب کی وسعتوں پر چھاتا چلا گیا تو حقوقِ انسانی کی سوغات اور آزادیوں کا توشہ دوسری اقوام و ملل کو بھی ملا۔ (۱) اور یوں جہاں جہاں شرف آدمیت کے چراغ روشن ہوئے اور احترام و حقوق انسانی کے لیے آواز بلند کی گئی، اس کا سرچشمہ اُسی منشور انسانیت میں پنہاں ہے۔

آج ہم جس عہد میں زندگی گذار رہے ہیں، بادی النظر میں اس کی چکا چوند نگاہوں کو یقیناً خیرہ کر سکتی ہے، لیکن بہ نظر غائر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ظرف اور زماں کی ہزار تبدیلیوں کے باوجود ''انسانیت'' دم بہ دم خیر و فلاح سے محروم ہوتی چلی جا رہی ہے، اقصائے عالم میں رفتہ رفتہ ایک عالمگیر جاہلیت، کا اثر و نفوذ بڑھتا چلا جا رہا ہے بقول ایک مصنف انسانوں نے پرندوں کی طرح ہوا میں اڑنا، مچھلیوں کی طرح پانی میں تیرنا سیکھ لیا، لیکن آدمیوں کی طرح زمین پر چلنا بھول گئے۔ اخلاق و معنویات اور حقیقی انسانی صفات و کمالات

میں سخت انحطاط اور تنزل ہوا، غرض لو ہے اور دہات کو ہر طرح ترقی ہوئی اور ''آدمیت'' کو ہر طرح زوال ہوا۔(۲) قوم ہو یا فرد آج ہر ایک کمزوروں سے طاقت کی وہی زبان استعمال کر رہا ہے اور قوت کی وہی دلیل آگے لا رہا ہے۔ جو کبھی عہد جہالت کا طرۂ امتیاز تھا، انسانی حقوق کی پامالی اور آزادیوں کی غلامی کے ہزار عنوان قائم ہو گئے ہیں، شیطنیت و بہیمیت کا صحرا پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ اور شرف آدمیت و انسانیت کے چھوٹے چھوٹے نخلستان باقی رہ گئے ہیں۔ اُسی مصنف کے بقول آج بھی غیر اللہ کی عبادت و طاقت کا بازار گرم ہے، آج بھی خواہشات نفس کا بت برسرراہ بج رہا ہے...... آج عالم انسانیت اپنی وسعت، وسائل سفر کی فراوانی، نقل و حرکت کی آسانی، اور اقوام و ممالک کے قرب و اتصال کے باوجود پہلے سے کہیں زیادہ تنگ ہے۔ اس وقت کا مادہ پرست انسان اس دنیا میں کسی دوسرے کی ہستی کو تسلیم نہیں کرتا اور اپنے فوائد اور خواہشات نفس اور خود پرستی کے سوا اس کو کسی چیز سے دلچسپی نہیں۔ خودغرضی نے اس کی گنجائش نہیں چھوڑی کہ کسی لمبے چوڑے ملک میں دو آدمی بھی زندہ رہ سکیں، تنگ نظر وطن پرستی ہر ایسے انسان کو جو اس کے وطن کے باہر پیدا ہو جانے کا قصوروار ہے، نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اس کے ہر کمال کی منکر ہے، اور اس کو ہر حق سے محروم کرتی ہے۔(۳) انسانی معاشروں میں جاہلیت کے آثار و مفاخر نے پھر سے جنم لے لیا ہے، امن عالم کو پہلے سے زیادہ خطرہ درپیش ہے، استعماریت، طبقاتی کشمکش، نسلی اور قومی امتیازات (۴) نے خشکی و تری ہر جگہ فساد بپا کر رکھا ہے، اور بحیثیت مجموعی، قبائے انسانیت گردآلود ہوگئی ہے۔ اس صورت حالات میں، ایسے عالم میں پھر سے ضرورت ہے کہ ''اس صوت ہادی'' کو سنا جائے جس نے کوئی ڈیڑھ ہزار برس پہلے کایا پلٹ دی تھی۔ کیا عجب منشور انسانیت کے ان چند فقروں کی دیانت دارانہ تعمیل سے ہی عالم انسانیت کتنی ہی لعنتوں سے نجات پا جائے اور اس شاہراہ حیات پر گامزن ہو جائے جو دین و دنیا کی فلاح کی راہ ہے۔

بہرحال حضور اکرم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبۂ حجۃ الوداع جسے عالمی انسانی

منشور قرار دیا جانا مناسب ہے، اپنی مستقل حیثیت، اہمیت و افادیت رکھتا ہے، باعث اجرو برکت اور ہر لحاظ سے قابل توجہ اور قابل عمل ہے، اس کا متن، مواد اور مضامین سرتاسر الہامی ہیں (وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى) ایک تو اس لیے کہ یہ خود کلامِ نبوت ہے۔ دوسرے یہ کہ قرآنی تعلیمات اور احادیث رسالت مآب کا نچوڑ اور خلاصہ ہے (طوالت کے خوف سے منشور کی دفعات کے لیے قرآن و حدیث سے استدلال نہیں کیا گیا) تیسرے یہ خطبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ۲۳ سالہ دعوتی تبلیغی اور پیغمبرانہ شعور و حکمت کا آئینہ دار اور ۱۰ سالہ حاکمانہ بصیرت و تجربات سے مستفاد تھا۔ گویا اس میں ہر پہلو سے جامعیت اس کی داخلیت میں پنہاں ہے، ایک اور اہم پہلو جس نے اس خطبہ، منشور، اور کلام نبوت کو لامحدود تسلسل عطا کر دیا ہے اور وقت و زمانہ کی قید سے آزاد، پیغامِ جانفزا، مژدۂ حیات بنا دیا ہے، وہ اس کی آخری دفعہ (۴۷) ہے۔ البتہ اس سے پہلے (دفعہ ۴۶ میں) یہ تنبیہ پہلے کر دی گئی کہ آپ ﷺ کے پیغام وصایا (اور اور امانت خطبہ) کو دوسروں تک بالکل ٹھیک ٹھیک بلا کم و کاست، جھوٹ یا کمی بیشی کے بغیر پہنچایا اور منتقل کیا جائے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: خبردار!

۱۔ جو یہاں موجود ہے وہ غیر حاضر تک (میری) یہ سب باتیں پہنچا دے۔

۲۔ کیونکہ جن تک یہ باتیں پہنچیں گی، ممکن ہے وہ یہاں موجود سننے والوں سے زیادہ سمجھ دار ہوں۔ (عمل کر کے فلاح و نجات پالیں)

۳۔ سن لو! تم میں سے قریب والوں پر لازم ہے کہ اپنے سے دور والوں تک (یہ پیغام) پہنچا دیں۔

اس دفعہ ۴۷ کا تقاضہ یہ تھا کہ حاضر سے غائب تک یعنی حال سے مستقبل تک ترسیل (خطاب) تبلیغ (خلاصہ دین) توضیح (منشور انسانی) اور توسیع (دعوت خیر و فلاح) کا سلسلۂ غیر مختتم تمام، ناظرین، حاضرین و سامعین کی وساطت سے غائبین در غائبین، طبقہ بہ طبقہ، سینہ

بہ سینہ، ذہن بہ ذہن منتقل ہوتا، چلا جائے اور جو اسے (کلی یا جزوی طور پر) سنتا جائے، (فرض کفایہ کے تحت) اسے دوسروں تک پہنچاتا چلا جائے (بلغوا عنی و لو آیة) بظاہر یہ سادہ سی ہدایت تھی لیکن اس میں گویا ابلاغ عامہ کے عمودی رخ کی تمام وسعتیں پنہاں تھیں جب کہ دوسری شق میں (یہ فرما کر کہ) قریب والوں (اپنوں) پر لازم ہے کہ (دوسروں، غیروں، پرایوں) دور والوں تک یہی پیغام جانفزا (برابر مسلسل) پہنچاتے رہیں، یہ گویا افقی طرز ابلاغ ہے چنانچہ قاعدے کے مطابق اگر نجوم ہدایت لیے یہی ابلاغی لہریں واسطہ در واسطہ عمودی اور افقی دونوں سمتوں میں حرکت پذیر رہیں تو پورے کرۂ وجود پر اجالا پھیل جاتا ہے، اور کوئی زاویہ، کوئی سمت، کوئی سطح روشنی سے دامن نہیں بچا سکتی۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اجالے پھیلانے، روشن کو روشن تر کرنے آئے تھے، قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ۔ (سورۂ مائدہ، آیت ۱۵) اور یہ بھی گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرض منصبی میں داخل تھا کہ عوام الناس کو مقام آشنا، حقوق آشنا کر کے ظلمتوں سے نکال کر روشنی کی دہلیز پر لے آئیں۔ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ۔ (سورۂ ابراہیم، آیت ۱) اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر امتی کا یہ فرض منصبی ٹھہرا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتاب ہدایت وارشاد سے ایک ایک کرن مستعار لے کر ہر ایک کے لباس وجود میں ٹانک دے تاکہ آج وفور معلومات کے باوجود افکار میں جو تیرگی بڑھ گئی ہے اسے روشنی نصیب ہو۔ تسلسل ابلاغ کی جو ذمے داری (از روئے دفعہ ۴۷) ہر مسلمان (فرد و جماعت) پر عائد ہوتی ہے اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبۂ حجۃ الوداع (عالمی انسانی منشور) کو ہر ممکن طریقہ سے دوسروں تک پہنچایا جائے تاکہ جو سلسلہ غیر مختتم صدیوں سے جاری ہے اس میں خلل واقع نہ ہو۔

الحمدللہ اسی فریضۂ ابلاغ کی تعمیل میں آج یہ سعادت بہ توفیق ایزدی اس ذرۂ ناچیز خاکسار نثار، (راقم الحروف) کو حاصل ہو رہی ہے کہ وہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبۂ جلیلہ عربی متن کی جمع و تدوین اور بہ قید دفعات اس کی لفظی و معنوی ترتیب نیز بطور عالمی انسانی منشور، اس کی علمی

تحقیقی پیشکش کے قابل ہوا اور یوں اس کی ۳۵ سالہ کوششیں وکاوشیں ساحلِ مراد سے ہم کنار ہوئیں۔

والحمد لله علی ذلك علیه توکلت والیه انیب، وما علینا الا البلاغ۔

اسناد، حوالے، حواشی

۱۔ اسلام کی برکتیں اور اثرات دنیا کے ہر حصہ میں پہنچے خصوصاً یورپ میں، چنانچہ رابرٹ بریفائٹ کے خیال میں ''یورپ کی حقیقی نشاۃ ثانیہ پندرہویں صدی میں نہیں بلکہ عربوں اور موروں کی احیائے ثقافت کے زیر اثر وجود میں آئی۔ یورپ کی نئی پیدائش کا گہوارہ اٹلی نہیں ہسپانیہ تھا۔ (بریفالٹ، رابرٹ/تشکیل انسانیت، (ترجمہ عبدالمجید سالک)/ مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع دوم، ۱۹۶۶ء/ص ۲۹۲۔ اس کا یہ بیان بھی حقیقت پر مبنی ہے کہ ''یورپ نے اسلام سے جو کچھ حاصل کیا اس سے فائدہ اٹھا کر وہ اس پر سبقت لے گیا۔ (ایضاً/ص ۳۵۰)

۲۔ ندوی ابوالحسن علی/ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر/ص ۲۸۸

۳۔ ایضاً ص ۳۹۸

۴۔ ملاحظہ ہو: Azzam AbdulRahman The Eternal Message of Muhammed (Eng: Tr.by Farah, Caesar E) Quartet Books london 1976 (P.213-256)

علوم اسلامی کا افتخار جن موضوعات سے وابستہ ہے، ان میں سے ایک وقیع عنوان سیرت نبوی ہے۔ حضور ختمی مرتبت ﷺ کے تذکار حیات کے علمی اور عملی پہلوؤں کو صحابہ کرامؓ، محدثین عظام اور ائمہ دین نے جس محبت، عقیدت، ریاضت اور ثقاہت سے مرتب کیا، اس کی نظیر ادبیات عالم میں بہت کم دکھائی دیتی ہے۔ سیرت نگاروں نے آپؐ کی تیئس سالہ نبوی زندگی کی دعوتی اور تبلیغی تمام تر تفصیلات کو بڑے حزم و احتیاط کے ساتھ محفوظ کیا ہے۔ دورِ رسالت کے آخری دس سال آپؐ نے ایک اسلامی معاشرے اور ریاست کی تشکیل کے آئینی اور دستوری مطالبات کی تکمیل میں صرف کیے۔

عہدِ رسالت میں اسلامی ریاست کی متنوع دستاویزات، مکاتیب اور خطبات ذخیرۂ سیرت کا مستقل حصہ ہیں۔ اس ذخیرے میں میثاق مدینہ اور خطبۂ حجۃ الوداع میں اوّل الذکر تاریخ انسانی میں کسی ریاست کا ۵۴ دفعات پر مشتمل پہلا دستور ہے جسے کسی حکمران نے تحریر کرایا تو ثانی الذکر انسانی حقوق کا ایک ایسا عالمی منشور ہے جس کی ۴۷ دفعات اپنی ۷۱ تشریحات کے ساتھ احترام آدمیت کا سب سے بڑا چارٹر ہیں۔ یہ تاریخ ساز دستاویز عہد نبوی کا آخری خطبہ ہے جسے ڈیڑھ لاکھ کے قریب صالح افراد کے سامنے ایک دائمی وصیت کے طور پر ۷ مارچ ۶۳۲ء بمطابق ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ کو عرفات کے میدان میں پیش کیا گیا۔ یہ خطبہ حدیث اور سیر کی کتابوں میں منتشر اجزاء کی صورت میں موجود تھا۔ مگر یہ سعادت ڈاکٹر نثار احمد کے حصے میں آئی کہ انہوں نے مسلسل پینتیس سال کی ریاضت کے نتیجے میں اس کا مستند متن تیار کیا اور ساتھ ہی اس کا تقابل میگنا کارٹا (۱۲۱۵ء) فرانس کے اعلانِ حقوقِ انسانی (۱۷۸۹ء)، امریکی نوشتۂ حقوق (۱۷۹۱ء) اور اقوامِ متحدہ کے منشورِ آزادی (۱۹۴۸ء) کے ساتھ کر کے خطبۂ حجۃ الوداع کی اوّلیت اور سبقت کو واضح کیا۔ یہ خطبہ انسانی حقوق کا وہ عالمی منشور ہے جس کو اپنائے بغیر امن عالم کی آرزو پوری نہیں ہو سکتی۔ یہ خطبہ عقیدہ و عمل کی اصلاح، معیشت و معاشرت کی درستی، ظلم اور استحصال سے نجات، نسلی، لونی اور لسانی امتیازات سے چھٹکارا، تعمیر حیات کا عملی خاکہ اور زبانِ رسالت کی فصاحت و بلاغت اور اعجاز آفرینی کا نادر نمونہ ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس خطبے کا یہ مستند متن اپنی توضیحات کے حوالے سے ان شاء اللہ علما اور محققین، ماہرین قانون اور بنیادی حقوق کی انجمنوں سے متعلق افراد کے لیے ایک مستقل حوالے اور مطالعے کی حیثیت اختیار کرے گا۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر، بیت الحکمت، لاہور

ڈسٹری بیوٹرز

فضلی بک سپر مارکیٹ
اردو بازار کراچی
فون: 021-2212991

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، تاجران کتب خانہ جات
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اردو بازار، لاہور فون: 7320318
ای میل: hikmat100@hotmail.com

ISBN 969-8773-35-5